

M.A.LIBRARY, A.M.U.



U56641

۱۱۱

۵۶۶۵۱



12 JUL

دوستک سُلطانی پر

CHECKED-2002

یہ کاغذی ہاتھ جن کی لکیروں میں خدائے تعالیٰ کی اُس مکتوب کے احوال نوشتے ہیں۔ جنہوں نے نوع انسان کے کتل کرنے میں حصہ لیا اور اپنی علیت و ہانت و قابلیت سے طبقہ نرال کی مفروضہ خلعت میں چار چاند لگا کر دکھائے۔ اس حرم اعلیٰ کے دروازے پر دستک پتا ہے۔ اُس سرا پر وہ ہلاکوں کے دامن عاطفت کو تماش کر تا ہے جو اس زمانے میں علم نازوں کی دنیا میں نیز درخشاں ہے یعنی ظل سبحانی ہر مائنس حضور عالیہ حضرت بیگم صاحبہ تسلیم لار وال بہتوپال + ترقع ہے کہ سُلطانی دروازے پر یہ دستک مقبول ہوگی اور دست فیض پر در اس علمی یادگار کو اپنی حمایت میں منسوب ہونے کی عزت مرحمت فرمائے گا۔

آئینہ وار قبولیت

احقر از من بینا ظہور کس تہت تیغ تاریخ درو

مقام
صوبہ دہلی

فهرست مضامین

نمبر شمار	نام	صفحه
۱	زبیده خاتون	۱
۲	ام النخیر رابعه بصریه	۵
۳	مضغه - نمه - زبده -	۱۰
۴	رابعه شامیه	۱۳
۵	شهده کاتبه	۱۶
۶	علیه نبست مهدی	۲۰
۷	ام علی تقیه	ب
۸	قطر الندی	۲۵
۹	خدیجه نبست اقیم	۲۷
۱۰	ام مانی مریم	۲۹
۱۱	فاطمه فقیهه	۳۱
۱۲	فاطمه نیشاپوریه	۳۲
۱۳	زینجا ملکه مصر	۳۴
۱۴	بلقیس ملکه سبا	۴۰
۱۵	ملکه زبانه	۴۹
۱۶	ملکه زینبیه	۵۷
۱۷	اسم ابلان	۷۲

صفحہ	نام	نمبر شمار
۷۷	نوار زوجہ فرزدوق	۱۸
۸۸	لیلائے اخیلیہ	۱۹
۹۶	ام سلمہ زوجہ سفاح	۲۰
۱۰۲	سمی رامس ملکہ بابل	۲۱
۱۱۱	ملکہ استیرا اسرائیلیہ	۲۲
۱۲۲	قلو پطروہ	۲۳
۱۳۱	ہند بنت نعمان	۲۴
۱۴۰	اردنفا ملکہ روس	۲۵
۱۵۰	کتھرائن ملکہ روس اول	۲۶
۱۶۱	ہلینا قسطنطین عظمیٰ کی ماں	۲۷
۱۶۵	ملکہ سجاح	۲۸
۱۷۲	میدم ڈی اسٹائل	۲۹
۱۷۵	جون آف ارک	۳۰
۱۹۰	اشتہار تفسیر	۳۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زبیدہ خاتون

ام جعفر اُمّہ العزیز زبیدہ بنت جعفر بن ابی جعفر منصور بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس عم رسول اللہ صلی علیہ وسلم یہ خاتون عرب کی اُن پاک نهاد خاتونوں میں ہے جنہوں نے شرافت و عزت و صورت و سیرت و دولت و ثروت اور عصمت و عفت و غرض تمام صفتوں اور نعمتوں کو اپنی ذات میں جمع کر لیا تھا۔ بنی عباس کا زمانہ شباب گئی یا اسی خاتون کی اقبال بندی کا نمونہ تھا اور ہارون رشید کی فحشندویں اور اُس کی بیعت و جبروت کا تاج اسی ملکہ کے خوبصورت سر پر تھا عم رسول اللہ حضرت عباس کی اولاد سے تھی۔ دوسرے خلیفہ بنی عباس المنصور کی پوتی۔ ہارون الرشید عظمیٰ کی والدہ متب ملکہ۔ اور مظلوم و نیکو خلیفہ امین کی مان تھی۔

الف لیلہ کی کہانیوں سے جو خارجہ جانے کس عجول زمانے میں مرتب کی گئی ہیں اس اسلامی ملکہ کے چال چلن کو مشتبہ اور عشرت پرستی کا نمونہ ثابت کر دیا ہے۔ مگر مورخان تحقیق و کام لیا جاوے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اُن کی وقعت بے بنیاد افواہ و اڑیوں زیادہ نہیں ہے۔ اُس کا اصلی نام اُمّہ العزیز تھا بچپن میں چونکہ خوب صورت گوری گوری اور موٹی تانسی لڑکی تھی لہذا دادا یعنی خلیفہ منصور اُس کو اپنے دونوں ہاتھوں پر بچاتے اور کہتے ”زبیدہ ہو زبیدہ“ زبیدہ عربی میں اُس آئینہ کو کہتے ہیں جس کے آئینہ نگاہ کے نہیں نکالا جاتا ہے۔ یہ لقب ایسا پسند آئی کہ سب اُسکی زبیدہ ہی کہنے لگے اور اسی وقت سے زبیدہ کے نام سے مشہور ہوئی چونکہ یہ نام اسی

وقت کا تصنیف تھا لہذا ایک عربی خاتون کیلئے سب سے پہلا نام تھا۔ مگر اُس کی ذات سے اس نام کو اس قدر شہرت ہوئی کہ اب تک ہاگھالوں میں یہ نام رکھا جاتا ہے اور عموماً پسندیدہ ہے۔
 زبیدہ کی نسبت یہ تو نہیں ہے چلتا کہ کس سنہ میں پیدا ہوئی۔ مگر اس ۱۹۵ھ میں اس کا عقد نکاح ہارون کے ساتھ ہوا۔ جو ابھی ایک نو عمر شاہزادہ تھا۔ یہ شادی ہارون کے سختی میں ایسی مبارک ثابت ہوئی کہ اسی سال اپنے باپ خلیفہ مہدی کے حکم سے رومیوں کے مقابلہ کو روانہ ہوا۔ اور ہر قلعہ تک برابر فتوحات کے پھر برے اڑاتا چلا گیا۔ آخر رومیوں کے ہاتھ سے صلح کر لی۔ اور ہارون بہت کچھ دولت و ثروت لیکے واپس آیا اس کا گزاری پر مہدی ایسا خوش ہوا کہ زبیدہ کی فرخندہ طالعی کا نمونہ دوسرے برس یہ نظر آیا کہ باوجودیکہ ہارون مہدی کا بڑا بیٹا تھا اور اس بڑا بیٹا ہی ہادی پیشتر ہی کوئی عہد خلافت تسلیم کیا جا چکا تھا۔ مگر مہدی نے لیاقت و کارگزاری کے صلے میں ہادی کے بعد جانشین خلافت اسی کو تسلیم کر لیا۔ اور ایک بڑے دربار میں ہارون کے لئے تمام علماء و فضلا اور کابر قوم سے بیعت لی گئی آخر ۱۹۷ھ میں حسب قسمت نے تخت خلافت کو ہادی کے خالی کیا تو ہارون ہارون الرشید کا لقب اختیار کر کے مسند آرائے خلافت ہوا۔ اور زبیدہ ساری دنیا نے اسلام کی فیاض و ہر دلخیز ملک بن گئی۔

دولت و ثروت نے ہارون کو اگرچہ ہزار ہا بری جمال اور حور و شہ لوندیاں دی تھیں اور اُس عہد کے مختلف مورخوں کو اتفاق ہے کہ ساری دنیا کا منتخب حسن و بجاؤ کی حرم سر خلافت میں جمع تھا مگر زبیدہ کی لیاقت اور رشید کی نیکی نفسی سے اسی بی بی اور گھر کے مالک ہو نیک تاج زبیدہ ہی کے سر پر رہا۔ رشید کے آخر عہد تک زبیدہ ہی سارے محل کی مالک تھی۔ اور رشید نے کبھی کسی معاملے میں اُس کی دل کئی نہیں کی۔ آخر تیس سال تک اسی ساری دنیا نے اسلام کا سر تاج رکھ کے ۱۹۳ھ میں رشید نے جام فنا پیا اور زبیدہ کا بیٹا امین الرشید تخت سلطنت پر چاہوہ افروز ہوا مگر افسوس کہ امین بالکل شاہزادہ ہی تھا۔ عشرت پرستی اور ہود و عجب کے سوا اسے ملک داری و ملک گیری میں دلچسپی نہ تھی۔ اُس پر یہ قیامت ہوئی کہ مامون رشید کے ایسے لائق و ہوشیار اور ہر دلخیز بھائی کی دشمنی پر آمادہ ہو گیا نتیجہ یہ ہوا کہ لڑائی ہوئی مامون کے بعض سنگدل سپاہ سالاروں کے ہاتھ ۲۰۱ھ میں

نہایت مظلومی کیساتھ مارا گیا اور ماموں الرشید سارے مقبوضات خلافت کا مالک تھا۔
 یہ وقت زبیدہ کے لیے نہایت ہی نازک تھا۔ اور شاید اس سے زیادہ صدمہ اُس کی کبھی زندگی
 بھر نہ اٹھانا پڑا ہو گا کیونکہ اکلوتا بیٹا تخت سلطنت پر سے کھینچ کے مارا گیا اور وہ مجبور تھی کہ یہ
 سوتیلے بیٹے اور خاص اپنی لخت جگر کے قاتل کیساتھ سزا طاعت جھکائے اور راضی ہو جاتا ہوگا
 یہ کام اگرچہ بہت مشکل تھا۔ مگر اُس لائق مضابط اور نیک ملکہ نے نہایت خوبی سے سر انجام
 دیا۔ چنانچہ جوش و پرسوز اشعار کے ذریعے ماموں پر اپنی فرمان برداری بھی ظاہر کر دی۔
 امین کی موت پر افسوس بھی ظاہر کیا اور ان لوگوں کی شکایت بھی کر دی جنہوں نے امین کو
 بے رحمی قتل کیا تھا اور غالباً انہیں اشعار کا اثر تھا کہ اس کے بعد ماموں کے دل میں بخیر
 اُسی سبب سالار کی جانب سے ایک دشمنی پیدا ہو گئی جس نے اسے تخت خلافت دلوا دیا تھا۔
 بیٹے کے داغ سے زبیدہ کے دل کو چاہے کتنا ہی بڑا صدمہ ہو چکا ہو مگر ماموں نے
 اس کے ساتھ ایسی سعادت مندی کا برتاؤ کیا کہ غالباً اس حسرت نصیب اور بوجہ ملکہ کن
 اپنی بیٹی کی جگہ خلی نہ نظر آتی ہوگی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ماموں نے جب نالہ میں پورا
 پایوں کیے کہ حسن بن سہل کی بیٹی پورا نہ تخت کیساتھ نہایت ہی دھوم دھام سے اپنی
 شادی کی ہو اور دولہن ترک و اعتشام سے لاکے جھلے عروسی میں بٹھائی گئی ہو اُس وقت اس
 کے پاس یا تو خود اُس کی ماں تھی یا زبیدہ خاتون جو یقیناً ماموں رشید کی ماں کی جگہ لاکے
 بٹھائی گئی تھی۔ زبیدہ نے پورا نہ تخت کو رونمائی کے طریقے سے ایک موتیر کا جوڑا پہنایا
 ماں اُس پر سے موتی چھاور گئے۔ اور ماموں رشید کے دولہن سے کہا ”جو چاہتی ہو یہاں
 جس بات کی آرزو ہو بیان کرو“۔ اتنا کہ دولہن خاموش رہی مگر جب اس کی ماں نے
 کہا کہ ”تو کس بات کا ہے جو کہنا ہو کہہ“ تو اس نے صرف دو درخواستیں پیش کیں ایک
 یہ کہ اگر ہمیں بن مہدی کی خطا معاف کی جائے اور دوسری یہ کہ ”زبیدہ خاتون کو حج کی اجازت دو“
 خیر مہدی تو درجائے خلافت کو نہ کیا مجرم تھا۔ اور اُس کے لیے معافی کی سفارش
 کرنا بھی نہایت ہی مناسب امر تھا۔ مگر یہ نہیں سمجھ میں آتا کہ زبیدہ کو اگر حج کا شوق تھا
 تو خود ہی اجازت کیوں نہ لی؟ معلوم ہوتا ہے،

کہ مومن زبیدہ کو کسی حال میں اپنے پاس سے جدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اور اسے اتنا بھی
 گوارا نہ تھا کہ زبیدہ خاتون چند روز اسکی نظر سے دور رہ کر آئے۔ خیر ماہوش عجیبہ دولہن
 کی دونوں دروغائیں پوری ہوئیں اور اسی سال زبیدہ نے حج کی تیاریاں کر دیں
 ابن خلکان سے بیان ہو معلوم ہوتا ہے کہ زبیدہ کے اس حج کا واقعہ مصنفین میں مشہور
 ہے۔ اگر فوسس کہ ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ در نہ پوری حالات تفصیل کیساتھ بیان کر کے۔
 تاہم اس معلوم ہونے پر بھی اتنا جانتے ہیں کہ زبیدہ خاتون کا یہ حج رستی دنیا تک یادگار
 رہا اور مسلمان اس عباسیہ خاتون کے احسان کو کبھی سبکدوش نہ ہو سکیں گے۔ ارض
 بطحی اور اپنے اجداد کے اصلی وطن میں آئے زبیدہ نے جو اور فیاضیاں کی ہیں سب
 ایک طرف لکھی یہ ایک فیاضی کہ اس نے مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں ایک ایسی نہر جاری کر دی
 جو ہمیشہ اور ہر موسم میں جاری رہتی ہو یہ ایسی یادگار ہے جس کی جہاں تک قیور کجاؤں کم ہے
 عرب کا ملک جس میں کبھی تنہی پانی کا ایک ایک قطرہ انسان کی جان سے زیادہ قیمتی ہو جاتا
 ہے اور جہاں چاہے کیسی ہی نہر لائی جائے اس کے پانی کو خشک اور تپتی زمین پی جاتی ہے
 ایک چشمہ کا ہمیشہ اور کیسا نشان سے جاری رہنا ایسا عجیب امر ہے جسے جہاں تک حیرت
 کی جائے کم ہے اور جسے اگر زبیدہ کی ایک زندہ کرامت کہا جائے تو شاید بیجا نہ ہو گا۔ حاجیوں
 سے سنتے ہیں کہ یہ نہر حجاب سے کھود کے لائی گئی ہے۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں حلیہ
 اور کہاں مکہ و مدینہ لیکن جب اس بات کا خیال کرتے ہیں کہ حلیہ تو نہیں لائی گئی ہے
 تو متحیر و مجبور ہونے کے ماننا ہی پڑتا ہے کہ واقعی یہ بغداد کے سردار کیس کی فیاضی نہیں ہو
 سکتی۔ ہماری خیال میں یہ نہر اس قابل ہے کہ اس کا شمار دنیا کے عجائب میں کیا جائے۔
 بلکہ موجودہ تمام عجائبات میں یہ نہر انسانی کمال کا سب سے زیادہ کامل اور حیرتناک نمونہ ہے
 اس نہر کے جاری ہونے پر ہمیشہ بیشتر مکہ معظمہ میں اتنا پانی جتنا کہ ایک دفعہ میں پیا جاسکے ایک
 دینار یعنی ایک اشرفی کو ملتا تھا یہ صرف اسی نہر کی برکت ہے کہ آج حاجی مکہ معظمہ میں اسی
 آسانی سے سیراب ہوتے ہیں جس آسانی سے کہ ہندوستان میں لوگ گنگا کنارے سے سیراب
 ہو کرتے ہیں۔ علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں کہ اس نہر کے لائنے میں دس میل کی مسافت

بڑی شہرت و قطع کی گئی ہو اس لئے کہ پہاڑ کاٹے گئے بڑی بڑی چٹانیں توڑیں گئیں
تو یہ نہر تک لائی جاسکی۔ پھر اس نہر کے لائیکے ساتھ ریلوے کا پاور ہاؤس بنایا گیا ہے کہ اسے
کھدو ایک ہزار ایک سو دس برس ہو گئے اور پھر اس کے کہ کسی قسم کا فوٹو لائے یا جتنک عیوں
کو اس طرح سیراب کر رہی ہو۔ اس عرصہ تک کہ یہی ہو۔ اس عرصہ تک کہ یہی ہو۔ اس عرصہ تک کہ یہی ہو۔
خیال فرما کے سعدی کہتے ہیں۔ ۶

۱۔ مسئلہ زبیدیہ ست ہر بیوہ

واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ زبیدیہ اپنی شان کے سنا سنا بیات ہی فیاض و سیر چشم ملک
تھی ایک مرتبہ اپنا ایک باغ بنوا رہی تھی راز و غم نے اس کے کہا "اس میں بڑا صرف ہوگا"
بولی "میں جانتی ہوں نہ کہ کوئی ہفتہ لگے نہیں۔ اگر ضرور پھل پھلنے کی ہر چوٹا پیچھے ایک
اشرفی مانگیں تو بھی بچے دینے میں تاثر ہوگا"

ایسی نیکی نفس اور آل ہائیم کی عصمت و باطن کی جانب جب ہم بہت سے یہودہ اور
پے اصل قصوں کو مشہور و منجبتے ہیں تو ہمیں منوس معلوم ہوتا ہے۔ مورخین کی سکری و نینداری
کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ سو فیصدی لکھی لوندیاں جن میں سب کی سب قرآن مجید کی حاکم
نہیں اس کے محل میں صرف اس امر پر مامور تھیں کہ قرآن مجید کی خوش الحانی کیساتھ
تلاوت کیا کریں۔ ہر لوندی پر فرض تھا کہ تین پارے روز ضرور پڑھے ان کے باری باری
پڑھنے سے تلاوت قرآن کا سلسلہ ہر وقت قائم رہتا تھا اور... زبیدیہ کے محل میں ہر وقت شہر
کی لکھیوں کی بھینچنا سب کی طرح ایک گورنر کی آواز سنائی دیتی تھی۔

جج سے واپس آئیے چھ ہی برس بعد ۱۹۱۲ء میں اس نے انتقال کیا اور خاک بغداد
میں دبا دی گئی۔ انا لیدر وانا لیدر راجون۔

۲۔ اہم الخیر العجمی البصریہ

مسلمانوں میں بہت کم لوگ ہوں گے جناب رابعہ کے مبارک نام سے واقف نہ ہوں
اس نام کو مقبولیت عام اور لوگوں کی حسن عقیدت نے یہاں تک شہرت دی کہ آج مسلمان

گھڑوں میں اکثر خاتونوں کا نام رابعہ رکھا جاتا ہے عابدہ و زبایدہ عورتوں کی تعریف میں رابعہ زمانہ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے مگر باوجود اس شہرت اور زندگی جاوید کے شاید شناخت و نام نہ ہی کوئی جانتا ہو گا کہ جناب رابعہ تھیں کون؟ کہاں تھیں؟ کب تھیں؟ اور ان کے کیا حالات ہیں؟

آپ کے والد کا نام اسماعیل تھا۔ خاک بھرہ کو آپ کا وطن ہونے پر ناز و فخر ہے۔ اور چاند عرب کے قبیلہ بنی عدی سے علاقہ رکھتی تھیں جس میں حضرت عمر فاروق بھی تھے۔ لہذا بصرہ کی ساتھ عدویہ بھی کہلاتی تھیں۔ آپ کے خاندان و گردش زمانہ سے ایسا اندسنا کہ انقلاب دیکھا کہ آزادی ہاتھ سے کھو کے غلامی میں مبتلا ہوا۔ اور اسی سبب آپ کی نسبت بصرہ عدویہ بنو نیک سے کہلاتی ہے۔ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ آپ آل عتیک کے گھرانے کی نوٹھی تھیں مگر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آپ خود نوٹھی رہی تھیں یا آپ کی ولادت پیشتر خاندان کو یہ ذلت نصیب ہوئی تھی۔

لیکن سچ کہا ہے - ۶

ہزار بار جو بیست بیکے غلام نہیں

آپ کا زمانہ اتفاقاً آپ کا علم و فضل۔ اور آپ کی خادہ پرستی و پرستارگاری اس قدر غالب آئی اور یہاں تک مشہور ہوئی کہ زمانہ اس دنیاوی ذلیل عجیب کو بھول گیا۔ اور ہر دل ذوق و شوق سے آپ کی تعظیم و تکریم کر رہا ہے جس گناہی اور بے گناہی کا پردہ تمام خاتون قوم کے حالات پر پڑا ہوا ہے اسی نقاب میں آپ کا روشن و نورانی چہرہ بھی نہیں چھپا نظر آتا ہے ہم نہیں جانتے کہ آپ کس سنہ میں پیدا ہوئیں۔ کیونکہ اور کس حالت میں ولادت ہوئی اور کس طرح آپ نے وہ بزرگی و فضیلت حاصل کی جس کی بدولت اسلام آج تک آپ کے نام کا ادب کر رہا ہے۔ ہمیں جو کچھ بتایا گیا ہے صرف اس قدر ہے کہ آپ عہد کے ممتاز و نمایاں لوگوں میں تھیں۔ زہد و عبادت بے نفسی و نفس کشی کی کوئی حد نہ تھی اہل تصوف کا سا ذوق و جذبہ آپ کے دل میں تھا۔ لہذا اللہ جل شانہ سے دعا ہے کہ تین تو اسی وضع اور اسی طریقے سے جو وہابیوں اور فلسفہ الہی کے رموز و نشانات کے ساتھ محض ہوا تھا

سنا جات میں درگاہ رب العزت میں اکثر یہ دعا فرمایا کرتی تھیں ”اَللّٰہی تَحْرِقْ بِالنَّارِ قَلْبًا مَّجْکِبًا“
(خداوند! جس دل میں تیرا عشق ہو اُسے آگ میں جلا کے خاک کر دے) آخر ایک دن اُسی
غیب کی آواز نے جس نے حضرت موسیٰ سے ”اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ“ کہا تھا۔ جناب العجہ کی اس
دعا میں کہا ”ہم ایسا نہیں کرتے۔ اور ہم سے ایسا بڑا گمان نہ رکھو۔“

جناب رابعہ اور سفیان ثوری میں باہم ربط و ضبط تھا اور وہ کبھی کبھی اس نیک
اور خدا کے عشق میں ڈوبی ہوئی خاتون کی صحبت میں شریک ہوا کرتے تھے سفیان جلیل
بھی اسلام کے دورِ اولین کے ان گراں پایہ بزرگوں میں ہیں جن کی وساطت سے تمام
دینی علوم حضرت رسالتِ محمدؐ تک پہنچے ہیں اور بڑے باخدا مقبول روزگار لوگوں میں
شمار کئے جاتے تھے۔ ایک دن بیٹھے بیٹھے اُن کی زبان سے نکل گیا ”وآخر ماہ!“
(افسوس غم نہیں چھوڑتا) یہ سنتے ہی جناب رابعہ بولیں ”سفیان جھوٹ نہ بولو۔
تمہیں تو کہنا چاہیے ”واقۃ حرماہ!“ (افسوس ہمیں کتنا تمہارا غم ملا ہے) اگر غم ہوتا
تو تمہیں دم مارنے کی بھی مجال نہ ہوتی“ یہ ایسا جواب تھا جس کے بعد یقیناً حضرت سفیان
کو قائل اور متنبہ ہو کے خوشی ہی اختیار کر لینی پڑی ہوگی۔

رابعہ بصریہ اکثر فرمایا کرتی تھیں کہ میرے جو اعمال نیک ظاہر ہو جاتے ہیں انہیں
میں شمار ہی نہیں کرتی۔ یعنی کالعدم خیال کرتی ہوں۔ اور واقعی ان پاک نہاد و پارسا
بی بی کے حالات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ باکاری سے بچنے کی وہ سب سے زیادہ کوشش
کرتی ہیں جس اخلاقی مرض سے متقی و پرہیزگار لوگ بہت ہی کم بچ سکتے ہیں وہ خود
ہی اس بُرائی سے نہیں بچتی تھیں بلکہ اور لوگوں کو بھی اس عیب سے محفوظ رکھنے کی کوشش
کرتی تھیں۔ ہر شخص اور ہر قوم سے اُن کی یہ عام نصیحت تھی کہ ”جس طرح اپنی گناہوں
اور عیبوں کو چھپایا کرتے ہو اسی طرح اپنی نیکیوں اور اچھے کاموں کو چھپایا کرو۔“
جناب رابعہ کی اتنا پرہیزگاری کا سب سے بڑا نمونہ یہ ہے کہ آخر میں انہوں نے بات کرنا
چھوڑ دی تھی۔ اور جب کبھی اُسی سے شادی ضرورت کے وقت بات کرتیں بھی تو صرف قرآن
پاک کے فصیح و مبارک الفاظ میں ایک مرتبہ حج سے واپس آتے وقت کسی رکنِ اربعین

تہا پڑی رہ گئی تھیں۔ عبداللہ بن مبارک یا کوئی اور بزرگ ملے۔ اُن سے اول سو آخر
 تک اس نیک خاتون نے صرف قرآن کی آیات ہی کے ذریعے سے گفتگو کی۔ اور اس
 کمال کے ساتھ کہ اپنا گھر بار اور تمام حالات و واقعات قرآن ہی پڑھ پڑھ کے ظاہر کر دیے
 یہ قصہ اخلاق کی کتابوں میں تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔ لہذا اُس کے مکرر بیان کی ضرورت
 نہیں۔ اسی قصہ میں جناب رابعہ نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ وہ اپنے ہر ما فی الضمیر کو قرآن کے
 الفاظ میں اس لیے ظاہر فرماتی تھیں کہ انسان کی زبان سے جو لفظ نکلتا ہو اُسے کاتبان
 اعمال لکھ لیتے ہیں۔ لہذا جب سوا قرآن کے کوئی کلمہ زبان ہوتا ہے نہ لکھا گیا۔ تو انہیں
 سوائی کسی کلمے کوئی برائی لکھنے کو ملے ہی لگی نہیں۔ یہ ہوا اللہ اور یہ ہے ہر سہ نگاری جس کو اللہ
 شیک نفس خاتون نے اس اعلیٰ کمال پر دکھایا جو کمال کے شایا مردوں میں سے کبھی کسی
 کو نہ نصیب ہوا ہوگا۔

عبدہ بنت شوال ایک نیک خاتون اور زندہ کی پاک بھئی تھیں۔ انہیں جناب اللہ
 سے بڑی محبت ملتی اور شب و روز انہیں کی خدمت گزار میں مصروف رہا کرتی تھیں
 وہ اپنی پاک باطن و نیک سیرت محضہ کے حالات میں فرماتی ہیں کہ ساری رات اللہ
 جل شانہ کی عبادت اور قیام در کوع و سجود ہی میں صرف کر دیا کرتی تھیں مگر چونکہ تمام شب
 علی الاقبال عبادت کو ناسنت نبوی اور حضرت رسالت کے طریقہ عمل کے خلاف تھا۔
 لہذا سفید صبح کے نمودار ہوتے ہی جاننا زبردست جانتیں۔ مگر سنہوز عنودگی نیند کے دہجے
 تک نہیں پہنچنے پاتی کہ پیرائے بیٹھتیں۔ اور اپنی اتنی غفلت پر بھی نہایت ہی خالیف
 نظر آتیں۔ عبدہ فرماتی ہیں میں روز اس وقت انہیں اکثر بھی کہتے سنتی کہ "وای نفس
 کتنا سوئیگا، اور کتنا سوئے گا، قریب ہے کہ تو اس نیند میں سو جائے جس سے سو
 اس روز کے جب آوارہ روٹے مردے قبروں سے اٹھیں گے۔ کبھی آناہ کلمہ الضمیر
 ہی نہ ہوگا۔ الغرض مرتے وقت تک اُن کا بھی معمول رہا۔

یہ ہے کہ جن پاک نفس اور صادق یقین لوگوں کو بغیر کسی ترغیب و ترسب
 کا کامل یقین ہو جاتا ہے اس عالم کے حالات کو یا شاید کہ لیتے ہیں۔ اور جزا و سزا کی

سچی تصویر نظر کے سامنے جم جاتی ہو انہیں اس دنیا کی کسی مسرت اور زندگی کے کسی لطف میں کبھی مزہ نہیں آ سکتا۔ انہیں ہر راحت طلبی، ہر تھکن، اور ہر عیش سے دو چار ہوتے ہی انجام کی حالت یاد آتی ہو۔ اور فوراً ان تمام دنیوی مسرتوں کو چھوڑ کے نجات آخرت کی فکر میں پڑ جاتے ہیں۔ یہی حالت جناب راجہ کی تھی۔ پھر کیونکر ممکن تھا کہ انہیں کسی دنیاوی مسرت کی طرف متوجہ ہونے کا موقع ملتا۔

آخر ۱۸۷۳ء ہجری میں اور بعض لوگوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شہزادہ میں وصال کا وقت آ گیا۔ مرض موت میں مبتلا ہو گئے۔ اور اگرچہ بیماری نے بہت کچھ ستایا ہو گا۔ مگر کسی کو بلا کے پریشان کرنا نہ گوارا کیا۔ عہدہ جو مدت ہائے دراز سے خدمت کرتی رہی تھیں انہیں کی طرف متوجہ ہو کے بستر مرگ پر پڑے ہوئے یہ وصیت کی کہ ”عہدہ میری موت سے کسی کو تکلیف نہ دینا“ یہ بھی سچی اور کامل شان بے ربانی کہ مرتے وقت ہی نہیں چاہتیں کہ جنازہ و صوم دھام سے اٹھے۔ اس کے بعد فرمایا ”اور سونو عہدہ یہی گڑتا جو میں پہنے ہوئے ہوں بس یہی میرا لقمہ ہو۔ نہلا کے اسی کو پہنا نا۔ اور بچا کو دفن کر دینا“ یہ سیدھا سادہ اور موٹا جھوٹا کرتا بالوں کا لینے کسل کا بنا ہوا تھا۔ نہ یہ کہ بلا کا کفن تھا اور نہ زفرم کے پانی میں دھویا گیا تھا۔ مگر ہاں۔ اسی یہ سب سے بڑی فضیلت حاصل تھی کہ اسی کو پہن کے عبادت شب بیداری اور یاد آہی کرتے کرتے ایک مدت گزر گئی تھی۔ لہذا اُس مرحومہ کے تقدس و زہد کا اس بہتر کوئی گواہ نہ ہو سکتا تھا غرض عہدہ نے انہیں اُسی کرتے میں دفن کیا پھر سال بھر کے بعد ایک دن خواب میں دیکھا تو اس شان سے کہ نہایت ہی حیرت انگیز سندس واسطی کے حلے پہنے ہوئے ہیں پوچھا ”ایو بی بی زلیخہ وہ کس کا کرتا کیا ہوا؟“ جواب دیا ”اب خدانے اُس کے عوض بچہ یہ کپڑے پہنا دیے ہیں۔ اور یہ تو کوئی بھینر ہی نہیں۔ خدا کے دوستوں کے مراتب اور مدارج تم یہاں اُس کے دیکھو تو معلوم ہو کہ کیا ہیں۔ اور کیسے کیسے ہیں“ عہدہ نے پوچھا ”اچھا تیری عہدہ بنت ابی کلاب کس حال میں ہیں؟“ یہ بھی اس عہدہ کی ایک نیک خاتون تھیں۔ راجہ نے کہا ”وہ فضیلت اور رتوں میں ہم سب بڑھ گئیں“ پوچھا ”کیوں؟“

کہا اس لئے کہ انہیں اس کی باطل پروا نہ ہوتی تھی کہ دنیا میں کیسی گزر رہی ہو۔ لیکن
 کہ یہی بے نفسی خدا کو پسند آگئی۔

مضغہ - محبہ - زہدہ

اسلام کے دور اولین کے متقی و پرہیزگار اور عابد و زاہد لوگوں میں ایک حضرت بشر
 حافیؒ کا نام صاحب دین و تقویٰ لوگوں اور خاصہ صوفیہ کی جماعت میں بہت مشہور
 ہو۔ یہ تینوں پاک نفس خاتونیں انہیں کی عابدہ و زاہدہ اور پاک نفس و پاک سیرت
 بہنیں تھیں۔ حافی عربی میں پرستہ پاک کہتے ہیں بشر چونکہ اکثر شنگے پاؤں رہا کرتے تھے۔
 لہذا حافی کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ بلکہ ایک دن یہ اتفاق پیش آیا کہ معانی بن
 عمران نام ایک بزرگ سے ملنے کو گئے اور دروازے پر جا کے زنجیر لٹائی۔ پوچھا گیا کون
 جواب دیا بشر حافی۔ یہ جواب سننے کے اندر سے ایسا لڑکی بولی۔ ”اگر آپ دو چار آئے
 صرف کہ کے ایک ہوڑا جوتے کا سول لیتو تو پھر کوئی آپ کو حافی نہ کہتا۔“

بہر حال بشر حافی اپنے عہد میں نہایت ہی متقی و پرہیزگار مشہور تھے مگر باوجود اس
 زہد و تقویٰ کے انہیں اعتراف تھا کہ پرہیزگاری میں اپنی بہن کو سیکھی۔
 ان تینوں خاتون کے والد کا نام حارث بن عبدالرحمن تھا۔ جو عبد اللہ نام ایک
 شخص کی نسل کو تھے۔ جس نے امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر دینا
 اسلام قبول کیا تھا۔ اور واقعی وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی برکت تھی۔ جو ان نیک نیت
 خاتونوں اور ان کے بہائی بشر حافی کے کمالات کو ظاہر ہوئی۔

ان کا اصلی وطن شہر مدینہ تھا جس کی سوا دیں شہرہ کے قریب کسی زمانے میں
 پیدا ہوئیں۔ مگر دینی کشش آخراً انہیں اور ان کے بہائی کے پیچھے بھگا دے گئی
 جو ان دنوں اسلامی حکومت کے ساتھ دینی برکتوں اور مذہبی کمالات کا بھی مرجع و مآب
 بن رہا تھا۔

جناب مضغہ تینوں بہنوں میں بڑی تھیں مگر زہد و عبادت اور تقویٰ و طہارت

میں تینوں بہنیں برابر تھیں اور جس کے حالات کو دیکھتے دوسروں سے بڑھی نظر آتی تھی۔ مصلحہ نے اپنے بہائی کی زندگی ہی میں انتقال کیا اور جب دنیا سے رخصت ہوئیں تو بشر حافی کو بڑا صدمہ ہوا۔ بہت روئے اور کہا: "میں نے بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ جب کوئی زندہ خداوند جل و علا کی خدمتگزاری میں کوتاہی کرتا ہے تو اللہ جل شانہ اس کے کسی انیس کو چھین لیتا ہے۔ اور دنیا میں میری انیس میری بہن مصلحہ تھی۔" معلوم ہوتا ہے کہ بیشک مجید سے عبادت و اطاعت الہی میں کوئی کوتاہی ہو گئی۔

امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے عبداللہ بیان فرماتے ہیں۔ ایک دن میرے سامنے والد کی خدمت میں ایک عورت آئی اور پوچھا: "ابو عبداللہ! اکثر راتوں کو چراغ کی روشنی میں میٹھ کے چرخہ کاٹا کرتی ہوں۔ مگر کبھی کہی ایسا ہوتا ہے کہ چاندنی راتوں میں چراغ گل کر کے ماہتاب کی روشنی میں کاٹتے لگتی ہوں۔ تو کیا ضرورت ہے کہ خریدار کو یہ بھی بتادیا جائے کہ یہ سوت چاندنی کا کاٹا ہوا ہے اور یہ چراغ کی روشنی کا؟" والد نے کہا: "اگر وہ سوتوں میں کچھ فرق ہوتا ہو تو بتا دیا کرو پھر اس نیک عورت نے پوچھا: "اور حضرت مریض جو تکلیف سے کرا رہا اور آہ آہ کرتا ہے تو اس خدائے کی شکایت تو نہیں سمجھی جاتی؟" والد نے کہا: "مجھے خدا سے امید ہے کہ یہ کراہتا ہوگا۔ یہ سمجھا جاتا ہوگا بلکہ یہ سمجھا جائیگا کہ اگر شکایت ہے تو خود حضرت رب العزت کی درگاہ میں یہ جواب پاس کرے وہ خاتون چلی گئی اور والد نے میری طرف دیکھ کے کہا: "بیٹا جس قسم کے سوالات اس عورت نے پیش کئے ہیں ایسے سوالات کبھی کسی آدمی کی زبان سے نہیں سنی۔ ذرا جا کے دیکھو تو یہ کون خدا کی نیک بندی ہے؟" میں فوراً اٹھ کر اس کے پیچھے روانہ ہوا۔ اور جب پہنچا کہ وہ بشر حافی کے گھر میں چلی گئی تو میں پہچان کر وہ ان کی مشہور عابدہ ذرا بدہ بہنوں میں سے ایک ہے۔ جب یہ حال واپس آئے کہ جناب والد سے بیان کیا تو انہوں نے کہا: "یہ شک ان کے سوا اور کوئی عزت الہی تھی و پھر یہ بڑا ہوشیار ہو سکتی ہی نہیں۔"

(سی طرح عبداللہ بن احمد بن حنبل ایک واقعہ جناب محمد کاظمی بیان کرتے

ہیں جو غالباً مجبلیٰ ہیں تہیں کہ انہوں نے آگے ابا جان سے دریافت کیا کہ ”میرا کل سرمایہ دو دانگ ہے اور اُس زمانے کا ایک بہت چھوٹا مسکہ (اُس کی روٹی مول لیتی ہوں اور اس کا سوت گات کے نصف درہم کو بچتی ہوں۔ اور اُس کی قیمت میں سے ایک دانگ میں اپنا ایک ہفتہ کاٹتی ہوں۔ اتفاقاً ایک رات کو ایک سواری ٹکلی جس کے ساتھ شعل تھی اُس کی روشنی میں میں نے دو پونیاں گات لیں اور اب مجھ پر اپنے دل پر بار نظر آتا ہے کہ خدا اُسکی بابت سوال کر گیا تو کیا جواب دوں گی۔ لڑکھے اس تکلیف سے نجات دیجئے“ ابا جان نے کہا وہ دونوں دانگ خدا کی راہ میں صرف کر ڈالو اور کوئی سرمایہ نہ چھوڑو۔ اس لئے کہ کل کائنات ہی رحم اُن کے پاس تھی (اُمید ہے کہ خدا تمہیں اس کے عوض میں اسے اچھا اور پاک سرمایہ دیگا۔ یہ جواب سن کے مجھ جلی گئیں۔ اور میں نے ابا جان سے کہا آپ ذرا قوت منی کی ہوتی۔ انہوں نے فرمایا۔ بیٹا۔ اس نیک نعت نے سوال ہی ایسے عنوان سے کیے کہ مجھے تاویل کی ذرا گنجائش نہ تھی۔“

ان نیک نہاد اور پاک امن خاتونوں کے زہد و اتفاق کی جہات تک تعریف کجائے کم ہے۔ اور مورخین ان کے دیر اور تقویٰ کو حیرت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ خود بشر حافی کہتے ہیں کہ غذا میں نہیں یہاں تک احتیاط تھی کہ ہر چیز کو اس کی اصلی پیدائشی حالت میں کھانے کی کوشش کرتی تھیں اور جس کھانے میں انسان کی کارگری کو دخل ہو تا اُس سے حتیٰ الوسع احتراز کرتی تھیں۔ چنانچہ اس بات کو حضرت بستر فی بھی ان سے سیکھ کے اختیار کیا۔ مگر باں ہندوستانی شریعت اور انک اس پار کی فقہ میں شاید ان کی ساری پرہیزگاری اور نیک نفسی خاک میں ملجائیگی کیونکہ نگھر کی چار دیواری چور کے باہر نکلیں اور امام احمد بن حنبل سے آگے باتیں کرنے لگیں جو بالکل ناجائز تھیں اور بچا پنہ بھی نہ تھے کہ کون ہیں جس کی وجہ سے یہاں کے مذہب میں عورت اسلام کے بھی خلاف کرتی ہو اور شرافت سے بھی دور ہو جاتی ہو۔

تیسری صدی ہجری کے نصف اول میں ان تینوں بہنوں نے دنیا کو رخصت کیا خدا مغفرت کرے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

رابعہ شامیہ

رابعہ بصریہ بن کو عرب کے قبیلہ بنی عاصی سے تعلق تھا۔ اُن کے حالات سے اس قبل کے صفحے رونق پا چکے ہیں۔ اب ہم اسی نام کی ایک اور صاحبِ دل اور ذی علم و ذی فضل خاتون کے حالات سے پہلک کو مطلع کرتے ہیں تاکہ لوگ دیکھیں کہ عورتوں میں کیسی کیسی خدا شناس دیندار۔ اور صاحبِ علم و فضل بی بیاں گزری ہیں۔

ان نیک نفس اور ستودہ صفاتِ نبی کا نسب اور اُن کا صحیح زمانہ تو ہمیں نہیں معلوم ہو سکا۔ مگر ہاں اس امر میں سب کو اتفاق ہے کہ وہ بڑی پارِ سادہ پاک طینت اور عابدہ و زاہدہ تھیں۔ علومِ ظاہری کے علاوہ مراحلِ حقیقت اور مدارِ راجِ عرفانی طے کر کے وہ اس درجے پر پہنچ گئی تھیں کہ بہت سے لوگوں نے اُن کے شمعِ ہدایت سے اپنے چراغِ جلائے۔ اور اُن سے بہت سی کرامتوں کو ظاہر ہوئے دیکھا۔ معمولاً انہی یہ حالت رہتی کہ خداوندِ جل و علی کے عظمت و جلال کے خیال سے خائف رہتیں اور دل ہی دل میں کانپا کرتیں۔ پھر اسی حالت میں جب عشقِ الہی کے جذبات میں جوش پیدا ہوتا تو یہ اشعار پڑھا کرتیں۔

جَدِیْبٌ لِّکِنْ بَعْدَ جَدِیْبٍ وَنَالِیْوَہُ قَلْبِیْ لَفِیْبٍ

وہ ایسا جدِیْب ہے کہ اگر کوئی جدِیْب اُس کا سا نہیں ہو سکتا۔ اور اُس کے سوا اور کسی کو میرے دل میں جگہ نہیں مل سکتی۔

جَدِیْبٌ غَآبٌ عَنِ بَهْرِیْ وَشَخْصِیْ وَلٰکِنْ عَنِ فَوَادِیْ مَا لِیْغِیْبِ

اور وہ ایسا جدِیْب ہے کہ میری نظر کے سامنے تو غائب ہے لیکن دل میں سے نہیں جاتا۔

مگر باوجود اس خالصتہی اور اس معرفت اور حقیقت شناسی کے اس پاک خاتون میں وہ رُہبانیت نہیں پیدا ہونے پائی تھی جو اکثر عباد و زہادوں میں نفس کشی کرتے کرتے پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جس کی بدولت وہ اکثر اسلامی تعلیمات سے دور جا پڑتے ہیں۔

اُنکے پہلے شوہر انتقال کر چکے تھے۔ قرآن کا وہ تائیدی حکم جو بیوہ عورتوں کے عقد کے متعلق
 ہو یاد آیا۔ اور آمادہ ہوئیں کہ کسی نیک نفس عالم اور دیندار فاضل سے نکاح کر لیں۔
 احمد بن ابی الحواری ان دنوں علمائے گراں پایہ میں شمار کئے جاتے تھے اور مرجع امت
 بنے ہوئے تھے انہیں سے نکاح کی خواہش کی۔ علامہ مذکور بالا ابتداً ایسی نیک بہاد
 خاتون کی درخواست کی قدر نہ ہوئی۔ جواب دیا ”میں اپنی حال میں اس قدر مبتلا ہوں
 کہ متاہل ہونے کی فرصت ہی نہیں“ رابع نے یہ انکاری جواب سن کے کہا ”بھیا اور
 خدا کی قسم میں آپ سے زیادہ اپنے حال میں مبتلا ہوں۔ یہ جو میں نے عقد کی درخواست
 کی اس سے میری غرض خواہش نفس نہیں ہو۔ بلکہ صرف یہ چاہتی ہوں کہ پہلے
 شوہر میرے پاس بہت کچھ مال و دولت چھوڑ گئے ہیں اُسے آپ کے سپرد کر دوں
 تاکہ آپ مناسب دیکھ کے خدا کے نیک بندوں اور فقیروں پر اُسے صرف کریں۔ اور میری
 آپ کے ذریعے سے اولیاء اللہ اور خدا کے دوستوں تک رسائی ہو۔ یہ جواب سن کر
 شیخ ابن ابی الحواری اپنا استاد ابو سلیمان دارانی کے پاس دوڑے گئے۔ اُن کو ساری
 سرگزشت بیان کی اور کہا ”آپ کیا فرماتے ہیں میں اس خاتون سے عقد نکاح کر دوں
 یا نہ کر دوں؟“ استاد نے اجازت دی۔ وہ راضی ہوئے اور ساتھ ہی جناب رابع شام
 ان کی پاک پناہ دینی بی بی بن گئیں۔ مگر یہیں حیرت ہو کہ ارض شام میں نہ کیا نہ ڈولی ہو
 نہ نفس ہو۔ یہ نیک بی بی بغیر ہندوستانی مذاق کی بے عزتی گوارا کئے اپنی علامہ وقت
 شوہر کے گھر میں کیونکر آئی ہونگی؟

اب جناب رابع عبادت الہی کے علاوہ اپنا سارا وقت شوہر کے خوش کرنے اور
 اُن کو راحت پہنچانے میں صرف کرتی تھیں۔ چنانچہ خود امام مذکور کو اعتراف ہو کہ ”وہ
 میرے لیے طرح طرح کی غذائیں پکاتیں میرا لباس درست کرتیں۔ کپڑوں میں عطر
 لگاتیں۔ اور اس طرح مجھ کو آرام دے کر کے کہتیں کہ اپنی بی بیوں کے پاس جاؤ۔ اور
 جن بی بیوں کے پاس بھیجتیں اُن کی یہ سرگزشت مٹتی کہ جناب رابع کے عقد سے پہلے
 صاف معلوم ہوتا ہے کہ علامہ احمد ابن ابی الحواری کی کوئی اور بی بی نہ تھی خود انہوں

سنے بی بی بننے کے بعد ان کے تین اور نکاح کرائے تاکہ وہ خوش رہیں اور یہ نہ خیال کریں کہ وہ ان کو آرام اور حظوظ میں خلل انداز نہ ہونا چاہتی ہیں۔

اگر غور سے دیکھو تو اس سے بڑی کوئی نفس کشی نہیں ہو سکتی۔ اگر کسی عورت کے دل کی اس وقت کی حالت دریافت کرنی ہو جب اس کا شوہر کسی اور سوت کو لاکے گھر میں بٹھا دے تو مردوں کے دل کو اس وقت دیکھو اور ٹٹولو۔ جب انہیں معلوم ہو کہ ان کی جورو کو کسی اور سے تعلق ہو۔ ایسے وقت کے جوش کے دبائے سے زیادہ کوئی نفس کشی نہیں ہو سکتی۔ مگر چونکہ مرد کے لیے شرعاً چار بی بیاں جائز ہیں۔ لہذا رابعہ نے خود ہی تین بی بیاں اپنے شوہر کے پاس بڑی خندہ پیشانی سے لاکے بیٹھا دیں اور اسی قدر نہیں بلکہ شوہر کو ان کی صحبت کے لیے روز بنایا چنایا کرتی تھیں۔ دیکھو ایسا ہو عورت کا نفس۔ اور ایسی ہوا سکی وفاداری۔ جب کا شکر یہ درکنار بہار وطن کے ناحق شناس مرد اُسے شکایت کیا کرتے ہیں اصل یہ ہے کہ جو عورت کے ان حقوق کا شکر گزار نہ ہو وہ خدا کی نعمتوں کا بھی شکر گزار نہیں ہو سکتا۔

اس بارے میں رابعہ مہرودہ کا صاحبزادہ بڑھا ہوا تھا کہ سننے والوں کو حیرت ہو جاتی تھی۔ چنانچہ وہ ایک دفعہ اپنا استاد طریقت حکیمہ و مشفقہ کے پاس گئیں جو اس دور کی ایک اور بڑی عالمہ و فاضلہ اور دیندار و خدا شناس خاتون تھیں اور بہت بڑی عالمہ رموز طریقت مانی جاتی تھیں حکیمہ اس وقت تلاوت قرآن میں مشغول تھیں۔ رابعہ کو دیکھ کے پہچنے لگیں، میں نے سنا ہے کہ تمہاری شوہر احمد بن ابی الحواری کوئی اور نکاح کرنے والے ہیں؟ اس وقت تک نکاح کوئی اور نکاح نہیں ہوا تھا رابعہ نے کہا ”جی ہاں ان کا ارادہ تو یہ ہے“ حکیمہ نے حیرت کے لمحے میں کہا ”ایک عقلمند شخص اپنی نفس کو خدا کی طرف سے بہار کے دو عمورتوں کی طرف کیوں کر مشغول کر سکتا ہے؟“ اس کے بعد انہوں نے قرآن کی وہ آیت جو تعداد ازدواج کے متعلق ہے پڑھی اور بہت ہی شرح و بسط سے اس کا مطلب بیان کیا جو غالباً وہی ہو گا جو آج کل کے محققین کہتے ہیں کہ ”اگر عدالت نہ کر سکتی تو ایک ہی عورت پر کفایت کرے“ لیکن اپنی خدا شناس استانی کے اس قول کی

رابعہ کی کچھ پروانہ کی اور ان کے بعد دولنگا حوں میں شوہر کی یہاں تک شیدار ہیں کہ انہیں
دوسری بی بیوں کے لئے آراستہ کیا کرتی تھیں۔

شہدہ کا تبہ

یہ عالمہ و فاضلہ اور فریدہ عصر خاتون علامہ ابوالنصر احمد بن فرج بن عمر ابروی کی حجازی
تھیں ایران و عراق کے درمیان میں جو سلسلہ کوہ واقع ہو۔ اس کے قدیم تاریخی شہر
دینور نے جن مشہور روزگار اور قابل خزانہ گوں کو دنیا کے سامنے پیش کر کے چمکایا انہیں
میں ایک علامہ ابوالنصر محمد بھی تھے جو وطن کے لحاظ سے دینوری اور پیشیہ اور ذریعہ
معاش کے خاندانی تعلقات کے اعتبار سے ابروی کہلاتے تھے۔ ابروی میں سوئی کو کہتے
ہیں ان کے اجداد میں کسی نے کسی زمانے میں اس چوٹے سے آٹھ کارگری کو ذریعہ
معاش قرار دیا تھا جس کی رعایت سے ساری خاندان نے جو ان کا سب حبیب اللہ
کی بشارت سن چکا تھا ابروی کے لقب کو شعار خاندانی قرار دے لیا۔ بغداد کی خاک ان
دنوں علما و فضلا اور ہر قسم کے بالکالوں کے مقابل میں ایک پُر زور مقناطیس کا اثر کرتی
تھی جہاں اس کشش نے اور بہت سے کاملین فن کو اپنی طرف کھینچا وہاں علامہ
ابوالنصر کو بھی کھینچ کے اپنی آغوش میں لے لیا۔

یہاں غالباً چند ہی روز قیام کیا تھا کہ تقریباً سترہ برسوں کی پاک دامن
بی بی کے لطن سے شہدہ پیدا ہوئیں جن کے لئے زمانے نے بہت سے علمی اور ناموری
کے خزانے مقرر کر رکھے تھے۔ فاضل عصر باپ کی تعلیم و تربیت نے چند روز میں اس بچے
اور اس رتبے کو پہنچایا کہ مورخین اس عصمت تاب اور فاضلہ بے بہتا خاتون کو
فخر النساء کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ اور ان کا شمار علمائے نامدار اور فضلاء گرامیہ
میں کیا گیا ہے۔ اکثر طلباء علم و فضل کے شوق میں کتابت کی طرف مائل ہو جاتی ہیں
اور لکھنے کی اتنی مشق نہیں کرتے کہ خط درست ہو مگر جناب شہدہ نے پربزرگوار کی مادہ
اور آرا و خیالی کی تعلیم سے اپنا خط ایسا درست کیا کہ تحریر دیکھ کر لوگ عجب عجب کرتے

تو لکھتی یہ نہیں بلکہ موتی پر موتی تھیں اور اسی وجہ سے مورخین جہاں نہیں عالمہ فاضلہ کے معزز و قابل فخر و صاف سے یاد کرتے ہیں وہاں کاتبہ کے خطاب سے بھی شہرت و تیر میں اور بیان کرتے ہیں کہ اس نیک خاتون کا خط نہایت شیریں - پاکیزہ اور پسندیدہ تھا۔

اس فاضلہ روزگار خاتون کی خوش نصیبی کو بغداد میں ان دنوں ہندوستان کا سا بردہ اور مردوں میں یہ جنوں کے درجہ کو پہنچا ہوا وہم نہ تھا مگر اب کی صحبت و علم کو پورا نفع اٹھانیکے بعد انہیں دیگر مدرسوں اور درس گاہوں میں جانے اور نامحرم ہاتھ نہ دے عصر کے آگے زانوئے شاگردی تہہ کرنے کا موقع مل گیا۔ پہلا ابو الخطاب نصر بن احمد بطرانی کے حلقہ درس میں گئیں۔ اور وہاں کی طرز تعلیم کے مطابق بجز استاد کے پر مغز لکچر سننے۔ کچھ اسی ایک درس گاہ پر نہیں موقوف ہوئے اس عہد کے قریب قریب کل سر شہہ ہاؤ علم و فضل پر پہنچ گئے وہ سیراب ہوئیں۔ ابو عبد اللہ حسن بن احمد بخاری.....

..... ابو الحسن احمد بن عبد القادر بن یوسف اور فخر الدین ابو بکر محمد بن احمد شاشی۔ یہ تمام وہ گردوں و قار اور ذی فضل و ذی علم ہاتھ ہیں جن کے آگے زانوئے شاگردی تہہ کرنے کا فخر فاضلہ شہدہ نے حاصل کیا جن کی شاگردی کی جن کے دینی و علمی لکچر سنے اور جہاں تک ہم پتہ لگا سکتے ہیں یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب بزرگوار نامحرم تھے۔

استنبہ ملاحظہ فرمائیے کہ یہ مصیبتیں جھیلنے۔ ایک ایک کے آگے کتاب کھولنے کی یہ کت تھی کہ چند روز بعد شاگردی اور طالب علمی کے حلقے سے نکل کے فضیلت کی مسند اور استاد شہ نشین پر جا بیٹھیں۔ اب وہ دور گزر گیا تھا جبکہ وہ علم کی شمعوں پر پروانے کی طرح ڈوٹی تھیں بلکہ خود شمع علم بنی ہوئی تھیں۔ اور چاروں طرف سے طلبہ اور شائقین علم و فضل کا ان کے گرد اور ان کے دروازے پر ہجوم تھا نام شہرت کے پروں سے اڑنے کے دور دور پہنچا۔ ان کے بجز کمال علمی کا ہر جانبہ چہرہ چاہا اور سب طرف سے طالبان علم آنے لگے۔ اب وہ نہایت فصاحت و بلاغت سے علوم و مینیات و نکات حکم پر لکھ رہی تھیں۔ اور طلبہ ان کی مبارک زبان سے سن سن کے اور ان کی بارگاہ علم کو سندس جلال کر کے ہر طرف

جاتے اور ان کی روایت سے احادیث و علوم کو دنیا میں پھیلاتے تھے۔ اور اسی سبب سے جو خلیس
دعویٰ کرتے ہیں کہ فاضلہ شہیدہ اس پاسے کی عالمہ تھیں کہ بزرگوں کے فیوض علمی ان کو فریستے
سی بعد والوں میں پہنچے اور روایات حدیث میں وہ ایک گڑی تھیں جس نے نیچے والوں کا
سلسلہ اوپر والوں سے ملا دیا۔

جناب شہیدہ کے متقی و پرہیزگار اور صاحب علم و فضل والد جن دنوں بغداد میں رہے
دو ہفتے اور شب و روز اتنا وزہد میں مصروف رہتے تھے ایک لائق طالب علم نے جو علی
بن محمد بن یحییٰ کے نام سے یاد کئے جاتے تھے علامہ محدث سی علم و فضل حاصل کیا۔ ذہانت و
ذکاوت کا جو ہر دکھایا اور اس کو علاوہ تمام طلبہ سے زیادہ فرید عصر استاد و کثرت و اطاعت
کی مثل مشہور ہے۔ ۴

ہر کہ خیرت کرواد و مخدوم مشد

یہی بے نقی و سعادت مندی گراں پایہ استاد کو دلیس ایسا اثر کر گئی کہ لائق و مہربان
شاگرد سے محبت کرنے لگے اور چند روز میں اپنی فاضلہ عصرت عجز اور عصمت ثابت پٹی
شہیدہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ الغرض اس طریقے سے جناب شہیدہ علی بن محمد کی
بی بی بنیں۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ فاضلہ شہیدہ کا عقلا کس سن میں اور کس عمر میں ہوا۔
مگر یقیناً بیس برس سے زیادہ عمر نہ ہوگی اس لیے کہ شادی کے بعد ۳۳ جمادی الاول ۵۵۵ھ
میں جب ان کے والد ماجد ابو نصر احمد کا انتقال ہوا اس وقت ان کی عمر تقریباً بیس
سال کی تھی اور ان کے شوہر ان سے گیارہ برس بڑے تھے کیونکہ وہ ۵۳۵ھ میں پیدا
ہوئے تھے۔

علی بن محمد نے اول تو خود ہی استاد کی جوتیاں سید ہی کر کے اور سعادت مندی
کے جو ہر دکھا کے بہت کچھ علم و فضل حاصل کر لیا تھا۔ اب شہیدہ کا تہ کی سی فاضلہ و عصمت
استاذی کو مونس و مہدم اور رفیق زندگی بنانے کے ترقی کی دنیا میں قدم بڑھانا شروع
کیا جنہیں یقیناً سب سے زیادہ دخل عالی مرتبہ بی بی کی صلاح نیک اور مہذب و زہم
آہنی کو تھا۔ شادی کے تہوڑے ہی دنوں بعد ابو نصر احمد کے اس شاگرد و رشید نے

ادب و انشا اور شاعری و سخن سنجی میں اپنا آپ کو اس قدر ممتاز کیا کہ تقدیر نے یاد دہانی کر کے
خلیفہ کبیر اور اہل حق تعالیٰ کے دربار میں پہنچایا۔ اور اس کے تھوڑے زمانہ کے بعد جو دیکھا
تو وہ طالب علم بغداد کا ایک رئیس عظیم رکن رکنین اور علی بن محمد کے عوض ثقہ الدو کے
خطاب سے مشہور رہتا۔

عالمہ و فاضلہ بی بی کے علم و فضل نے اب ہر کی مارت کے پہلو سے علم پسندی و
دینداری کا یہ جوہر دکھایا کہ دریلے و جملہ کو کناں سے جہاں اہل لیلہ کے فصول نے بڑی
بڑی دلچسپیاں دکھائی ہیں ان میاں بی بیوں کی فیاضی و ہمدردی کو شافعی طلبہ کیلئے ایک
عالیشان مدرسہ تعمیر ہوا۔ اس کے متصل صوفیوں کی ریاضت و نفس کشی کیلئے ایک
خانقاہ قائم ہوئی۔ ان دونوں پر بہت سی جائدادیں وقف ہوئیں اور وہ اس علمی و دینی
سرچشہ جاری ہو گئے جن سے خدا جانے کتنے زمانے اور کتنی صدیوں تک اہل عالم سیراب
ہوتے رہتے ہوئے۔

آخر ثقہ الدو علی بن احمد نے کامیابی و ناموری اور نیک نامی کی زندگی حاصل کر کے
اور فیاض و عالمہ بی بی کے طفیل میں زندگی جاویا کہ رجب میں اپنا نام لکھا کہ ایک
منگل کے دن ۱۶ شعبان ۵۶۹ھ کو عالم آخرت کی راہ لی۔ اور جامع رجبہ کے قریب خاص
اپنا مکان میں دفن ہوئے۔

بیوی اپنی شوہر کی ایسی دلدادہ اور عاشق زار تھیں کہ مرنے کے بعد بھی شوہر
کی خاک کو عبادت رکھنا انہیں پسند کیا۔ بلکہ اپنی گھر ہی میں ابراہیم کی نظر کے سامنے رکھا۔ اور غالباً
وحیت کر دی کہ جب میں مروتوں کی ہڈیاں میرے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن کر دی
جائیں جسکا ثبوت فاضلہ شہادہ کی وفات کے حالات سے بلجائیکہ شوہر کی وفات
کے وقت سنا ہوا ہے کہ شوہر کی عمر ۶۷ برس کی تھی لیکن ابھی انہیں زندگی کے بہت دن باقی
کرتے تھے۔ اس کے بعد ان کی بیوی نے ان کی تدفین کے بعد ان کی حالت کی طرح یہ خوش نصیبی
بھی ان کو حاصل ہوئی تھی کہ ایک بہت بڑی عمر کے اور اہل عالم کو بہت زیادہ اور
ایک طویل زمانے تک فائدہ پہنچا کہ دنیا سے رخصت ہوئے۔ چنانچہ مفارقت شوہر

سو کچھ اور پچیس سال بعد نو برس زیادہ عمر پاکے باب کی شہنہ کے دن ۳۔ محرم الحرام ۷۲۷ھ کو نماز عصر کے بعد اس عالمہ جلیلہ اور فاضلہ و حیدہ کی روح نقس عنصری کی پرواز کر گئی۔ اور غالباً جیسا ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ انہیں کی وصیت کے مطابق شوہر کی ہڈیاں بھی نکال کے بغداد کے باب ایزد کے حوالی میں مدرسہ تاجیہ کے قریب دونوں میاں بی بی مدفون ہوئے۔ اللہم اغفر لہما وانا لہم وانا الیہ راجعون۔

علیہ بنت مہدی

یہ خاتون محترم تیسرے خلیفہ بنی عباس یعنی مہدی کی بیٹی اور مشہور خلیفہ بغدادی ہارون رشید کی بہن تھی۔ ان کی ماں سروان کے گھر انکی ایک لونڈی تھی جو مکنونہ کہلاتی تھی اور اپنی لیاقت و شہرت اور موسیقی میں کافی دستگاہ رکھنے کی وجہ سے عالی مرتبہ خلیفہ آل عباس کے خلوت گاہ میں پہنچ گئی۔ مہدی کی محبوبہ بی بی خیران جس کے بطن سے ہارون رشید پیدا ہوا ہو کتی ہو کچھ مہدی کی اور کسی بی بی سے نہیں دینا پڑا سو مکنونہ کے جو اس کے دل پر بہت حاوی تھی جب تک خلیفہ منصور یعنی مہدی کا باپ زندہ رہا اس وقت تک مہدی نے اپنی اور مکنونہ کے تعلق کو چھپایا۔ یہاں تک کہ اس کے بطن سے علیہ پیدا ہوئی۔

علیہ چونکہ خلافت کی گود میں اور ایسی ماں کے بطن سے پیدا ہوئی تھی جو علم موسیقی میں کافی دستگاہ رکھتی تھی۔ لہذا اس کو پڑھنے لکھنے کے علاوہ اس نے گانے بجانے کی بھی تعلیم دی۔ اور ایسا با کمال بنادیا کہ بہت کم لوگ تھے جو اس دور میں علم موسیقی

میں اس عباسیہ شاہزادی کا مقابلہ کر سکتے ہوں۔

اس موقع پر میں اتنا اور تباہی کی ضرورت ہو کہ علیحدہ جین زمانے اور جس دور میں تھی اُن دنوں گانا اتنا معیوب نہ تھا جتنا کہ اب سمجھا جاتا ہے۔ اور اسی وجہ سے یہ خلفا جو بہت کچھ پابندِ شرع تھے کامل مغنیوں کی قریب قریب سی ہی قدر کرتے تھے جیسی کہ علما و فضلاء اور دیگر بالکاموں کی قدر کی جاتی تھی۔

علیہ کی پیشانی پر کوئی دلع تھا جو دیکھنے میں بد نما معلوم ہوتا تھا اس کے چہانے کے لئے علیہ نے ایک خوشنما اور مریض و مظلوم بند باندہنا شروع کیا۔ جو بہت ہی پہلا معلوم ہوتا تھا اور عام عورتوں میں اس قدر پسندیدہ ثابت ہوا کہ اکثروں نے اس وضع داری اور زینت و زیبائش میں داخل کر لیا۔

یہ شاہزادی علاوہ خوش گلوئی۔ کمالات موسیقی اور نہایت ہی خوش الحانی سے تلاوتِ قرآن کرنے کے پڑھی لکھی اور بہت اچھی شاعرہ بھی تھی ہم جانتے ہیں کہ ایسے عورت کی نسبت چاہے وہ کتنے ہی بڑے گھرنے کی ہو یہ سن کے کہ وہ گانے میں کمال رکھتی تھی۔ اور شاعرہ تھی ہمارے دوستوں اور ہم وطنوں پر اچھا اثر نہ پڑ گیا۔ مگر اس کے بعد یکایک یہ سن کے وہ حیرت کر جانے لگے کہ علیہ باوجود ان دنیاوی فنون میں کمال رکھنے اور عیش و عشر کے سامانوں پر قادر ہونیکے بہت بڑی عابدہ و زلحدہ اور اول درجہ کی پارسا و عفت شعار تھی۔ اب اس سے زیادہ کیا ہو گا کہ جن چند دنوں میں ہر پہلے عورتوں کو نماز معاف ہوتی ہے صرف انہیں معذور وہ ایام میں اگر جی چاہتا تو گاتی ورنہ ہرگز گاتی ہی افسوس کہ اُس کی نظر سے ہمارے نوجوان علمائے فرنگی محل کی اس تازہ تصنیف کے مضامین نہیں گزرے تھے ورنہ ہر وقت گانے میں کوئی مضائقہ نہ سمجھتی

طاہر ہو جانے کے بعد پھر وہ قرآن خوانی اور مطالعہ کتب میں مصروف ہو جاتی۔ اور اب تفریح طبع کیلئے اگر کبھی جی چاہتا تو شعر البتہ کہنے لگتی۔ مگر ہاں اس سے مجبور تھی کہ بھائی خلیفہ ہارون الرشید جیسے اُس کے بغیر کسی بات میں لطف ہی نہ آتا بلکہ اور زبردستی مجبور کر کے گواتا۔

اُس کی پاکبازی اور پابندی شریع کی یہ حالت تھی کہ لوگوں میں تو مشہور تھا کہ علیہ
اور اسکے سگے بھائی ابراہیم ابن مہدی کو بہتر موسیقی دان بھائی بہن کسی خاندان میں نہ
جمع ہوئے ہونگے (اُس نے کہ ابراہیم بھی باوجود شاہزادگی کے اور ایکٹ مانے میں چند روز
کے لیے خود غلبہ ہو جائے گا اس عہد کا بہت بڑا معنی تھا) اور خود علیہ کا یہ قول تھا کہ
”خدا نے جو چیز حرام کی ہو اس کے عوض کوئی نعمت حلال بھی کر دی ہو۔ پھر کسی کو ضرورت
ہی کیا پڑی ہو کہ اس کی نافرمانی کرے اور اس کھود کو توڑے؟“

علیہ کے بھائی ابراہیم کو اگرچہ کمال موسیقی کے لحاظ سے اُس وقت کے تمام موسیقی
دانوں پر فوقیت حاصل تھی۔ اور سوا اسحاق موصی کے جو اُس دور کا سب سے بڑا کامل معنی
تھا کوئی اس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ مگر پھر بھی سب لوگوں کو اعتراف تھا کہ علیہ کے کمالات
اپنے بھائی سے بڑھے ہوئے تھے۔

ان دنوں شعر اے عرب کا معمول تھا کہ شعر کہتے تو کسی نازنین کو نام لیکے اپنا مخاطب
ضرور بنا لیتے۔ اگرچہ ان میں اکثر ملکہ شوگیا پاکبازی کا مادہ ہوتا تھا۔ مگر یہ ظاہر ہی طرز عمل
بھی شعر کا اکثر بہت ہی ناگوار گزار کرتا تھا۔ علیہ نے یہ غضب کیا کہ ہاروں رشید کے ایک
غلام ظل کو اپنی شاعری کا مخاطب بنایا اور اُس کی محبت میں اپنی جوش کو اشعار کے
ذریعے سے ظاہر کرنے لگی۔ رشید کو جب یہ معلوم ہوا تو نہایت ہی برہم ہوا۔ تاہم بہن
کی محبت نے اس کی اجازت نہ دی کہ کسی سختی کا برتاؤ کرے۔ ہاں اتنا کیا کہ علیہ کو بلاگو
قسم دلا دی کہ بہن دیکھو اب کبھی ظل کا نام زبان پر نہ لانا۔ اب علیہ نے اس وقت سے
ظل کی شان میں شعر کہنا چھوڑ دیا۔ تاہم رشید کے دل میں تھوڑی بہت بدگمانی
ضرور تھی۔ ایک دن رات کو علیہ کے حجرے کے دروازے کے پاس چپکے کھڑا ہوا۔
علیہ اس وقت نہایت خوش الحانی سے قرآن پڑھ رہی تھی۔ اور اس کی آواز رشید کو
بے صبر سے دیتی تھی کہ قرآن پڑھتے پڑھتے علیہ اُس آیت پر پہنچی ”فان لم نصبہا
وابن فطل“ اور بجائے اس کے کہ ”طل“ مانا نظر زبان سے نکالے پڑھ گئی ”وابن
فالتی نہا ناعلمہ میرا نہیں دیکھتا۔ میرا نہیں دیکھتا۔ میرا نہیں دیکھتا۔ میرا نہیں دیکھتا۔“

رشید میں پھر کہاں تاب تھی۔ دوڑ کے لپٹ گیا اسکا منہ۔۔۔ چومو لگا اور کہا "دانت ہیں
میں کسی بات سے نہیں منع کرتا یہ تارا جوجی چاہے کرو۔ اور اپنا غلام مل بھی ایسی کو در
والا۔ مگر اس کے بعد پھر سوا پاکداسنی اور نیک نفسی کے علیہ سے کوئی ایسا فعل نہیں
سہزادہ صاحب پر اسے الزام دیا جاسکے۔

کچھ اسی واقعہ پر منحصر نہیں۔ ہاروں رشید کو اپنی بہن علیہ کے ساتھ اسقدر محبت تھی
کہ اکثر بغیر اس کی موجودگی کے کسی صحبت میں مزہ نہی نہ آتا اس کا عقد غالباً ہاروں رشید
ہی کے زمانے میں موتی بن علی کے ساتھ ہو گیا تھا۔ جو نسل عباس میں نہایت ہی باور
رتبہ رکھنے کی وجہ سے اس دور میں شاہزادگی کی شان رکھتا تھا مگر موصوفین اس امر سے
بالکل سناکت ہیں کہ یہ شادی کب ہوئی اور شوہر کا علیہ کے ساتھ یا علیہ کا شوہر کے ساتھ
کیا بناؤ رہا۔ زیادہ تر علیہ کو ہم رشید ہی کی صحبت میں پاتے ہیں۔ اور اس صحبت میں
رشید اس کی موجودگی کو اسقدر ضروری خیال کرتا تھا کہ ایک مرتبہ علیہ حج کعبہ کو گئی۔
والہی کے وقت غالباً کسل راہ سو ٹھک کے مقام طبرتاہ میں چند روز کے لئے فرود کش
ہو گئی۔ یہ خبر رشید کو پہنچی تو خفا ہوا۔ اور علیہ نے تین چار نہایت ہی دلچسپ ساوی اور پہرہ
معنی شعر کہہ کے اپنا آقا اور تاجدار بھائی کی ناراضی دور کی۔

ایک مرتبہ رشید رے کے سفر میں بہن کو پر تکلف محل میں بٹھاکے ساتھ لیچلا مہرج
نام ایک منتر میں شاہی سواری بٹھری۔ اور رشید بیٹھ کے لطف صحبت اٹھانے لگا۔
علیہ نے اس موقع پر چند پرچوش شعر کہے ان میں نہایت ہی دلکش وصف قائم کی۔ اور
رشید کو لگا کے سنایا۔ جن میں ظاہر کیا تھا کہ "جیسے ایک غریب الوطن مقام مہرج میں اپنی
مصیبت پر رورہا ہو۔ جن لوگوں سے محبت تھی دور ہیں۔ اور اس کی یہ حالت ہو کہ وطن
کی طرف سے جب سواروں کے قافلے آتے ہیں تو وہ ڈر ڈر کے سوگھتا ہو کہ شاید ان میں
ہوئے وطن آجائے" ہر شخص سمجھ سکتا ہو کہ اس زمانے کے اشعار نے ایک خوش گلو
صاحب علم اور غلام موسیقی میں کمال رکھنے والی بہن کی زبان سے ادا ہوتے ہی رشید کے
دل پر کیا اثر کیا ہوگا۔ سمجھ گیا کہ بہن کا سفر میں دل نہیں لگتا۔ نیز وہ اپنی کی اجازت دیدی

اور علیہ راستہ ہی سے پلٹ کے بغداد میں آگئی۔

آخر جب ماننے نے ہاروں رشید سے سرِ خلافت کو خالی کر لیا تو علیہ کو بہت ہی صدمہ ہوا جیسی محبت بھائی کو بہن سے تھی۔ ویسی ہی بہن کو بھائی سے بھی تھی۔ رشید کے بعد علیہ کی زندہ ولی اور بڑے سخی میں بالکل فرق آگیا۔ اور قسم کھالی کہ اب نہ گاؤں گی۔ مگر زبیرہ کے بیٹے امین الرشید نے سخت پریشانی کے بعد خوشامد و راند کر کے یہاں تک صرار کیا کہ آخر کو اہی کے چھوڑا۔ مگر باس بچے ہوئے دل کے ساتھ گانے میں وہ لطف کہاں ہو سکتا تھا؟

تھوڑی ہی مدت نے زمانہ نے آخر امین کا بھی ورق الٹا۔ اور مامون رشید سرِ برآورد خلافت ہوا مومنی سے ماموں کو بھی انتہا ذوق تھا۔ اور کیونکر ممکن تھا کہ جس لائق پہونی کا نغمہ امین نے زبردستیاں کر کے سنا تھا وہ بھی نہ سنتا۔ غرض علیہ کو ماموں کیسا سے بھی گانا پڑا۔ مگر مامون نے غضب ہی کر دیا۔ رشید نے بہن کا گانا ہمیشہ سنا تھا مگر کبھی کوئی ایسی حرکت نہیں کی تھی جس سے بہن کے دل پر بُرا اثر پڑے۔ اسی طرح امین نے بھی باوجود انتہا سے زیادہ طفلانہ مزاجوں کے پھوپھی کے حفظ مراتب میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی تھی ماموں نے یہ تم کیا کہ پھوپھی کا نغمہ سنتے ہی وجہ میں آکے اور بیخود ہو کے اُسے گلے سے لپٹا لیا اور اُس کے سر اور منہ کے بوسے لینے لگا۔

یہ ایسی سخت رسوائی تھی جس سے علیہ کو زندگی بھر سابقہ نہیں پڑا تھا مامون شرم کے سر جھکا لیا۔ اور دل کو یکایک ایسا صدمہ پہونچا کہ چہرہ جوشِ ندامت کو سرخ ہو گیا اور سالکۃ ہی بجا چڑھ آ یا اور اسی بجا میں اس پاکدامن عبا سیہ شادادی نے اس عالم خالی کو نصرت کیا۔ ۱۹ھ میں پیدا ہوئی تھی۔ اور ۳۲ھ میں سچا پس برس کی عمر پاک کے رہ گئے آخرت ہوئی۔

علیہ نے عربی مومنی میں اپنی بیباقت سے نہایت دھنیں پڑا دی تھیں جن سے مدتِ مائے دراز ملک بغداد کی صحیحین لطف آصفانی رہیں مگر باوجود اس کے کہ علم مومنی میں وہ کمال رکھتی تھی نہایت ہی پارسا و پاکدامن اور عابدہ و زاہدہ تھیں اور بہن بقیہ ہیں ہے کہ رحمتِ الہی نے اسے اپنے جواہر میں لے لیا ہو گا۔

ام علی نقیبہ

جواب الفرج عینت بن علی صوری کی صاحبزادی اور علامہ تاج الدین بن حسن کی والدہ
 نقیبہ ام نیک صاحب علم و فضل اور پاک طبیعت و پاک سیرت خاتونان شام سے ہیں جنکی
 بدولت علم و فضل ارض شام کی دیگر مالکیں پہنچا اور جنکی زندگی اس قابل ہے کہ ہماری ہم وطن
 خاتونوں کے سامنے علم و فضل اور عصمت و عفت کا ایک بچا نمونہ قرار دے سکتے ہیں کی جائے ام نیک
 پیروی اپنے عہد کی فاضلہ بالکمال اور شاعرہ بے مثال تھیں۔ مگر انکی شاعری اس قسم کی نہ تھی جیسی
 اخلاق تھی اور برادرین شاعری اس دور میں مروج ہے انہوں نے قصائد اور مختلف قطعات کے
 ذریعہ کی قوالہ کلامی کا ثبوت دیا ہے اور بتایا ہے کہ علم ادب میں عورت اگر ترقی کرے گندہ رگمان پہن سکتی ہے
 سچھ کر کہ صغیر میں خاص شہر مشرق میں پیدا ہوئیں۔ مگر انسوس انکی ابتدائی زندگی کے حالات کا
 پتہ لگائی طرف مریض نے بہت کم توجہ کی ہے ورنہ ہمیں معلوم ہوتا کہ انہوں نے کیونکر کس طرح اور کون سا تہذیب
 سے علوم ادبیہ وغیرہ اور کمال شاعری کو حاصل کیا اور باوجود عورت ذات ہونیکے علم کے شوق نے انہیں
 کہاں کہاں کی محنتیں کھلائیں یک زمانہ کے بعد لو رفا لیا جبکہ نے جنگی حاصل کر لی ہوگی انہیں ہندو گاہ
 اسکندریہ میں حافظ سلفی کی محبت میں پائے ہیں اور حافظ سلفی کی محبت میں اس عالی مرتبہ فاضلہ
 حالات معلوم ہوسکتے ہیں جنور انہیں بعض خواہشی میں انکا ذکر کیا ہے۔ اور بہت کچھ تعریف کی ہے کتنا بڑا
 خوش نصیب ہے وہ شاگرد جسکی تعریف کہتے دہر آستانہ اپنی تصنیفوں میں کہہ دے۔ عجب اور انونکے
 علامہ مروج نے لکھا کہ ایک فاضل پر کہہ میں گر گیا اور ایسی چوڑائی کی میری مانگ اچھی ہو گئی ایک
 لڑکی کھڑی دیکھ ہی تھی اسنے محبت کے اپنی اوڑھنی میں سے ایک جچی پہاڑی اور میرے زخم کو باندھ
 دیا اس واقعے کا ذکر انفاقا میں نے نقیبہ سے کیا تو اس نے عجب ذوق و شوق سے یہ اشعار پڑھا
 جو خود اسی کی طبع خدا داد کا نتیجہ ہیں۔

لو وندت السبیل حث نجدی عو ضا عن خما ز ملک الو لبیدہ

اگر مجھ موقوف ملتا تو اس لڑکی اور بھنی کے عوض خود اپنے گالوں کو لگا دیتی۔

کیف لی ان اقبل الومر جلا سکت دھرا الطريق الجمدہ

اور کیونکر مجھ نصیب ہو کہ آج سقندرم کو بوسہ دل جو اپنی زندگی بھر راہ نیک میں چلنا رہا نہ
 فاضلہ نقیبہ کو پہنچا رہی تھی زمانہ کا بہت ظلم سہنا پڑا کہ چار ہی سال کی عمر میں یتیم ہو گئیں ہم جیسا

بیان کرتے ہیں کہ میں پیدا ہوئیں اور ۵۵۵ھ میں اسکے والد علامہ ابو الفرج نے جو مشہور علمائے
عصر میں سے تھے انتقال کیا غالباً اس تہی ہی نے مصیبت میں مبتلا کر کے بعد علم کے راستہ میں اس
باک خانہ کی رہبری کی ہوگی اسلئے کہ دولت علم نے فلاکت و مصیبت کا اکثر سناؤ دیا ہے۔
ان دنوں سلطان صلاح الدین فتح بیت المقدس کا زمانہ تھا۔ اور صوبہ صلیبیہ کے حملے
زور شور سے روکے جاتے تھے۔ فاضلہ موصوفہ نے جواب حافظ سلفی کی صحبت سے یہ باب ہو کے بہتائے
عصر میں گئی کبھی غنیمت و فیض وقت کہلاتی تھیں سلطان صلاح الدین کے چچا اور بھائی ملک مظفر
تقی الدین عمر کی طرح میں ایک فقیر تھاجسکی تہذیب و تربیت سنی تھی اور باران میکیش کی
صحبت کا سین بہت زور دیکھا تھا۔ اس قصیدے کو جب ملک مظفر نے کہا تو منس کے کہا غالباً شیخ
مستور کو ان کی صحبت کا حال سنی ابتدا میں معلوم ہوا ہوگا جب تکابہ جملہ فاضلہ کو روئے گوش
گزار ہوا تو ایک دوسرے قصیدہ زمزمیہ کہا جس میں میدان جنگ کی تصویر کشی تھی اور جانبازی و نروازی کے
منزلے نہایت شان منوکت سے دکھائے تھے یہ قصیدہ ملک مظفر کے پاس پہنچ کے کہا اچھا کہنے صحبت شریک
علم اسی طریقہ سے حاصل ہوا جس طریقہ سے کہ بیٹے عرصہ زمزم کی کھینچیں دریافت کر پائی ہیں اس قصیدہ
کو دیکھ کر خانہ کو عنایت کش گویا مہر ملک مظفر کو عطا ہوتی ہوئی لڑائی کستانی پر بہت شرمندہ ہوا۔
میں بالکل نہیں معلوم ہوا کہ فاضلہ تقی کی شادی کس سن ہوئی تھی اور شادی کی تہذیب و تربیت کس
ہاں اُنہیں معلوم ہو کہ ۵۵۵ھ میں جب انچاس برس کی عمر ہوئی انہوں نے عالم و حراشت اس مہر فاعل بن سعد اللہ
کی نامی مخالفت کا اظہار کیا یہ پلینا پڑا میں ہی نہیں خبر کہ انکے صاحبزادے علامہ تاج الدین کس سن میں
پیدا ہوئے تھے مگر اس میں شک نہیں کہ وہ بہت طویالی عمر باکے ۵۵۵ھ میں ابھرائے عالم آخرت ہوئے
فاضلہ تقیہ کی عمر ستر سال کی ہوئی اور ۵۵۵ھ میں اس مرحومہ و جلیلہ عصر فاضلہ نے دنیا کو
رخصت کر کے کچھ عرصے عورت گزیرنی اختیار کی افسوس مومنین کی بے پروائی سے ہم یہی نہیں
جانتے کہ وہ آخر عہد تک مصر ہی میں رہیں یا یہی اپنے وطن مالوف دمشق میں بھی آئی تھیں۔ لیکن
قرین قیاس سے معلوم ہوتا ہے کہ وفات پائیکے وقت تک ارض مصر میں تھیں کیونکہ ملک شامہر آن تو ان
سبھی حملہ آوروں کی پوش تھی۔ اور ایک بینک عالم کو بجز اسکے کہ اس جو زمزمیہ کے میدان سے دور رہی
رہے اور کسی بات میں مفسر نظر نہ آیا ہوگا۔ اگرچہ ہم صاحبہ یہ نہیں بتا سکتے کہ انہوں نے کس شہر میں
انتقال فرمایا لیکن اُسے ثابت ہے کہ ۵۶۵ھ یعنی اپنے شوہر کی وفات کے وقت اور اپنے مرنے سے گیارہ
سال پیشتر ملک اسکندریہ میں تھیں جہاں حافظ سلفی کی صحبت سے انہوں نے علم و فضل حاصل کیا تھا

قطر الندی

یہ ایک عربیہ شاہزادی تھی جس کا باپ ابوالجیش خمارویہ بن احمد بن طولوں
 ملک مصر اور شام پر حکومت کرتا تھا۔ اور اس خاندان میں سے تھا جس نے خلافت عباسیہ کی
 ماتحتی میں لشکر و مہم پانچ سو سال پہلے ایک بڑی مملکت کو اپنے قبضے میں کر لیا تھا خمارویہ کی
 قوت توڑنے کے لئے فرماں رواں آرمینیہ نشین مغیرہ نے مشائخہ میں ملک مصر پر حملہ کیا
 مگر خمارویہ نے انہیں اس کا موقع ہی نہ دیا کہ حدود مصر میں داخل ہوں۔ ایک بڑے
 لشکر کے ان کے مقابلے کو شام میں آگیا اطراف دمشق میں لڑائی ہوئی اور آرمینیہ کو
 حملہ آور شکست کھانے پھار گئے۔ اس فتح سے خمارویہ کی وقعت و عظمت اس قدر بڑھ
 گئی کہ عراق کو پانچ سو علاقہ عراق تک جا پہنچا خاص شہر ریفہ میں اس کے لشکر نے
 پڑاؤ ڈالا۔ اور اس طرح اپنی سطوت دکھانے کے بعد اٹنا بڑا بادشاہ بن کے مصر میں
 واپس گیا کہ اب علاقہ نو بیاسی دریا سے فرات کے کنارے تک اسی کی حکومت تھی۔
 لیکن اس زمانے میں یہ عجیب بات تھی کہ کسی شخص کو ہزار قوت و سطوت حاصل
 ہو جاتی مگر جب تک عباسیوں کے دربار سے سند شاہی نہ مل کر لیتا جائے تو کمزور رہتا جانا
 تھا اتفاقاً اسی اثنا میں خلیفہ بغداد معتمد اور اس کی جگہ معتقد باللہ سر آرائے
 خلافت ہوا۔ خمارویہ نے موقع دیکھ کے اسے مبارک باد دینے کے لئے ایک سفارت
 بھیجی جس کے ساتھ بہت ہدیے اور تحفے بھی روانہ کئے۔ اور یہ بھی خواہش کی کہ اس
 کی بیٹی قطر الندی کا عقد ولی عہد خلافت مکتفی باللہ کے ساتھ ہو جائے معتقد نے
 اس دوستانہ سفارت کی عزت کی۔ اور کہا ”قطر الندی کو میں خود اپنے عقد نکاح میں
 لوں گا۔“ خلیفہ کی اس خواہش کو خمارویہ نے پسند کیا۔ اور اس نے اس میں دس لاکھ درہم پر
 اس شاہزادی کا عقد نکاح خلیفہ معتقد باللہ کے ساتھ ہو گیا۔
 قطر الندی اس شاہزادی کا لقب ہے جسے اس نے اپنی شرفیت اور اپنی حسن و جمال

کے انعام میں حاصل کیا تھا مگر اصلی نام اسماء تھا جس قدر اُس کے حسن و جمال کا شہرہ تھا اسی قدر اس کی لیاقت و روانائی کی بھی تعریف کی جاتی تھی۔

عرب میں یہ قاعدہ نہ تھا کہ لڑکی اپنی گھر ہی میں رہے اور لڑکے دلمے برات لیکے اس کے دروازے پر آئیں۔ بلکہ عموماً لڑکیاں دولہن بنا کے اور نہایت آراستگی کے ساتھ بنا سنوار کے وہاں بھیجی جاتی تھیں۔ جہاں دولہا سوتا چنانچہ نخل و کائنات ہو گیا تو وہ بنا سنوار کے بڑے تزک و احتشام سے مصر سے بغداد کو روانہ کی گئی۔ اور اُس کی جی عباسیہ ساتھ چلی کہ مصر کی سرحد تک پہنچا کر رخصت کر دے۔ راستے میں ایک مقام پر عباسیہ نے پُر اذالہ دیا۔ اور اپنی چیمے گھرے گئے۔ یہ چیمے کچھ ایسی گھڑی میں ڈال گئے تھے کہ وہاں مستقل آبادی ہوئی اور ایک شہر آباد ہو گیا جو اسی شانزدہویں عباسیہ کے خیموں کی یادگار میں ”فسطاط“ کے نام سے مشہور ہو گیا (فسطاط عربی میں سرپردہ یا چیمے کو کہتے ہیں) اور بعض لوگ تو اس شہر کو عباسیہ کے نام کو لحاظ سے ”عباسیہ“ ہی کہتے تھے۔ یہ شہر مصر میں آج تک قائم ہے اور شانزدہویں عباسیہ کی یادگار ہے۔

العرض قطر الندی ارض عراق میں داخل ہو کے حرم خلافت میں پہنچی اور معتضد کے دل کو جس قدر اُس اور لگاؤ اُس کے ساتھ تھا اور کسی بی بی کیسا تھ نہ تھا۔ ایک مرتبہ معتضد اس کی گود میں سر رکھ کے سو گیا تھا قطر الندی نے چپکے سے اُس کا سر گود سے اٹھا کے تکیہ پر رکھ دیا۔ اور غوندگیل کے گمرے کے دروازے کے پاس جا بیٹھی۔ اتنی میں معتضد کی آنکھ کھلی، سر کو مچھلیں بی بی کے نالوں کے عوض تکیہ پر پا کے برسہا ہوا اور پکارا قطر الندی نے پاس ہی سے جواب دیا اور فوراً پھر اُس کے پاس چلی گئی معتضد نے کہا ”بی بی تو تمہاری یہ عزت کی کہ اپنی تمام بی بیوں اور نونہاؤں سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں اور تمہاری یہ کیفیت کہ میرا سر تکیہ پر رکھ کے چلی گئیں“ قطر الندی نے ادب سے جواب دیا ”آپ جن عزتوں سے مجھے سرفراز فرمایا ہے۔ اُن سے انکار نہیں کر سکتی۔ مگر حضور میرے چلے جانے کو ناشکری نہ خیال کریں۔ یہ وہ ادب و ریتاؤ جو میرے آپ کے میکے میں اپنی والدہ سے سیکھا ہے“ معتضد نے پوچھا وہ کیا؟ جواب دیا ”ابا جان کی نصیحت ہے کہ خبردار نہ جانے“

والوں کی صحبت میں سونا اور نہ سونے والوں کے پاس بیٹھ کے جاگنا۔
 قطر الندی اس کے بعد برابر بغضدہی کے پاس رہی۔ مگر فسوس اس نے عمر بہت
 تھوڑی پائی۔ اُس کے عقد کے دوسرے ہی برس باب یعنی خمار ویرا پنچو بے وفا غلاموں کے
 ہاتھ سے بچھوٹے پر سوتا ہوا مارا گیا۔ اس کے مرنے کے پانچ برس بعد جب کہ اُس کی عمر تیس
 تیس سال سے زیادہ نہ ہوگی بغداد میں اسی ملک عدم ہوئی۔ اور دار الخلافت کے خاص
 محل قصر الرصافہ میں آغوشِ حید کے سپرد کی گئی۔

قطر الندی کی ذہانت و لیاقت کا سب سے بڑا نمونہ یہ تھا کہ اُسکی وجہ سے خلافت عباسیہ
 اور نو خیز دولتِ مصر میں نہایت ہی مضبوط تعلقات قائم ہو گئے۔ خلافت نے اُسے جائز
 بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اور بی طولوں اس اطمینان سے حکومت کرنے لگے کہ اب کسی حریف کو اُن
 کی دولت پر حملہ کرنے کی بہت کم جرأت ہوتی تھی۔

خدیجہ بنت الیقیم

یہ نیک نہاد اور صاحبِ علم و فضل خاتون جس کا مبارک اور قابلِ فخر نام اور اوراقِ زمانہ
 پر طبقہ نسواں کی لیاقت و ترقی کا نمونہ بننے قائم رہ گیا ہو۔ اور آفتابِ بن کے دنیائے تاریخ
 پر روشنی ڈال رہا ہو۔ خاکِ پاکِ بغداد سے پیدا ہوئی تھی جس خاک کو خدا جانے کیسی
 علما و فضلا اور کس کس پائے کے ائمہ و محدثین پیدا ہوئے اور حیاتِ دائمی کے صحیفہ میں
 میں اپنی نام ثبت کر کے خاک میں مل گئے۔

یہ عالمہ عصر و فاضلہ دہر زیادہ تر ائمۃ العزیز کے نام سے مشہور ہیں اور ان کا بدن
 و پاک نہاد بیٹیوں میں ہیں جن سے بجائے اسکے کہ وہ باپ کے نام سے کوئی فخر و شرف
 یا شہرت و ناموری حاصل کریں خود باپ کو اُن کے نام سے عزت و شہرت حاصل ہوتی
 ہو۔ انکی والد ماجد جو حمامِ قہتی نا طوری کے نام سے یاد کئے جاتے تھے کوئی... بڑے
 مشہور عالم نہیں ہیں۔ جن لوگوں کی نظر تلخیوں پر پڑتی رہتی ہو ان کے کان غالباً
 اس نام سے بالکل نا آشنا ہوں گے۔

الغرض حمام فنی کے گھر میں اور خاص بغداد میں خدیجہ ممدوحہ ۷۸۰ھ میں پیدا ہوئیں۔ باپ علم و فضل کے شہسوار تھے اور جانتے تھے کہ مرد و بیوا عورت اگر علم نہیں تو انسان ہی نہیں۔ اپنی اس ازاد خیالی کے ساتھ دیکھا کہ ہونہار بیٹی کی ذہانت و طبعی اور خداداد خوب طبع بہت کچھ دیکھ کر رہی ہو۔ فوراً تعلیم و تربیت کی طرف متوجہ ہو گئے۔ لکھنا پڑھنا سکھایا وہ ادبی کتابیں پڑھائیں کہ جن کو انسان میں عمدہ مذاق پیدا ہوتا ہو۔ اور ادبی معلومات میں سعت ہوتی ہو۔ یہ کتب تنجید پڑھتے ہی خدیجہ میں علم کا ذوق پیدا ہوا۔ اور یہ حالت ہو گئی کہ باپ اگر علم کے عاشق تھے تو بیٹی ستم علم کا پروانہ تھیں۔ اور وہ تمام علوم جو ان دنوں مروج تھے ان کی طرف اس ذوق و شوق سے متوجہ ہوئیں کہ زمانہ کو حیرت ہو گئی۔

پہلے تو بغدادی اس زمانے کی بہت بڑی درس گاہ بنا ہوا تھا جس میں ان دنوں ابن شیرازی کے ایسے گراں پایہ فاضل اور کریمہ کی اسی عالی مرتبہ محدث کے آگے ایک زمانہ زوال و شاکر دی ہتھ کر رہا تھا۔ خدیجہ نے ان دنوں کی شاگردی اختیار کر کے علوم دینیہ اور فائنہ حدیث میں شجر حاصل کیا۔ ان کے علاوہ بغداد میں اور جتنے علمائے مشاہیر فیض رسانی کر رہے تھے۔ ان میں سے شاید کم باقی رہے ہونگے جن کی خدمت فیض میں حاضر ہونے کو جناب خدیجہ بغدادیہ نے باغ علم کی خوشہ چینی نہ کی ہو۔

اب بغداد کا خزانہ علم ان کی وسیع النظری اور معلومات کے مقابلے میں تنگ تھا جمہور وطن کو خیر باد کہی۔ اور سچے طالبان علم کی شان سے علم و فضل کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئیں۔ اور قدیم شہر دمشق میں پہنچیں جو ارض شام کا مرکز اور گزشتہ دولت بنی امیہ کا دار الخلافہ تھا۔ وہاں کے علما سے برکت حاصل کر کے اور اس علمی چرخہ سے ابھی طرح سیراب ہو کر شہر تبوک میں گئیں جہاں کے بعض علما و کبار مرجع عالم بنے ہوئے تھے۔ اس درس گاہ و کمالات حاصل کر کے ملک مصر کی راہ لی۔ اور وہاں علی بن مختار عامری اور ابن حمیری سے آگے شاگرد بن گئیں۔ اور بر موز علمی حاصل کر کے اس درجے کو پہنچ گئیں کہ حدیث میں ایک امام فن کا رتبہ رکھتی۔ تھیں اور علم ادب میں کیتا کر روز کو مانی جاتی تھیں۔ علی الخصوص مقامات حریری کو جوتا۔

کہ عربی ادب میں وہی شان اور درجہ رکھتی ہو جو درجہ انگریزی میں شیکسپیر کی تصانیف کو حاصل ہو! ایسا عمدہ پڑھائی تھیں اور اس کے رموز حل کرنے اور اس کی فصاحتوں اور خوبوں کے دکھانے میں اس کمال کیساتھ مشہور ہو گئی تھیں کہ اس زمانے کے بڑے بڑے مشہور و معروف علمائے اس ادبیہ عصر و محدثہ دہر کیساتھ حاضر ہونے کے زانو شاگردی بہت کیا اور پوری کتاب اول سے آخر تک سبقاً سبقاً پڑھی۔

اس طرح بڑے بڑے مشہور و نامور علما و فضلاء کو شاگرد بنائے اور حدیث و ادب میں مستند روزگار اور مرجع عالم بن کے بغداد میں آپس میں جہاں آگے ایک زمانہ صحبت و غلط مرتب کی جہیں بغداد کی اکثر عورتیں جمع ہوتیں اور فاضلہ خدیجہ عالمائے ادب و قمار سے جلوہ افروز ہونے و غلط کہنیں۔ آخر میں کتابی تدریس و تعلیم کو چھوڑ کے خانہ نشینی اختیار کر لی تھی اور ان کی ذات سے نفع اٹھانیکا ذریعہ صرف وہی صحبت و غلط تھی جس کے ذریعے سے خاتونان بغداد دینداری کی باتیں سیکھتی اور احکام شرعی میں بصیرت حاصل کرتی تھیں۔

آخر وہ وقت آگیا جو سب کے لیے آئینہ لاہو۔ عموماً محدثین کی طرح بہت بوڑھی ہو چکی تھیں۔ اور اکانوے برس کی عمر تھی کہ خداوند جل و علای اپنے پاس بلا نیکا پیا بھیجا اور ۹۹ سالہ صہیل بگڑو عالم بقا اور عازم فردوس بریں ہوئیں! *ان اللہ انا الیہ راجعون۔*

ام ہانی مریم

یہ خاتون جو اپنے عہد میں مکتائے روزگار تھیں علم و فضل کے بہت بڑے مستند اور مشہور و مقبول گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ اور ان پاک بی بیوں میں ہیں جن کی نسبت کہا جاسکتا ہو کہ دینداری و اثقا کا دور و دھپیا اور علم و فضل کے گہوارے ہیں پرورش پائی۔ آٹھویں صدی ہجری کی ابتدا میں قاضی القضاۃ تقی الدین عبد الرحمن بن عبد المؤمن پوری شافعی بڑے عالم فہم اور نام وقت تھے۔ ان کا خاندان علم و عمل کے اعتبار سے انوی و اعلیٰ میں مشہور تھا۔ اور ہر شخص ان کی پیروی کرنا سعادت دارین

خیال کرتا تھا۔ مریم ممدوحہ انکی پوتی ہیں۔ والد کا نام شیخ نور الدین ابو الحسن تھا جو اپنی علامہ
عصر باب کی طرح صاحب علم اور موصوف بہرہ و تقویٰ تھے۔ اور اسی طرح اُمّ ہانی مریم اپنے
باپ کے نقش قدم پر چلتی تھیں۔

ماہ شعبان ۱۰۸۷ھ میں مریم ممدوحہ پیدا ہوئیں۔ ابھی آٹھ ہی برس کی تھیں
کہ پڑھنا لکھنا شروع کیا اور چند ہی روز میں علم و فضل کے اعلیٰ مراحل طے کر گئیں۔ باب
دوا کے علاوہ نانا بھی بہت بڑے فاضل عصر تھے۔ جن کا نام خیر الدین قایانی تھا انہوں
نے نواسی کو ذہن و طبع و دیکھ کے خاص توجہ سے پڑھانا شروع کیا چنانچہ انہیں کی کوشش
سے ممدوحہ نے قرآن پاک کو حفظ کیا اور حافظہ قرآن ہوئیں۔ پھر نحو کی ایک منظوم کتاب
کو اور فقہ کی کتاب مختصر ابوہبی شجاع کو زبانی یاد کیا۔ ان ابتدائی علوم کے فراغت حاصل کرنی
کے بعد ان نیک پارسا خاتون نے اعلیٰ علوم کی طرف توجہ کی اور خاصہ علم حدیث میں وہ
مرتبہ پایا کہ اپنی عصر کے مشہور و مستند اساتذہ میں شمار کیے گئے۔ علم حدیث کا شوق ان میں
اس قدر پیدا ہو گیا تھا کہ اس زمانے کے جو بڑے بڑے زبردست امام و محدث تھو ان کو
حلقہ درس میں شریک ہوئیں۔ ان کے سامنے زانوئی شاگردی نہ کیا۔ اور چند روز میں
خوشاگردوں اور حدیث کے طالب علموں کو سبق دینے لگیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی جن کی صد ہا کتابیں پہلی ہوئی ہیں۔ اور جن کی تصانیف
پر روایات کے بہت بڑے حصہ کا دار مدار ہے انہیں بھی اس محدثہ خاتون کی شاگردی
کی عزت حاصل ہے۔

محدثہ مریم بعض اوقات شعر بھی کہتی تھیں۔ مگر ان کے اشعار میں سوا اخلاقی اور
نیک نفسی کی باتیں سکھانے کے عاشقانہ جذبات نہیں پائے جاتے۔ ایک پُرانا شعر تھا
اس طرح میں ان کے یہ چند شعر دیکھنے اور پڑھنے بلکہ یاد کر لینے کے قابل ہیں فرماتی ہیں۔
فَلَنْ حَامِدًا لِّدُّثَا كَرَامَتُهُ عَلِي سَائِرِ الْاَحْوَالِ فِي السُّرُورِ وَالْجَهْرِ
رہر حال میں پوشیدہ اور علانیہ خدا کی حمد و ثناء کرتا رہا اور اسکی مہربانیوں کا شکر گزار رہا۔
تو کون سا خدا بلند اُمت قادر اَلْعَلَمُ تَحْتَظِي بِالرَّسِيْدَةِ وَالْفَخْرِ

(اور جب تک بنو المذکر درگاہ میں سجدہ کرتا نہ شاید تجھ کو فضیلت اور فخر حاصل ہو جائے)
 فیا ایہا الانسان لا تک حبا ہلکاً و اعلم بان اللہ ہو الکاشف الضر
 (تو آدمی تو جاہل نہ بن اور جان دے کہ وہ اللہ ہی مصیبت کو دور کرتا ہے۔)
 وصل علی المختار اشرف خلقہ علیہ سلام اللہ فی اللیل والنہر
 (اور درود بھیج اُس بنی مختار پر جو اُس کی مخلوق میں سب سے افضل ہیں۔ ان پر اللہ کا
 سلام ہو رات کو اور صبح کو)

یہی اشعار اس بات کا آئینہ ہیں کہ تم ہانی مریم ممدوحہ کی زندگی کیسی گزری اور
 کن باتوں میں گزری چونکہ ان کا شمار کبار محدثین میں ہے لہذا اکثر محدثین ہی کی طرح
 بہت بڑی عمر پائی۔ اس لیے کہ ننانویں برس کی طولانی عمر پاکے ستھہ میں صفر کی
 آخری تاریخ سفر آخرت کیا۔ انا لیلہ وانا الیہ راجعون۔

فاطمہ فقیہہ

یہ نیک نفس اور پاک نیا خاتون اتنی بڑی عالمہ و فاضلہ تھیں کہ زمانے میں فقیہ
 کے لقب سے مشہور ہو گئیں۔ یہ لقب ہی بتا رہا ہے کہ مختلف اور بزرگ دینی مسائل میں
 لوگ اُن سے استفتاء کیا کرتے تھے۔ علاء الدین محمد بن احمد سمرقندی کی صاحبزادی تھیں
 اور مشہور صاحب زہد و تقویٰ فرمانروائے شام سلطان نور الدین کے عہد میں تھیں۔
 افسوس مورخین نے نامی گرامی خاتونان اسلام کے حالات کا پتہ لگانے میں اس قدر
 کوتاہی کی ہے کہ ہمیں ان خاتون کے متعلق نہ یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ کس سال پیدا
 ہوئیں اور نہ ان کی تاریخ وفات کا پتہ چلتا ہے۔ صرف اس قدر کہا جاسکتا ہے کہ ان کا خاندان
 تو سمرقند کا تھا مگر نشو و نما ارض شام میں ہوا اذ جانے ان کی ولادت کو پیشتر ہی ان کی
 والدینک شام میں آئے یا ان کی ولادت کے بعد انہیں ساتھ لے کے آئے۔

جس عہد میں وہ تھیں وہ نہایت ہی ناگہ زمانہ تھا۔ اس لیے کہ ایک طرف تو مسیحی
 صلیبوں کا جو سن و خروش تھا اور دوسری طرف حسن بن صباح کے پیر و باطنیہ

زور شور خاصۃً حلب میں جہاں وہ اقامت گزرتے تھے یا طینیون کا نہایت ہی نرسہ تھا۔
 فخر الانام عالم علامہ علاء الدین کا شانی اُن کے مشہور تھے جن کے ساتھ انہوں نے اپنی عمر کا
 بہت زیادہ حصہ صرف کیا۔ زہد و تقویٰ پر سیرگاری و عفت بانی میں وہ ہر جگہ مشہور ہیں۔
 ابتداءً بہت سی فقہاء و محدثین کی شاگردی کر کے علوم دینیہ کو حاصل کیا اور روایت حدیث
 کی سند حاصل کی۔ تحصیل و طالب علمی سے فراغت کر کے درس تدریس اور تصنیف
 و تالیف کی طرف متوجہ ہوئے۔ اپنی یہاں ایک حلقہ درس قائم کیا جنہیں بڑے بڑے
 مشہور و مستند لوگوں نے زانو شاگردی نہ کرنے اور شاگردی کر کے نیک فخر حاصل کیا۔ اُن کی
 تصنیف کی ہوئی کتابیں جو عموماً فتنہ و حدیث میں تھیں اُن کی زندگی ہی میں مقبولیت
 کی سند حاصل کر کے رواج پانے لگیں۔ جن کو اہل علم بڑی قدر منزلت کے ساتھ اپنے
 کتب خانوں میں داخل کرتے تھے۔

خاصۃً سلطان نور الدین کو اُن کے ساتھ بڑی عقیدت تھی۔ نور الدین نہایت
 ہی متقی و پرہیزگار اور پاک نفس و پاک تھا۔ بادشاہ تھا۔ اس کی توجہ نے تمام لوگوں کو
 ان مستند فاضلہ عصر کا معتقد و معترف بنا دیا۔ نور الدین اپنی اندرونی مہات سلطنت
 میں ان سے مددوں مشورہ لیتا رہا اور بہت سی فقہی اور دینی معاملات میں اسے اُن کی
 شاگردی کا فخر حاصل تھا۔ اور اسید وجہ وہ ہمیشہ نہایت فیاضی اور فرخ حوصلگی سے
 اُن کی خدمت کرتا تھا۔

فقہیہ فاطمہ نے آخر دنیا کو اپنے کمالات سے بہت کچھ بہرہ یاب کر کے
 اور اپنی بہت سی برکتیں اُس میں چھوڑ کر شہر حلب میں انتقال فرمایا۔ اور انتقال کے
 چند روز بعد اُن کے شوہر نے بھی انتقال کیا اور انہیں کے برابر حلب کے قبرستان جبین
 میں مدفون ہوئے۔ جہاں ان دونوں کی قبریں آج تک مشہور ہیں۔ اور رُزن
 صالحہ اور اُس کے شوہر کی قبر کے نام سے یاد کی جاتی ہیں۔

فاطمہ بنت پورہ

یہ خاتون بہت بڑی ولیہ اور عابدہ و زاہدہ تھیں اور تیسری صدی ہجری کے

ابتدائی دور کو جہاں بڑے بڑے علماء و فضلاء اور فقہاء و محدثین پختہ تھا وہاں ان پاک
نفس و پاک ہنہاہ فی بنی بہرہی ناز تھا۔ ذوالنون مصری اور بایزید بسطامی کے ایسے نادر
زمانہ اولیاء اللہ کی معاصر تھیں۔

بلکہ ذوالنون مصری ان کے شاگرد تھے۔ اور وہ اس پایہ کی ولیہ تھیں کہ ذوالنون مصری
کو ان کی شاگردی برناز تھا وہ کہا کرتے تھے کہ میری استانی فاطمہ کا قول ہے جو شخص حلال
میں السجیل شانہ بنو لو نہیں لگائے رہتا وہ ہر میدان میں اترتا اور ہر قسم کی باتیں کرتا ہے
مگر جس کی ہر حال میں خداوند تعالیٰ سے لڑائی رہتی ہے تو اللہ سچ کے سوا اور سب باتوں سے
گو ٹکا کر دیتا ہے اور اس کے لئے لازم ہو جاتا ہے کہ خدا سے شرم رکھے اور خلوص اس کی طرف
متوجہ ہو۔ اس کے علاوہ یہ تیسری صدی کی ابتدائی ولیہ یہ بھی ارشاد فرماتی تھیں جو کوئی
اللہ کے واسطے اسطرح عمل خیر کرے کہ گویا خدا اُسے دیکھ رہا ہو تو اگر خلوص ہو تو بس یہی شخص ہے
یہ ہیں حقیقی رموز تصوف۔ اور یہی ہے وہ تصوف جو پاک صاف ہے اور جس کی ہر
مسلمان کو ضرورت ہے اور اسی رمز شناسی حقیقت کا نتیجہ تھا۔ کہ ذوالنون مصری کا ایسا
شخص ان کا شاگرد یا مرید ہو گیا۔ ذوالنون مصری نو شاگرد ہی تھے۔

حضرت بایزید بسطامی کو بھی اس نیک نفس عالمہ و فاضلہ کے تبحر کا
اعتراف تھا یہ اور بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ چنانچہ ان کا قول تھا میں نے فاطمہ کی اسی
کوئی عورت نہیں دیکھی کبھی ایسا واقعہ نہیں پیش آیا کہ میں نے اس خاتون کے سامنے
کوئی مسئلہ بیان کیا ہو اور اُسکو پیشتر سے اس مسئلہ کا صحیحی اور ذاتی علم ہو نہ ظاہر ہوا ہو۔
مرجعت کی یہ حالت تھی کہ ذوالنون مصری ارادت رکھتے تھے اور فضل و کمال
میں یہ درجہ چاہتا کہ بایزید بسطامی عقیدت کیشوں میں تھے مگر باوجود اس مسئلہ المیزاجی
اور زہد اتقائی یہ شان تھی کہ کمال پہنچی تھیں اور دنیاوی تلکافات سے علاقہ نہ تھا کسی مرتبہ
چچ کہہ کر کیا۔ اور ہمارے ہم وطنوں کی جھوٹی اور دکھاو کی شان عصمت کے خلاف ڈولی
پاؤں میں پیچھے کے نہیں بلکہ پا پیادہ ہندوستان کے لوگوں کو حیرت ہو گی کہ اتنی بڑی
ولیہ اور نیک نفس کہ کہہ دے گا پاس دلچاؤ کریں پیدل حج کرنے کو تیار ہو گئیں۔ مگر

کوئی تعجب کی بات نہیں۔ یہ چیز جسے تم شرافت سمجھ رہے ہو نہ کبھی ہمیں یاد دیوں میں تھی اور نہ دیکھ عورتوں میں۔

انہیں فاطمہ کو دیکھو کہ نیشاپور وطن تھا جو مکہ سے مہینوں کی راہ پر ہے مگر انہوں نے ثوابِ آخرت کے لئے کمر بستہ باندھی اور چل کھڑی ہوئیں۔ بلکہ وہ تو خدا کی ایسی پاک اور مقبول بندی تھیں کہ عمرے کے ارادے سے جا رہی تھیں۔ مکہ کی راہ میں تھیں کہ ۲۲؎ میں خداوند جل و علانے اپنی پاس بلا لیا یا نابلد وانا البیرا جعون۔

زینب

ملکہ مصر

یونو ناز آفرینی و ناز برداری اور دلربائی اور دلخوشی کی گرم بازاری عشق و محبت کے چرلے کو ہمیشہ اور ہر جگہ اکساتی اور تیز کرتی رہتی ہے۔ مگر مصر کو اس بارے خاص میں سادہ دینا پر ایک نمایاں فوقیت حاصل ہے شعر لے عجم ترکوں کے حسن و جمال کی تعریف میں ہمیشہ رطب اللسان اور ایک ترک شیرازی کے خال ہندو پر سمر قند بخار کو قربان کرتے رہے۔ بحرستان کے حسن و جمال کا ایک زمانہ دیوانہ ہو رہا ہے۔ اور وہ کوہ قاف کی پہاں ہی ہیں جو صدیوں اور ملت ہائے دراز سے ایران و روم کے شاہی محلوں کی زینب و زینبیت بنی ہوئی ہیں۔ پتھر اچی کی گوبیوں سے سری کرشن جی کی دیوتائی کی شان ہیں زندہ دلی کی جان ڈالی ہے مگر سرزمین مصر نے اپنی نازنین مہوشوں کی دلربائی و دل فریبی کے جیسے جیسے کارنامے و صفحات تاریخ پر درج کر دیے ہیں اور کسی ملک کو نہیں نصیب کیونکہ زینب اور قلوبطرحہ دیکھو پیرا کی سی نازنین دلبروں کو کسی ملک کی تاریخ نہیں پیش کر سکتی جنہوں نے دلبری و دلستانی کو ایک فن بنا کر اس پر انتہا دیکھ کر کمال دکھا دیا۔ زینب کے حالات کو ہمارے شہرت و نمود حاصل ہے کہ توراۃ اور قرآن کے روحانی لکچر ہیں مگر انہیں جگہ ملتی۔ اور قلوبطرحہ کے واقعات مورخین روم کے ذریعہ سے استفادہ شہور ہوئے کہ ان ہر زبان کے مورخین کی زبان پر ہیں اور متین سے متین ان کے بیان میں

کلی ذکر کرتے ہی ایک شاعر نے رس اور مزہ پیدا ہو جانا ہے اپنی حسن و جمال کے اثر اور اپنی سحر
 آفریں آنکھوں کے جادو پہ پہلوں سے کسی کے دل کو زخمی کر دینا ایک ایسا فن ہے
 جس میں ہر ملک کے حسین کمال رکھتے ہیں۔ اور ہر جگہ کے عشاق خستہ جگر پر پھول لڑائی کی
 بے رحمی کی شکایت کر رہے ہیں۔ رومی شاعر اور وڈ کی مثنوی "وہ آرٹ آف لو" دفع عشق
 بازی کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ روم کی ناز آفریں میں جس میں کس خوبصورتی سے
 دل چسپ لیا کرتی تھیں۔ اور ان کے ہاتھوں سے عشاق کیسے دل پر شتہ ہو رہے تھے
 مگر مصر کی یہ دونوں عالم حسن کی ہیر و مہین جہوں نے لسانی کی معرکہ آرائیوں میں قیامت
 تک یاد رہنے والی فتوحات حاصل کی تھیں سب سے بڑا یہ امتیاز کہتی ہیں کہ اپنی حسن کے موثر
 بنانے اور اپنے تیر نظریں جہانگیری کی قوت پیدا کرنے میں انہوں نے کمال دکھا دیا
 اور کہیں کی نازک ادا در بایں نہیں دکھا سکیں۔ جس کے نامہ بان ہائیوں نے صحرا عرب کے
 زلیخا کا محقر واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت یوسفؑ کو ان نامہ بان ہائیوں نے صحرا عرب کے
 ایک اسماعیلی قافلہ والوں کے ہاتھ بیچ ڈالا تو وہ لوگ آپ کو لینے مصر کے بازار حسن میں
 پہنچے۔ اور قطعہ نام ایک معزز عہدہ دار مصر کے ہاتھ فروخت کیا جو دربار فرعون میں
 وزیر خزانہ کی خدمت پر مامور تھا۔ اور وزیر مصر کہلاتا تھا۔ عزیز نے حضرت یوسفؑ کو لاکے
 اپنی بی بی کے سپرد کیا۔ جس کا نام مورخین سلف کے نزدیک توراعیل تھا۔ مگر خدا جانے
 کیونکر ایران و ہند کے متاخر شعراء و مورخین میں "زلیخا" مشہور ہو گیا۔ اور چونکہ
 اس معزز خاتون کا یہی نام ایران و ہندوستان کے بچہ بچہ کی زبان پر ہے۔ لہذا ہم
 بھی اسے اسی مشہور نام سے یاد کرتے ہیں عزیز نے حضرت یوسفؑ کو اپنی بی بی کے
 حوالہ کرتے وقت یہ ارادہ ظاہر کیا تھا کہ چونکہ ہم لا ولد ہیں اس لئے اس خوبصورت
 کشتافی لڑکے کو بیٹا بنائے پالیں گے۔

سعد توراۃ اور قرآن مجید میں اس خاتون کا کوئی نام نہیں آیا گیا ہے۔ اور عزیز نے جو رو "یا امرأۃ العزیز"
 کے الفاظ سے یاد کی گئی ہے۔ عرب کے قدیم مورخ ابن اثیر وغیرہ اس محترم و مشہور خاتون کا نام "عزیز"
 بتاتے ہیں۔ مگر یہ مسلمانوں میں اس کا نام زلیخا مشہور ہے۔

جیب آپ بڑے اور جوان ہوئے اور آپ کے حسن و جمال میں جوانی کی دلربائی نے جلوہ دکھا دیا تو زلیخا آپ کی صورت پر فریفتہ ہو گئی۔ اور اپنے دام میں گرفتار کرنے کے لئے یہی طرح طرح کی تدبیریں کرنے لگی۔ مگر ایک معصوم پیمبر زادے کے قائم کو بغیر مشہور بنونا غیر ممکن تھا۔ کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ تب اس نے مولانا جانی کی روایت کے مطابق ایک مکان کو ایسے طریقہ سے سجایا اور آراستہ کیا کہ انسان کیسا ہی بے حس ہوا تبس قدم رکھتے ہی اس کے دل میں ایک شورش عشق پیدا ہو جائے ہر طرف در و دیوار میں ایسی تصویریں لگی ہوئی تھیں جہنیں دیکھ کے دل ہاتھوں سے جاتا رہتا اور ممکن تھا کہ انسان اپنا دل ہر قابو رکھ سکے۔ اس کے مکان کے اندر زلیخا یوسف کو تنہا لیگئی سب دروازے بند کر لئے۔ اور کمال بیتابی عشق کے ساتھ یوسف کو لپٹ گئی۔ یہاں کے عالم کو دیکھ کے یوسف بھی از خود درفتہ ہو گئے۔ قریب تھا کہ اس کے دام زلیخا گرفتار ہو جائیں مگر ساتھ ہی متنبہ ہوا اور بے اختیار بہانے زلیخا نہایت ہی بیتابی سے پیچھے دوڑی اور دامن پکڑ لیا۔ مگر یوسف نے ایسی بے اختیار می سے جھٹک دیا کہ دامن پھٹ کے اس کے ہاتھ میں رہ گیا۔ اور یہ دروازہ کھول کے باہر نکل پڑے۔

باہر نکلتے ہی عزیز کا سامنا ہو گیا جس نے دونوں کی اس حالت میں دیکھا کہ آگے آگے تو نہایت بدحواسی کے عالم میں یوسف ہیں۔ پیچھے اس کی جو رو ہو اور یوسف کا چہ نسا ہوا دامن اس کے ہاتھ میں ہے۔ یہ دیکھ کر اُدھر تو وہ ہو چکا رہ گیا۔ ادھر ان دونوں کا یہ عالم ہوا کہ ”کالو تو لہو نہ تھا بدن میں“ مگر زلیخا کی پرفتن طبیعت اور پرفتن فطرت نے اسے سنبھالا۔ شوہر کی طرف دیکھ کر بے تحاشا چلائی ”تمہاری بی بی کے ساتھ جو کوئی برا ارادہ کرے اُسکی سزا قید کے سوا اور بھی کچھ ہو سکتی ہے؟“ یہ سنا یوسف میں تاب نہ رہی۔ بولے ”خود ہی تو میرے پیچھے پڑی ہوئی ہیں اور اس لئے مجھے کیا الزام دیتی ہیں۔ میں جان چا کہ بہانہ میرے پیچھے دوڑیں اور میرے دامن پکڑ لیا اب عزیز میرے ساتھ رہتا کہ کیا فیصلہ کرے اور کے الزام دے کہ اس کا چہارادہ ہائی جو اتفاقاً اس کے ساتھ تھا بولا ”دکرتے ہی کے دیکھنے سے دونوں کا جھوٹ سچ پہچانے گا۔ اگر

یوسف کے کرتے کا اگلا دامن پہننا ہو تو جانے کہ زلیخا بھی ہیں اور یوسف جہوٹے ہیں اور اگر پہلا دامن پھٹا ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ یوسف بچے ہیں اور یہ جہوٹی ہیں۔ اس تجویز کے مطابق کرتیکا معائنہ کیا گیا تو نظر آیا کہ پہلا دامن پھٹا ہوا ہے اس ثبوت کے ہمہ پیشہ ہی زلیخا کا سر نہ امت سے جھک گیا۔ اور عزیز نے بی بی کی طرف دیکھ کے کہا ”یہ تمہارا ہی فریب ہی۔ سچ یہ ہو کہ تم لوگ بڑے ہی مکار ہوتے ہو۔“ بی بی کو سزا کیا دیتا؟ اور عزیز نے گلسا ناکارہ آدمی جس کی نسبت مشہور تھا کہ عورتوں کے کام ہی کا نہیں ہے۔ اس واقعہ کو اتنے ہی پر ٹال دیا کہ زلیخا سے کہا ”بی بی سارا قصور تمہارا تھا۔ اب اپنے گناہ سے توبہ کرو۔ اور پھر ایسا نہو۔“

یہ تو پہلا موقع تھا جبکہ زلیخا نے اپنے حسن و جمال کے اثر اپنے ناز و انداز اور اپنے کمال دلبری سے ایک ہمیر زادے کے دل پر فتح پانے کی کوشش کی تھی۔ مگر چونکہ ہمیری کے دامن عفت میں دھبہ لگانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ بالکل کامیاب نہ ہو سکی تھی لیکن ایک دوسرے موقع پر جب اسے حسن کی کرشمہ سازیاں دکھانے کے سہریں کمال چاہا کہ سنی دیکھا کہ اس بات کی کوشش کی کہ حسن یوسف کا اثر تمام پری و شمل خاتونان مصر کے دلوں پر ڈال دے اور اپنے آپ کو معذور ثابت کرے۔ پوری طرح فحشیا ہوئی۔

یہ سین بھی نہایت ہی دلفریب تھا اور سو مصر کی سرزمین کے اور کہیں شاید نہ نظر آیا ہو گا۔

اس کی بنا یہ تھی کہ زلیخا کے دل ہاتھ دے بیٹھنے کا حال جب ام ایہ مصر کے گہرے میں مشہور ہو اور تمام معزز خاتونیں انگلیوں کو دانتوں سے کاٹ کاٹ کے زلیخا کو الزام دینے لگیں کہ مدوی شوق پورا کرنے کے لیے ایک غلام ہی تھا۔ زلیخا کو کوئی شریف زادہ نہ ملتا تھا، تو اپنے سر سے یہ الزام اٹھانے کے لیے زلیخا نے ایک دن تمام خاتونان مصر کی خدمت کی جھینپڑا پہن کر، کھانا کھا کر، کہا ”وہ کہہ رہا تھا نہایت دولت مند ہی سے اور اس قدر سے کہ یہ نظر جاتی ہو کہ اس کی بہانہ نہ ہو۔“ اور اس کے بعد اس کا شرف بھیا کیا

گیا تھا۔ ہر طرف دیبا و حریر کے پردے لٹکائے گئے تھے۔ اور ان کی آراستگی میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھایا گیا تھا۔ پہر ایک کمرے میں اس نے جاکیدست مشاطاؤں کو حکم دیا کہ یوسف کو بنا چنا کے دولہا بنا دیں۔ آپ کے بالوں میں کنگھی کر کے موتی پروائے گئے۔ حریر زرد کے کپڑے پہنائے گئے جس میں سنہرے روپے اور سرخ گل بوٹوں پر سبز رنگ کی چھوٹی چھوٹی چڑیاں بٹھائی گئی تھیں۔ طلسم سرخ کا پاجامہ اور سر پر موتیوں اور جواہرات کا مرصع تاج پہنایا۔ اس تاج کے نیچے سواپ کی خم درخم زلفیں نکلی ہوئی تھیں جو پیشانی پر باریچاں کی طرح بل کھانی کو بعد چہرے کے گرد اگر دھکر کھاتی ہوئی سینہ پر لٹکا دی گئی تھیں۔ ادھر ادھر دونوں خسار و سپرد زلفیں بچھوڑوں کے ڈنگ کی طرح مناسب خم کے ساتھ لٹکال دی گئی تھیں اور باقی زلفیں ٹیٹھ پر بکھری ہوئی تھیں جنہیں موتی گوندہ کے اور طلائی مویات ڈالنے کے عجب پُر لطف جال شانوں اور پیچھے پر پہلا دیا گیا تھا۔ دونوں کانوں میں دو اعلیٰ درجہ کے موتیوں کے گوشوارے پڑے تھے۔ گلے میں طلائی مرصع طوق تھا۔ کمر میں سونے کا پٹکا تھا جس میں یا قوت کی گنڈیاں اور موتیوں کی جہا لیں لگی تھیں۔

جب حضرت یوسف اس طرح بنائے چلے اور سنوارے جا چکے تو دوسرے اس زیادہ پر تکلف کمرے میں دسترخوان بچھایا گیا۔ جس پر تمام حسین و ناز آفریں مہانوں نے بیٹھ کر ہر قسم کے الوان نعمت کا لطف اٹھایا۔ اس کے بعد جام شراب کا دور چلا اور شراب کے بعد جب میوہ خوری کا وقت آیا تو ہر خاتون مصر کے سامنے ایک تسبیح اور ایک چھری لاکے رکھ دی گئی۔ تاکہ انہیں کاٹ کے کھائیں۔ ابھی وہ پھلوں کاٹنے نہیں پائی تھیں کہ نہ بچانے ان سب خاتون کی طرف متوجہ ہو کے کہا ”بی بیو! میں نے سنا ہے کہ ایک غلام کے متعلق تم سب مجھے الزام دیتی ہو۔ کیا یہ سچ ہے؟ سب نے کہا ہاں سچ ہے۔ ہمارے خیال میں آپ کا حسن و جمال اس مرتبہ کا ہے کہ اس پر بادشاہوں اور شاہزادوں کی نظریں پڑتی چاہیے تھیں نہ یہ کہ ایک غلام پر فریفتہ ہو کے آپ اپنی سبقتوں کو دے دیں!“ زلیخا نے کہا ”مگر تم اس ام کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتی ہو“

پھر حکم دیا کہ مغرب کی طرف کے زلیخت کے پردے اُٹھا کے حضرت یوسف لائے جائیں
 مشاطائیں اسی شان رعنائی سے یوسف کو اندر لائیں۔ صبح کا وقت تھا اور اس کا
 پہلے سے انتظام رکھا گیا تھا کہ یوسف جیسے ہی اس کمرے میں داخل ہوں ان
 کے چہرے پر آفتاب کی شعاعیں پڑیں۔ چنانچہ آپ لائے گئے۔ سورج کی نرم
 شعاعوں نے چہرے پر سنہرا پانی بہہ کے آپ کے حسن کو اور چمکا دیا۔ یہ معلوم ہوا
 کہ آسمان سے کوئی فرشتہ اتر آیا ہے یا آسمانی حسن دنیا میں جلوہ افروز ہو گیا ساری
 خاتونیں مبہوت اور بت بن کے رہ گئیں۔ زلیخا نے کہا: کیون کیا ہوا؟ یہ تم باتیں
 کرتے کرتے رک کیوں گئیں؟“ سب نے جواب دیا۔ ”یہ انسان نہیں ہے فرشتہ ہے“
 اس کے بعد سب ترخ کاٹنے کا قصد کیا تو بے اختیار وہ بے خودی میں ترخوں کے
 عوض اپنی انگلیاں کاٹ لیں۔ ان کی یہ حالت دیکھ کے زلیخا بولی، ”یہی وہ
 غلام ہے جس کے بارے میں مجھے الزام دیا جاتا ہے۔ اور یہی ہے جس پر تم سب مجھے
 لعنت ملامت کرتی تھیں۔ مگر تمہیں انصاف کرو کہ ایسے جوانِ رعنا کو انسان چاہے
 نہ تو کیا کرے؟“ اب سب نے زلیخا کی معذوری تسلیم کر لی۔ تو زلیخا نے اُسے التجا کر کے کہا
 جب تمہارا یہ خیال ہو تو خدا کے لیے اسے سمجھا بھما کے راضی کرو۔ اب سب عورتوں
 نے اٹھ اٹھ کے حضرت یوسف کو فریب دینا شروع کیا۔ اور بعض بچائے اس کے
 کہ وہ زلیخا کی وکالت کرتیں۔ آپ کو خود اپنی طرف مائل کر رہے تھیں۔ مگر زلیخا ہر زلیخا
 ہی کی سفارش کر رہی تھیں

درحقیقت یہ بھی نہایت ہی موثر سین تھا کہ حضرت یوسف سچے سچائے دولہا
 بنے ہوئے خاموش کھڑے ہیں۔ اور مصر کی ساری حسنین و ہری جمال عورتیں لباس
 فاخرہ اور زیور پہنے اور ہر قسم کا بہاؤ چٹاؤ کئے ہوئے آپ کو یا تو زلیخا کی طرف متوجہ
 کرتی ہیں اور یا اسے دام میں پھانسا چاہتی ہیں بے شک یہ زلیخا کا پہلے سے بھی
 بڑا ہوا فریب تھا۔ مگر سچا یہ عصمت اسپر بھی غالب آئی۔ اور کسی کا زور نہ چلا یہاں تک
 کہ زلیخا جیب بالکل عاجز اور بالکل ہار چکی اور کوئی زور نہ چلا تو آپ کو قید خانہ میں بھیجا۔

بلقیس ملکہ سبا

ہر قوم کی تاریخ میں ایسا ابتدائی عہد ایسا گزرا ہے جس کے حالات اس عہد کے قیاسات عقلی سے باہر اور عجیب و غریب واقعات سے لبریز ہیں۔ یہودیوں رومیوں ہندوؤں اور چینوں ہی میں یہ تھا کہ ان دنوں آسمان و زمین کے رہنے والے اور عالم بالا و عالم زیریں والے باہم ملتے جلتے تھے اور سر و شتان و ہن و شجستان کی آمد و رفت کے راستے کھلے ہوئے تھے بلکہ بنی اسرائیل و عرب میں بھی اپنی اپنی تاریخ کے متعلق ایسے عجیب و غریب مشہور تھے عرب کی ملکہ سبا بلقیس بابل کی ملکہ سمیرا میں اور یونان کی ہلین بھی اسی قدیم عہد کی خاتونیں ہیں۔ جو قریب العہد تھیں۔ اور دلاوت سرور کائنات کو دو ہزار سال پہلے تقریباً تین سو برس کے اندر ایک دوسرے کے بعد گزریں۔ ان کے حالات خلافت فطرت و واقعات سے لبریز نظر آتے ہیں مگر اسلام اور نبوت پرستی کا یہ فرق اس زمانہ میں بھی نمایاں تھا کہ بابل کی سمیرا میں اور یونان کی ہلین تو دیویاں بن گئیں اور بلقیس صرف ایک حق پرست ملکہ اور پیغمبر کی بی بی بننے سے زیادہ تجا و زناہ کرسی سمیرا میں اور ہلین میں جیسے جتنی آوارگی اور شہوت پرستی تھی اور بلقیس کی بالکل کفر و کفریہ حسن و جمال کیساتھ عصمت و عفت کے زیور سے آراستہ تھی۔

بلقیس کا واقعہ کتب آسمانی میں بھی گویا مگر بہت مختصر اور باقی حالات کا مکملہ قومی روایتوں اور کہانیوں سے کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے اس کے متعلق اختلاف بھی بہت ہیں اور انکا اعتدال بھی نہیں کیا جاسکتا۔

بعض اہل روایت کہتے ہیں کہ اسکا اصلی نام بلقمہ تھا اور شریع بن حارث بن قیس بن صیفی بن سبا بن شجب بن یعرب بن ثحطان کی بیٹی تھی۔ بعض اسکے باک کا نام شریع بن تبع ذی المناہر بن تبع ذی المناہر بن تبع رائش بتاتے ہیں۔ مگر یہ سب اختلاف کوئی اختلاف نہیں۔ اس لیے کہ قدیم شاہان بین کی نسل سے تھی جو شجب کہلاتے

تھے اور ان بادشاہوں کے نام کے ساتھ ایک لقب بھی ہوا کرتا تھا جس کے اول میں اکثر لفظ "ذو" رہا کرتا۔ لہذا پہلی روایت میں ان کے اصلی نام بتائے گئے ہیں۔ اور دوسری میں ان کے شاہانہ القاب۔

ان ملک تین کا جو تباہی میں کہلاتے ہیں بڑا زمانہ گزرا ہے۔ اپنے دور میں وہ کسی سلطنت کو اپنے مقابل نہیں سمجھتے تھے۔ اور ساری دنیا کا بادشاہ اپنے ہی آپ کو خیال کرتے تھے۔ قدیم فرعون مصر کا مذاق۔ ان کا سامان عیش و انکار پور۔ ان کے ظروف و اور ان کے قصر و ایوان تباہی میں سے اس قدر ملتے جلتے تھے کہ اہل بعیرت کو خیال نہ چلا کہ مصر والے تہذیب و تمدن میں ان ملک عرب ہی کی شاگرد تھے اور اگر کبھی میں کے ہندو ملک کو دیکھ کے وہاں کی تاریخ کا پتہ لگایا جاسکا تو کیا عجب کہ یونانی یونین کی صورت اختیار کرے۔ الغرض انہیں تباہی میں کی ایک وارث تلخ و دہیم ملکہ بلقیس بھی تھی۔

اس کے متعلق جو خارج از عقل واقعات بیان کئے گئے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ اسکی ماں بادشاہ جن کی شاہزادی تھی جس کا نام رواجہ یا ریحانہ تھا۔ اور اس غیر معمولی عقد شادی کے متعلق یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ بلقیس کا باپ شیخ اپنی خاندان کا چھوٹا فرماؤ تھا۔ ساری دنیا پر مشہور تھا۔ اور سارے جہاں میں کسی شاہی خاندان کو اپنا گھو اور ہم رتبہ نہ سمجھتا تھا کہ اس کی لڑکی کو اپنی ملکہ بنائے اور آخر کار کہنے لگا کہ میں انسانوں میں شادی ہی نہ کروں گا۔

وہ جنگل میں جا کے شکار کیا کرتا۔ اور ہرنوں کی طرح شرمیلوں کا بھی شکار کرتا تھا۔ بہت شہر میں اس کے ہاتھ سے مارے گئے تو خود بادشاہ جن کو دارمہ کے اسکا شکار ہوا کیا اور اسے اس کے عوض اسکی بیٹی کا پیام دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یوں نہیں بلکہ ایک دفعہ اس نے یہ کہہ کر ایک لڑکی کو سفید سانپ باہم لڑ رہے ہیں یا خر لڑتے لڑتے کا لسان سفید سانپ پر غالب آیا۔ یہ بات اسے پسند نہ آئی۔ ملازموں کو حکم دیا کہ اس گائے سانپ کو مار ڈالو اور سفید جو نہایت مصلحت مندانہ ہو رہا تھا اسے پانی چھڑک کر ہوش میں لایا

یہاں تک کہ وہ رینگ کے چلا گیا۔ رات کو شیخ اپنے خلوت خانے میں تھا کہ ناگہاں ایک خوشنود
جوان نمودار ہوا جس کی صورت دیکھ کے شیخ ڈرا تو اس نے کہا کہ آپ خوف نہ کہائیں میں وہی سفید
سانپ ہوں جس کی دن کو آپ نے جان بچائی تھی۔ اس حسان کا جو معاوضہ کہنے کرنے
کو تیار ہوں۔ کہئے تو روپیہ پیسہ لاکھ نذر کروں۔ یا کہئے تو آپ کو فن طب بتا دوں
شیخ نے کہا روپیہ پیسہ خزانے مجھے بہت کچھ دیا ہے طب کی ضرورت بادشاہوں کو نہیں
حکمرانی کے ساتھ وہ طبابت بھی کرنے لگیں تو لوگ نام رکھیں گے۔ لیکن ہاں میری آرزو
البتہ یہ اگر آپ کوئی بیٹی ہو تو اسے میرے عقد نکاح میں دیجئے۔ اس جوان جن نے کہا ”اے
میری ایک بیٹی ہے۔ اور اسکے لیے آپ کا پیام قبول بھی کرتا ہوں۔ لیکن شرط یہ ہے
کہ وہ جو چاہے کرے آپ اسکے کاموں میں دخل نہ دیں۔ اگر ذرا بھی دخل دیا۔ تو وہ آپ کو
چھوڑ کے چلی آئے گی۔“ شیخ نے یہ شرط منظور کی۔ اور شادی ہو گئی۔

شادی کے بعد ایک لڑکا پیدا ہوا جسے پیدا ہوتے ہی ماں نے دیکھتی ہوئی آگ
میں پھینک دیا۔ باپ کے دل کو صدمہ تو ہوا مگر اپنے عہد کی پابندی میں خاموش ہو رہا
پھر ایک لڑکی پیدا ہوئی جسے باپ ایک کنیا کے سامنے ڈال دیا اور وہ اسے جھپٹ
کے اٹھا لے گئی۔ اب کے بھی دل شکستہ باپ نے گلجہ پر ممبر کی سہل رکھ لی۔ اس کے
بعد کسی باغی نے سر اٹھایا اور بادشاہ نے اس کی سرکوبی کے لیے فوج کشی کی پھر اس
بانی بی بی اس سفر میں ساتھ لگی۔ ایک منزل پر پہنچ کے جہاں رسد اور پانی ملنے
کی کوئی امید نہ تھی کیا دیکھئے کہ سارے غلہ اور گھانسی چیزیں مٹی میں مل گئیں۔
مشکوں کے دھانے آپ ہی آپ کھل گئے اور سارا پانی بہہ گیا۔ یہ دیکھتی ہی بادشاہ کو اپنی
اور اپنے لشکر کی ہلاکت کا یقین آگیا۔ فوراً بھی بھیج گیا کہ یہ کارستانی جنوں نے میری بیانی
کے کہنے سے کی ہے۔ ابھی تک تو ضبط کیا تھا۔ مگر اب نہ ہو سکا۔ بیانی کے پاس جا کے
بیٹھا اور ہر چیز کے الزام سے بچنے کے لیے زمین کی طرف اشارہ کر کے کہا ”تو تو زمین پر
بیٹے کو چلا دیا میں نے دم نہ مارا۔ میری بیٹی تو دنیا کو دے دی اور میں نے آہ نہ کی۔ لیکن
اب اس آفت کو تو ہمیں کونسی بھی جان بڑہ ہو گا۔“ بیانی نے فوراً جواب دیا ”بہتر تھا

کہ قرب بھی صبر کرتے تمہارے کہانے پانی میں دشمنوں نے زہر ملا دیا تھا اگر وہ تلف نہ کرتے جاتا تو ایک بھی زندہ نہ بچتا یہ کہہ کے اُس نے ایک ایسے مقام پر پہنچا دیا جہاں کہانا پانی سب چیزیں کثرت سے مل گئیں۔ اس کے بعد وہ بولی ”تہیں اپنے بیٹے کا صدمہ ہے اُسے میں نے ایک والی کے سپرد کر دیا تھا مگر خدا کو زندگی نہیں منظور تھی مگر کیا رہی تمہاری بیٹی وہ جیتی جاگتی موجود ہے“ اور اُس کے یہ کہتے ہی ایک حسین و خوب روٹھی زمین سے نکل کے باپ کے سینہ سے لپٹ گئی۔ یہی بلقیس تھی جس سے مل کے باپ بچہ خوش ہوا۔ خلاصہ یہ کہ بلقیس عرب کی شہنشاہی جو انسان اور پرہی کی آمیزش سے پیدا ہوئی۔

اس کے بعد بادشاہ نے اُس غنیم کو مغلوب کیا اور انتظام سلطنت اپنی زندگی ہی میں بلقیس کے ہاتھ میں دیدیا۔ اور جب مرا تو وہی وارث تلخ و سخت ہوئی۔ مگر اس میں بھی بعض اہل روایت کو اختلاف ہے۔ جو کہتے ہیں کہ بلقیس کا باپ بغیر کوئی وصیت نہ کر گیا۔ اور اس کے بعد رعایا میں ہنگامہ اٹھ گیا اگر وہ نے بلقیس کی اطاعت قبول کی اور اپنے اس چچا زاد بھائی کی۔ اُس کے اس ابن عم نے حکومت کا یہی طرح طرح کے ظلم کو شروع کر دیئے خصوصاً اُس کی شہوت پرستی اس درجہ کو پہنچ گئی کہ ملک بھر میں جس کی بیٹی کو حسین و خوب روستہ بلوا کے بے اثر و ڈالنا۔ آخر کو کچھ آخر آگے اس فکر میں ہوئے کہ اُسے تخت سے اتار دیں۔ یہ باتیں بلقیس کو ناگوار گزری رہی تھیں کہ اس نے بلقیس کو بھی بے عزت کر نیکی لئے بلوایا۔ بلقیس نے کہلا بھیجا ”میں نہیں بلکہ آپ خود مجھ سے ملنے کو یہاں آئیے“ وہ فوراً چلا آیا۔ اور یہاں دو شخص چپا کے لگائے گئے تھے۔ ادھر اس نے مکان کے اندر قدم رکھا۔ اور ادھر انہوں نے اپنی تلواروں سے کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد ہی بلقیس نے وزیر کو بلوا کے غیرت لائی کہ تم میں سے ایک بھی نہ تھا جسے اپنی بیٹی کی بے ابروئی پر غیرت آتی؟ پھر اس کی لاش دکھائی۔ اور کہا ”اب جس کسی کو مناسب سمجھو اپنا بادشاہ بناؤ“ سب نے کہا ”اُسے بہتر حکم دیاں ہمیں نہیں نصیب ہو سکتا۔ لہذا آپ ہی اپنے

آبادی تخت کو اپنے جلوس سے زینت دیجئے۔

بلقیس کی تخت نشینی کے متعلق ... ایسا کہ روایت بھی بیان کجاتی ہے کہ جب اسکا
ابن عم بادشاہ ہو گیا۔ تو بلقیس نے خود ہی اس سے شادی کی درخواست کی اس نے
کہا مجھے تو اسکی پہلے ہی سے آرزو تھی مگر امید نہ تھی کہ تم قبول کر دو گی۔ اور سیوجہ
سے پیام دینے کی جرأت نہ ہو سکی بلقیس نے کہا ”مجھے انکار کی کیا وجہ تھی؟ نسب
اور خاندان میں تم میرے ہم رتبہ ہو مگر اچھا تو اب تمام اعزہ و اقارب یہاں کو جمع کر کے نکاح
پر حضور! اس قرارداد کے مطابق نکاح ہو گیا۔ رات کو جب وہ حملہ عروسی
میں آیا تو بلقیس نے اسے اتنی شراب پلائی کہ مدہوش ہو گیا۔ تب بلقیس نے
اس کا سر کاٹ لیا۔ اور اپنے گھر چلی آئی۔ اور اس سر کو اپنے دروازے پر لٹکوا دیا
لوگوں کو جب اس کی خبر ہوئی تو بلقیس کے سامنے آئے اسٹاں بوس ہوئے
اور اسے تخت پر بٹھایا۔

بلقیس نے سر پر شہر بار ہی پر قدم رکھتے ہی ایسی خوبی اور شان و شوکت سے حکومت
کی کہ اس کے کوکب اقبال کے سامنے تمام تہا جہنمین کا ستارہ گہنا گیا۔ ان سر کے واقعات
مشکوٰۃ و مشابہت کہانیاں رہ گئے۔ اور بلقیس کی تاریخ اور اس کے کارناموں کی یہاں
تک شہرت ہوئی کہ قرآن پاک کے مقدس اوراق میں بھی درج ہیں۔
اس کی عظمت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ کہتے ہیں کہ اس کے ہم درجہ ہو کر باہر
سوائے جہنم کے کچھ نہیں رہتے۔ بارہ سپہ سالار رہے جو اطراف و جوار میں فوج
کشی اور سرکشوں کی سرکوبی کرتے تھے۔ اور چالیس ہزار لشکر ہمیشہ آستان سلطنت
میں کمر بستہ رہتا کہ اشارہ ہوتے ہی شمشیر زنی کے لیے روانہ ہو جائے اس کے علاوہ
۴۰۰۰ تاجدار اس کے باغیچہ اور مطیع فرماں بتائے جاتے ہیں۔

مستند زیادہ شہرت اس کے تخت کی سی ہے اسے ایسے اہتمام اور تکلف سے آرا
کے ساتھ رکھا گیا کہ کوئی تخت اس کے تخت کا ہم پایہ نہیں خیال کیا جاتا
تاکہ اس کی عظیمیہ اور ان کی عظمت کا اندازہ ہو سکے۔ اس پر نہایت خوش

سلیقگی سے سولے چاندی کے پتر چڑھائے گئے تھے۔ اور پیر قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ ایوان شہر یاری سات عالی شان قلعوں سے آراستہ تھا جو ایک سر کے اندر واقع تھے اور ساتویں قعر میں یہ تخت تھا۔ لہذا ہر طرف سے انسان سات قلعوں اور دہلیزوں سے گزرنے کے بعد تخت تک پہنچ سکتا تھا ان سب محلوں کے در و دیوار از چہیت پر بھی چاندی سولے کا طبع تھا اور جواہرات سے مرصع کر کے ان میں نقش و نگار بنائے گئے تھے۔

مشرق جانب ایک روشن دان تھا اور آفتاب کے طلوع ہوتے ہی اُس کی شعاعیں اس کے تخت کے پایوں پر پڑتی تھیں۔ اور سمجھا جاتا کہ ہر صبح سب سے پہلے آفتاب اس کے سجدہ کیا کرتا ہے۔ اس تخت کی آرائش وزینت میں بلقیس نے تین لاکھ اوقیہ سونا خرچ کیا تھا (ایک اوقیہ) ۲ تولہ ۹ ماشہ اور ۴ رتی کا ہوتا ہے۔

یہ دولت سرور کائنات صلعم سے ۱۶۱۶ سال پہلے کا زمانہ تھا جبکہ ارفن یہوداد و فلسطین میں حضرت سلیمان کی حکومت تھی اور شاپٹین واجنہ کے علاوہ خوش و طیور تک آپ کے مطیع و متقا تھے۔ اتفاقاً آپ کا لشکر کسی طرف سے گزرا جہاں پانی میسر نہ آتا تھا۔ بہادر کو بھیجا گیا کہ پانی کا تہہ لگائے وہ جو اس تلاش میں گیا تو ایوان بلقیس میں گذرا جہاں کی نہایت و شادابی دیکھ کر اتر پڑا۔ اور یہاں کی دلچسپیوں کا ایسا گرویدہ ہوا کہ واپسی میں دیر نہ ہو گئی۔ حضرت سلیمان پر ہم بھیجے ہوئے تھے کہ ہدہ آیا اور بلقیس کی حکومت اور اس کے قلعہ وادیوں کی خبر دی۔ آپ نے اُنہی کے ذریعہ سے بلقیس کو ایک خط بھیجا۔ مدت جنہ فیضیائی طرف مدعو کیا تھا۔ یہ خط پڑھ کر بلقیس نے وزیر ادا امر اسے شہرہ کیا لوگوں نے کہا ”ہماری سطوت و عظمت اسی نہیں کہ کسی سے دیباچیں ہم فوج کشی جان بازی کو تیار ہیں مگر حضور کے اختیار ہے جو مناسب سمجھیں حکم دیں“ بلقیس نے کہا ”میں اس بادشاہ کے پاس جو پیغمبر کا دعویٰ کرتا ہے ایک ہدیہ بھیجتی ہوں اور اسکو زینت سے آراستہ کرتی ہوں۔ اگر سچا پیغمبر ثابت ہوا تو اُسکی اطاعت کروں گی ورنہ اُسکو اس کا خانی کی سزا دوں گی“ اس قرار داد کے مطابق بلقیس کے دیباچہ ہدیہ بھیجے گئے

جنہیں ۵۰۰ خوبصورت غلام اور ۵۰۰ پریمال لڑکیاں تھیں لیکن غلام عورتوں کا زیور اور لباس پہنا کے آراستہ و پیراستہ کئے گئے اور روزیاں مرد کپڑے پہنا کے خوبصورت اور بانگے ترچے جوان رعنائی بنادی گئیں۔ دوسرے تحفہ یہ ہر ایک ہزار سوئے چاندی کی اینٹیں ایک مربع و مکمل تاج مشک اور عنبر اور ایک ڈبہ تہا جن میں ایک بیش بہا موتی اور ایک مہرہ تھا۔ مگر یہ ہتھ میں دونوں کے سوراخ پڑے کر دئے گئے تھے ان ہادیوں کو لیکے دربار بلیقیس کا معزز و محترم شخص منذرین عمر مع اپنی چند معزز رفقا کے روانہ ہوا بلیقیس نے جلتے وقت منذر سے کہا اگر سلیمان نبی ہیں تو لونڈی غلاموں کو بچان چاہیں گے۔ موتی کا سوراخ سیدھا کر دیں گے۔ اور مہرے کے سوراخ میں ڈورا ڈال دیں گے۔ اور یہ بھی خیال رکھنا کہ اگر ان ہادیوں کو دیکھ کے سلیمان تمہاری طرف برہمی اور عقصہ کی نظر سے دیکھیں تو سمجھ جائے کہ وہ معمولی بادشاہ ہیں اور اگر انکی خندہ شبینی و بشارت میں فرق نہ آئے تو جان لینا کہ جبریل علیہ السلام شانہ نے حضرت سلیمان کو بذریعہ وحی ان تمام باتوں کی پہلے ہی سے اطلاع دیدی تھی آپنے ان لوگوں کے دکھائے ایسا سامان کیا جو انسان کی قوت و قہم سے بالکل باہر تھا۔ اجنبی مدد سے سات فرسخ تک زمین سوئے اور چاندی کی بنا دی گئی۔ اور اس کے گرد ایک سوئے کی دیوار تعمیر کی گئی۔ اور اس میدان میں دو طرفہ تمام عجیب غریب جانور لا کے جمع کر دیے گئے۔ پہر آپ اپنے تخت پر جلوہ افروز ہوئے اور تخت کے دونوں جانب تمام اہل مہربان جن جن واس شریک تھے اپنے اپنے مرتبہ سے کرسیوں پر بیٹھے مین کے سفیر جب میدان میں داخل ہوئے تو یہاں کا منظر دیکھ کے ان کے ہوش اڑ گئے۔ سوئے کی یہ بے قدر سی دیکھی کہ اس کی زمین پر چو پائے لید کر رہے ہیں۔ لہذا سوئے چاندی کی جو اینٹیں لائے تھے انہیں یہاں حقیر دیکھ کے راستہ میں ڈال دیا۔ اور لونڈی غلام اور اس ڈبہ کو لئے ہوئے دوبارہ میں حاضر ہوئے۔ حضرت سلیمان ان سے شکستہ روی سے ملے اور خود ہی کہا کہ وہ جو تم لائے ہو کہاں ہے؟ اور انہوں نے جیسے ہی پیش کیا آپنے ایک چوٹی کو اشارہ کیا

جس نے سیراخ سیدھا کر دیا پہر ایک سفید کیڑے کو اشارہ کیا اس نے مہرے میں ڈورا ڈال دیا۔ اس کے بعد آپ نے لونڈی غلام کو حکم دیا کہ اپنے ہاتھ منہ دھوئیں اور ان کے منہ دھونے کی وضع سے خود پی کھل گیا کہ جو غلام نظر آ رہے ہیں اصل میں لونڈیاں ہیں۔ اور جو لونڈیاں دہن بنی ہوئی کھڑی ہیں نوخیز نو عمر غلام ہیں ان سب موز کا انکشاف کر نیچے بجا حضرت سلیمان نے وہ دریے واپس کر دیے۔

ان سفید رنگ کے واپس آ کے جب ساری سرگزشت بلقیس سے بیان کی تو اسے یقین آ گیا کہ حضرت سلیمان صرف بادشاہ نہیں پیغمبر الہی ہیں۔ فوراً خود جانے پر تیار ہو گئی اور بارہ ہزار تہیوں کا ہر جلال جلوس ساتھ لے کے چل کھڑی ہوئی۔ جب بیت المقدس کے قریب پہنچی تو حضرت سلیمان نے جنوں کے ذریعہ اس کا تخت آٹھواں انگوا دیا اور محض اس غرض سے کہ بلقیس کو پہچاننے میں شبہ نہ رہے اس کے جواہرات جابی کر لے کر بلقیس کی آمد آمد کی خبر سے جنوں میں کھل مٹی ہو گئی کہ اگر سلیمان نے بلقیس سے عقد کر لیا اور اس سے اولاد ہوئی تو پھر ہم پر سے خاندان سلیمانی کی حکومت کبھی نہ ملے گی کیونکہ بلقیس کی اولاد میں جنوں کے خصائص بھی موجود رہیں گے جو انسانوں میں نہیں ہوتے لہذا انہوں نے حضرت سلیمان کے سامنے بلقیس کے عیوب بیان کرنا شروع کئے اور کہا کہ بلقیس ایک بدترین عیوب عورت ہے اور اس کے پانوں میں چوپاؤں کی طرح بال ہیں، حضرت سلیمان اس کا پتہ لگانے کے لیے ایک عالیشان شیشہ کا محل بنوایا جس کی زمین بھی شیشہ کی تھی۔ مگر شیشہ کے نیچے پانی دوڑایا گیا تھا۔ اور انہیں ہر قسم اور ہر درجہ کے دریائی جانوروں کے چھوڑ دیئے گئے بعض لوگ کہتے ہیں کہ پانی نہ تھا بلکہ شیشہ کا رنگ پانی لگا تھا اور اس کے نیچے دریائی جانوروں کی تصویریں بنا دی گئی تھیں۔ انہیں جو کچھ ہو اور سے بھی معلوم ہوتا تھا کہ زمین انہیں بلکہ سمندر ہی اور انہیں جانور ہی سمجھ رہے ہیں۔ اسی محل میں حضرت سلیمان تخت سلطنت پر جلوس افروز ہوئے بلقیس جیسے ہی یہاں پہنچی۔ سمجھی کہ یہاں زمین انہیں بلکہ پانی ہی اور انہیں سمجھ رہے ہیں۔ اس نے پانی اپنے ہاتھ سے پکڑ کے اٹھائے تاکہ پانی میں

ہیگئے جائیں اور ساتھ ہی حضرت سلیمان کو نظر آگیا کہ اس کی پندلیوں پر بال ہیں اس کے بعد آزمائش کے لئے اس سے سوال کیا گیا کہ ”آپ کا تخت ایسا ہی ہے؟“ جس کے جواب میں وہ سوچ کے اور متامل ہو کر بولی ”ہو بہو وہی معلوم ہوتا ہے“، العرض ملنے کے بعد حضرت سلیمان کو یقین آگیا کہ جنوں کے بیان کے خلاف باقیس ایک نہایت ہی عاقل اور سمجھدار ملکہ ہے۔ مگر ماں اسکے پاؤں میں بال البتہ ہیں چنانچہ کہتے ہیں کہ اسی عیب کے دور کرنے کے لئے اس زمانہ میں نور سے کا نسخہ ایجاد کیا گیا۔

اب حضرت سلیمان نے باقیس کو دین الہی کی طرف بلایا اور وہ کلنہ تو حید پر ٹپکے مسلمان ہوئی۔ پھر حضرت سلیمان نے اس سے نکاح کر لیا اور آپ کی محبوبا ترین ملکہ وہی تھی۔ عتقر کے بعد آپ اپنے اسے ملک مین ہی کی حکومت پر برقرار رکھا۔ اور معمول تھا کہ ہر مہینہ میں ایک بار جاکے آپ تین دن تک اس کے شان بہا کرتے اس کے بطن سے آپ کا ایک صاحبزادہ بھی پیدا ہوا جس کا نام داؤد رکھا گیا تھا مگر وہ باپ کی زندگی ہی میں دنیا سے رخصت ہو گیا۔

بعض لوگوں کا اس کے خلاف یہ بیان ہے کہ حضرت سلیمان نے باقیس سے خود نکاح نہیں کیا بلکہ اسے حکم دیا کہ اپنی قوم کے کسی مرد سے عتقر کرے۔ مگر اس نے انکار کیا۔ حضرت سلیمان نے فرمایا اسلام میں یہ غیر ممکن ہے اگر مسلمان ہوئی ہو تو تمہیں کسی سے نکاح بھی کرنا پڑے گا۔ یہ حکم سن کر وہ بولی ”اگر اس مقرر نہیں تو پھر بادشاہ مہدان ذریعہ کے ساتھ میرا نکاح کر دیجئے“ آپ نے اس کی یہ خواہش پوری کر دی اور مین کے جنوں کو حکم دیا کہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کریں چنانچہ اسے اور اس کے شوہر نے جنوں کی مدد سے متعدد قصر و ایوان تعمیر کرائے مین ملکہ انہیں قصروں کے مین کے عالی شان ایوان صلیبیں، مرداح، قلیون، ہیندہ، نیوں، اور غن دان تھے۔

حضرت سلیمان کی وفات کے بعد جنوں نے ذریعہ کی اطاعت چھوڑ دی اور آپ کے انتقال کے ساتھ ہی ان کی سلطنت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

مگر بعض اہل روایت یہ کہتے ہیں کہ بلقیس نے جناب سلیمانؑ کی زندگی ہی میں وفات پائی۔ اور آپنے اسی شہر تدمر (یعنی ملکہ زوسیم کے شہر) کی خاک میں دفن کر کے قبر کا نشان مٹا دیا۔ تاکہ لوگوں کی نظر سے مخفی رہے۔

ملکہ زبیر

(عرب میں)

سلندر اعظم نے جب دارائے ایران کو تاج و تخت سے محروم کر کے قدیم اسیطی کو ٹھکانا ہو تو اس نے اس کیانی دار السلطنت ہی کو تباہ و برباد نہیں کیا بلکہ دمشق کی لہجہ ہوئے چین یعنی ساری سرزمین ایران کو اجاڑ کے ویران کر دیا۔ ایک پرانی منظم سلطنت اور اس زمانہ کی دنیا کو اس نے اپنے پرورش و ہفتائی صفت سپاہیوں کو برباد و برباد آسانی سے کر دیا۔ مگر یہ وسیع اور عظیم الشان سلطنت اس کے سنبھالنے نہ سنبھل سکی۔ کیونکہ بھارت آسان تھا۔ اور بنانا مشکل۔ اس غیر منظم مملکت کو نہایت ہی لفظی کجیت میں چوڑے وہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اور اس کے بعد یہاں ایک نیا دور شروع ہوا جو موطائف الملوکی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یعنی سارے ملک میں کوئی ایک سلطنت نہیں قائم تھی۔ بلکہ ہر صوبہ کے جدا جدا بادشاہ تھے جو ملوک طوائف کہلاتے یہ ہمیشہ باہم لڑتے جھگڑتے رہتے اور اس سارے ملک میں جو پہلے دولت عجم کے قبضہ میں تھا ان خود سر فرمان رواؤں کی بدولت جب یکے پر قتل و خون کا بازار گرم رہتا۔ انہیں ملوک طوائف میں عرب کے عمال قدیم میں ایک زبردست بادشاہ تھا عمرو بن ظرب بن حسان اذینہ عمیق۔ اس کی قلم و حدود شام سے لیکے دریائے فرات کے کنارے تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور شہر تدمر اس کا بارونہ شہر تھا اور دار السلطنت اس کی اکلوتی حسین و نازنین بیٹی نانکھٹی جو تارینچ میں زبیر کے لقب سے شہرت کرتی ہو انہیں دنوں ارض حیرہ یعنی عراق و عرب کے سرحدی صوبہ کی حکومت ایک دوسرے بادشاہ کے ہاتھ میں تھی۔ جو قدیمہ ایشیا کے لقب سے شہرت رکھتا تھا۔ جازیمہ کا شمار

شمار بھی ملوک طوائف میں تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی دوسرے معاصر فرماں برداروں سے زیادہ بہادر اور بڑا نبرد آزما تھا۔ اور اکثر حریفوں اور دشمنوں کے مقابلہ میں فتحیاب ہوتا رہتا تھا چنانچہ جب اس عمر و بن ظرب کی عظمت کا حال معلوم ہوا تو اس کے ملک پر چڑھائی کر دی۔ عمر و بھی ایک لشکر چارے کے مقابلہ کو آیا مگر میدان جنگ میں قسمت نے جذیمہ ابرش کی یاری کی اور عمر و بن ظرب کو شکست ہی نہیں ہوئی بلکہ حریف کے ہاتھ سے عرصہ نہرو میں مارا گیا۔ لاڈلی اور شیریں بٹی زبا کو باپ کے مارے جانے کا بڑا صدمہ ہوا۔ اور چونکہ کوئی دوسرا وارث سر پر سلطنت نہ تھا۔ لہذا نہ ہی تخت نشین ہوئی بیٹھنے کو گلوہ تخت پر بیٹھ کئی مکرول میں عہد کر لیا کہ جب تک باپ کا بدلہ نہ لے لوں گی چین نہ لوں گی۔

جذیمہ ابرش نے اس واقعہ سے بہت پہلے ایک لختی نثر اد حسین و خوب روٹ کے کے حسن و جمال اور اس کی تیز داری و سلیقہ شعاری کی تعریف سنی تھی جو قبیلہ بنی یامین تھا اور عدی بن نصر بن ربیعہ اس کا نام تھا۔ محض اس لڑکے کے چال کرنے کیلئے جذیمہ نے بنی ایاد پرورش کی تھی۔ اور برکت چال کرنے کے لئے اپنے دونوں کو ”جو ضیر تان“ کہلاتے تھے ساتھ لیتا گیا تھا۔ بنی ایاد میں مقابلہ کی تو طاقت نہ تھی مگر انہوں نے ایک رات کسی عتیار شخص کو بھیج کے جذیمہ کے کیمپ سے دوہ دونوں بیت جبرڈائے۔ اور صبح کو کہلا بھیجا کہ ”تمہارے دونوں بت تمہارے پاس چلا آؤ۔“ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے دیوتاؤں نے ناراض ہو کے تمہیں چھوڑ دیا اور تمہاری پاس رہنا پسند کرتے ہیں۔ اگر بے لڑے پڑے واپس چلا جائیگا و عدہ کرو تو ان دونوں کو ہم تمہارے پاس پہنچا دیں۔“

جذیمہ کو اس لڑکے عدی کا اس قدر شوق تھا کہ جواب دیا ”اُن دیوتاؤں کے ساتھ اگر تم عدی بن نصر لختی کے بھیجے گا بھی وعدہ کرو تو بیشک میں واپس چلا جاؤں گا۔“ بنی ایاد نے یہ شرط منظور کی عدی کیساتھ اُن دونوں کو جذیمہ کے پاس بھیج دیا۔ جذیمہ نے اپنی ساتی گری کی خدمت عدی کے سپرد کی اور اس کے ہاتھ سے شراب

گلفام کے جام پیتا ہوا اپنے دارالسلطنت میں واپس آیا۔
 جذبہ کی ایک کنواری جوان اور حسین بہن تھی رقاش اسکو جو عدی کی صورت
 دیکھی تو ایک جان چوڑ سو جان سے اس پر عاشق ہو گئی اور اندر ہی اندر کہلا بھیجا "تم
 میرے لئے جذبہ کو اپنی طرف سے پیام کیوں نہیں دیتو؟ عدی کہلا بھیجا پہلا چہرہ ایسی
 جرات سے کہتی ہو؟" رقاش نے کہا "آج رات کو تم جذبہ کو تو خالص شراب کش
 لباس کے جام پلاؤ اور دوسرے نمایان صحبت کو پانی ملا ملا کے پلاؤ تاکہ اپنے
 ہوش میں رہیں جب دیکھنا کہ جذبہ کو خوب نشہ ہو گیا ہے۔ اور شراب کی پیاس
 روروں پر ہے اسوقت میرے لئے پیام دینا۔" عدی نے ایسا ہی کیا۔ جذبہ نشہ
 میں اس قدر مدہوش ہو رہا تھا کہ ساتھی ہوش رہا کی درخواست سننے ہی منظور کر لی
 اور اسی وقت سب کے سامنے عقد نکاح کی تکمیل کر کے رقاش کا ہاتھ عدی کو
 ہاتھ میں دے دیا۔

صبح کو جب اسے ہوش آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ عدی غیر معمولی طور پر بنا چنا ہوا ہے
 اور بیڑے سے خوشبو کی لٹپٹیں آرہی ہیں۔ پوچھا "یہ کیوں؟" عدی نے ڈرتے
 ڈرتے عرض کیا۔ میری شادی ہوئی ہے؟ متحیر ہو کے کہا "تمہاری شادی کس سے؟" کہا
 "حضور کی ہمیشہ رقاش سے" منعض ہو کے پوچھا "کس نے شادی کی؟ عرض کیا
 خود حضور نے" جذبہ نے منتخب ہو کے پوچھا "میں نے عرض کیا" جی ہاں خاص
 حضور نے چاہیں حضور اہل دربار اور نمایان صحبت سے دریافت فرمائیں" جذبہ نے
 شب کے حریفان صحبت شراب پوچھا تو سب شہادت دی۔ آخر قائل ہو کے جذبہ نے
 مذمت سے سر جھکا لیا۔ مگر اسے برہم دیکھ کے عدی اسی وقت بہاگ کھڑا ہوا۔ اور
 قبیلہ بنی ایاد میں جا کے چند ہی روز رہا تھا کہ ایک دن شکار میں کسی کے تیر کا نشانہ
 بنگیا مگر رقاش اس کے آئینے کو حاملہ تھی صاحب تلج و سریر بہائی نے اسے اس
 حال میں دیکھ کے کہا۔ تو نے کس سے زنا کیا ہے؟ وہ بونی زنا نہیں بلکہ خود اپنے
 ایک معزز شریف جوان عربی کے ساتھ میرا عقد کیا تھا۔ چند روز بعد رقاش کے بطن

سہ ایک لڑکا پیدا ہوا تو اس نے اس کا نام عمرو بن عدی بن نصر رکھا۔ ماں عمر کو ابتدا
 تو چھپائے رہی۔ مگر جب ذرا بڑا ہوا تو اسے اچھے کپڑے پہنا کے خوشبو لگا کے اور بنا
 چتا کے بہائی گئی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس کی صورت اور باتیں جذبیہ کو ایسی
 بہلی گئیں کہ اُسے اپنے لڑکوں کے ساتھ رکھ لیا۔ اور انہیں کے ہمراہ اس کو تعلیم دینے
 لگا عمرو بن عدی ماموں کا ایسا ادب کرتا تھا اور بات بات میں اس کی نفع رسائی کا ایسا
 خیال رکھتا تھا کہ جذبیہ کو اس سے بڑی محبت ہو گئی اور اُسے اپنے بیٹوں پر ترجیح دینی
 لگا چنانچہ جن دنوں جذبیہ نے عمرو بن ظرب کو شکست دیکھ کر قتل کیا تو اس کا سب سے بڑا ممتاز
 علیہ سہی عمرو بن عدی تھا جو اس کا بہا بچا اور نہایت حسین خوبرو اور ایک جلان رعنا تھا
 زمانے تخت پر بیٹھنے کے بعد چند ہی روز میں اپنی سلطنت کا انتظام کر لیا۔ ہر جگہ
 اسن دامن قائم کیا۔ قلعہ کو زیادہ محکم و استوار کیا فوج خوب راستہ کی اور تیاریاں
 کر رہی تھیں کہ فوج کشی کر کے جذبیہ پرورش سے اپنے باپ کے خون کا بدلہ لے کہ اسی ان
 تیاروں میں مصروف دیکھ کے اس کا ایک بہن جو اس کے باپ کی رعبہ تھی اپنی آپ
 یہ کیا کر رہی ہیں؟ کیا جذبیہ سے لڑیے گا؟ کون جانتا ہے کہ لڑائی کا کیا انجام ہو گا کیا یہ
 ممکن نہیں ہے کہ آپ ہی کو شکست ہو جائے؟ زبا نے کہا ”تو کیا تم چاہتی ہو کہ میرے
 باپ کا خون بے انتقام لے لے دو نہیں پڑا رہ جائے؟ یہ ہو گا؟ وہ عورت بونی تو میں کہتی
 ہوں کہ آپ انتقام نہ لیں؟ ضرور لیں مگر اسی طرح کہ اپنے لئے کوئی اندیشہ نہ ہو۔ کہا وہ صورت
 یہ کہ بچائے چڑھائی کر کے جانیکے خود اسے اپنی کمند میں پھانس کے یہاں پہنچ بلائیے اور
 نیزے اور تلوار اور خنجر دتیر کے عرض اُسے اپنے حسن عالم آشوب کے اسلحہ سے مارئیے“
 یہ باتیں اس کیادعوت زبا کو اس طرح سمجھائیں کہ اُس کے دل میں بھیگیں
 اور آواز ہو گئی کہ اسی طریقہ سے جذبیہ کو لڑائی۔ چنانچہ دوسرے ہی دن جذبیہ کو ایک
 خط لکھ بھیجا کہ ”بیا بیا کہ دیکھتا جا رہی نہیں اس خط میں بیجا شکیات ظاہر کر کے
 کہا تھا کہ عورت کی سلطنت کو جہاں تک پہنچتی ہوں مضبوط نہیں ہوتی۔ وہ اکیلی
 بغیر مدد کے کچھ نہیں کر سکتی۔ علاوہ بریں میں دنیا پر نظر ڈالی تو حکمرانی تو شہنشاہی دنیا

وطباعی بشوکت و جنت اور تمام باتوں میں میرا مثل و مقابل آپکے سوا کوئی نہیں
ہو۔ لہذا آئیے کہ ہم آپ ایک ہو جائیں میں آپکے ملک کی ملکہ بنوں اور آپ میرے
ملک کے بادشاہ۔“

یہ خط دیکھتے ہی جزمیہ کے دلیں عشق کی آگ بھڑک اٹھی۔ دل میں کہا ”بہلا ایسی
پر بجمال و صاحبِ قبال دہن دینا میں کسے نصیب ہو سکتی ہو؟ پھر اس خط کو اہل
دربار اور مشیروں کے سامنے پیش کر کے مشورہ طلب کیا۔ سب لوگ بادشاہ کی رائے
کے موافق تھے۔ مگر قصیر نام ایک شخص نے جو دولت کے جان نثاروں اور اس کے
عہد کے بڑے زبردست عقلا میں تھا سب سے اختلاف کر کے کہا ”اس خط سے جو ملک
آتی ہے آپ زباہ کے باپ کا قاتل ہیں۔ اس کے فریب میں ہرگز نہ آئیے۔ بلکہ لکھ بیجیے۔ کہ
سچی ہو تو یہاں میرے پاس چلی آؤ۔ بادشاہ کو قصیر کی رائے پسند نہ آئی مزیادہ بینان
کے لیے عمرو بن عدی کو بلا کے اس سے رائے لی۔ اور جب اس نے بھی قصیر کے خلاف دیگر
مشیر و فکی رائے سے اتفاق کر لیا تو جزمیہ نے بلا تامل سفر کی تیاریاں کر دیں۔

جاتے وقت اس نے عمرو بن عدی کو اپنا قائم مقام بنانے کے دارالسلطنت میں چھوڑا
اور اس کی آمد کے لیے عمرو بن عبدالحج بن نام ایک بہادر شخص کو بھی سپہ سالار فوج بنا کر
وہاں رکھا اور خود قصیر اور چند اور لوگوں کو اپنے ہمراہ رکھ کر چل پھڑا ہوا۔
فرضہ نام ایک مقام تک پہنچا کہ زباہ کے بیچے بنوئے لوگ اس کے استقبال کو
آپہنچے۔ ان لوگوں کی حالت دیکھ کر قصیر کی بدگمانی اور بڑھئی۔ مگر کیا کرتا۔ بادشاہ
پر زباہ کا جادو پورا چل چکا تھا۔ اس نے کسی بات کا خیال بھی نہ کیا اور زباہ کے قلعہ میں
داخل ہو گیا۔ قصیر نہایت ہی ہوشیار و سیاستمانحس تھا وہ آخر تک جزمیہ کے ساتھ رہا مگر الگ ہی الگ ہر
حالت کو دیکھتا تھا اور دل ہی دل میں جزمیہ کی بے وفائی پر فسوس کرتا تھا آخر اس نے دیکھا کہ جب
بادشاہ قلعہ کے اندر داخل ہوا تو اس کی حالت بالکل اسیروں کی سی تھی زباہ کے سفاروں میں گھسوا
ٹھا اور کوئی بھی اس پاس نہ آجوا اس کی کچھ رو کر سکے۔ زباہ قلعہ کے اندر اس سے ملے صورت دیکھتے ہی جزمیہ
زباہ کی چشم و ابرو سے بھیجہ گیا کہ مجھے فریب دیا گیا۔ اور میں اس کے دام میں گھس گیا مگر اب کیا

زور چل سکتا؟ اتنے میں زبا نے تختہ کے لیے میں پوچھا ”وہاں کے آداب و اطوار
 دیکھئے گا، پہر آپ ہی بولی“ سنتی ہوں بادشاہوں کا خون ان لوگوں کے لیے
 حکمی دوا ہے جنہیں کتے نے کاٹ کہا یا ہولاؤ بھائی نطع (وہ چمڑہ جس پر بٹھا کے
 لوگوں کو قتل کرتے ہیں) لاؤ، فوراً نطع بچھا دیا گیا۔ زبا بولی ”اور ہاں سونے
 کا طشت بھی تولاء کے رکھ دو“ طشت بھی رکھا گیا۔ پہر اپنے ہاتھ سے جام بہر کے
 جذبہ کو خوب شراب پلائی یہاں تک کہ وہ نشہ میں مدھوس ہو گیا۔ ان دنوں معمول تھا
 کہ لڑائی کے سوا جس میں کوئی امر اختیار نہیں ہوتا اور کسی حالت میں کسی بادشاہ
 کی جان لینا ہوتی تو اس کی حرمت کے خیال سے گرہن نہارتے بلکہ کسی اور طریقہ سے
 جان لیتے اس پر طرہ یہ کہ کسی کاہن نے زبا سے کہہ دیا تھا کہ ”جذبہ کے خون کا ایک
 قطرہ بھی طشت کے باہر گر گیا تو وہ اس کا انتقام ضرور لیگا۔“

بہر تقایر زبا نے نہایت ہی سنگدلی و بے دردی سے جذبہ کے دونوں ہاتھوں کی
 قصیدیں کہلوادیں۔ جذبہ استقلال و ثبات سے سیدھا بیٹھا رہا اور خون برابر بہہ
 کے طشت میں گرتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ضعف اور کمزوری سے اس کے ہاتھ نیچے ٹنگ
 گئے جس باعث کچھ خون طشت کے باہر گرا تو زبا فوراً گہرا کے بولی ”وہیکو یہ بادشاہ
 کا خون ہے ضائع نہ ہونے پائے“ اب اس وقت نیم جان جذبہ کی زبان سے یہ
 کلمہ یاس نکلا کہ ”اس خون کی فکر نہ کرو جسے خود اس کے لوگوں نے ضائع کر دیا
 ہو“ اس کے بعد جذبہ نے اسی نطع پر گر کے دم توڑ دیا۔ اور زبا کو اطمینان ہوا
 کہ میں نے اپنے باپ کا بدلہ لے لیا۔

قصہ اس حال سے واقف ہو کے بہاگتا ہوا حیرہ میں آیا اور عمرو بن عدی کو اس
 واقعہ کی خبر کی یہاں عمرو بن عدی اور عمرو بن عبدالحج بن عداوت ہو گئی تھی قصیر
 نے بیچ میں پرٹکے دونوں کو صاف کیا۔ ملوایا۔ اور کہا ”اب سب ملے اپنے بادشاہ
 کے خون کا انتقام لینے کی کوشش کرو عمرو بن عدی نے کہا ”زبا پر کسی کا کیا زور
 چل سکتا ہو؟ اس کے سر پر فلک قلعہ کی یہ حالت ہو کہ اس پر پرندہ تک چڑھ نہیں مار سکتا ہو“

بہا میں کیا کر لوں گا؟ قصیر نے کہا ”اس کی تدبیر یہ ہے کہ آپ میری ناک کاٹ لیجیے گا۔ میری پیٹھ پر کوڑے لگو لیجیے اور اپنے یہاں سے نکال دیجئے“ عمرو بن عدی نے کہا یہ تو مجھ سے نہ ہوگا“ قصیر بولا آپ کو اس میں کیا دخل! میں جو کہتا ہوں وہ کیجئے تو سہی“ عمرو نے کہا ”ان باتوں کا شوق ہو تو خود اپنے ہاتھ سے اپنی ناک کاٹ لو اور جو جی میں آئے کرو۔“

قصیر کے دل میں اپنے بادشاہ مظلوم کے بیکسی سے مارے جانیکا استقدر صدمہ تھا کہ خود ہی اپنی ناک کاٹی پیٹھ زخمی کی اور بہا گیا ہوا ملک زبا کے شہر میں پہونچا چونکہ یہ دربار حیرہ کا نامی شخص اور زبانہ کے مشہور عقلمیں تھا لہذا اس کی خبر زبا کو پہونچی اس نے اسے اپنے پاس بلایا اور کیفیت پوچھی۔ اس نے کہا ”جب بادشاہ حیرہ یہاں آئے ہیں میں ان کے ہمراہ رکاب تھا۔ واپس گیا تو عمرو بن عدی نے مجھ کو یہ تمہمت لگائی کہ میں ہی نے انہیں قریب دیکھے آپ کے پاس پہونچا دیا۔ اور اس کی سزا میں میری یہ گت بنائی گئی ہے“ زبا نے اس کی بڑی قدر و منزلت کی۔ اور کہا تم و اس کا عہد نہ کرو تمہاری قدر دانی کے لئے میں موجود ہوں“ یہ کہہ کے اس نے اسے اپنا ندیم خاص بنا لیا۔ اب قصیر ملک زبا کے ہمراہ رہتا تھا۔ اور تمام حالات و رموز سے واقف ہوتا جاتا تھا۔

ایک دن زبا نے کاسہنوں سے اپنے انجام اور اپنی آئینہ حالت کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا ”بھئی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عمرو بن عدی کی وجہ سے آپ کی جان جاہنگی لیکن اس کے ساتھ ہی بھی نظر آتا ہے کہ آپ اپنی جان خود اپنے ہاتھ سے لیں گی۔“ بخمی کے اس جواب کے سننے کے بعد اس کے دل میں عمرو بن عدی کی جانب سے ایک ہول سی ہمال گئی تھی۔ چنانچہ اسی اندیشہ سے اس نے شہر سے قلعہ کے اندر تک ایک سڑگ کہہوائی۔ اور اس سڑگ دروازہ بالکل پوشیدہ رکھا۔ کہ اگر کوئی ناگہانی اقتاد پڑ جائے اور وہ شہر میں ہو تو فوراً اس سڑگ کی راہ سے اپنے قلعے میں چل جائے۔ اس کے علاوہ مصوروں کو بلا کے حکم دیا کہ تم لوگ جا کے عمرو بن عدی کی مختلف وضعوں کی تصویریں لیٹے۔ بیٹھے۔ کھڑے۔ سب حالتوں میں کھینچ لاؤ۔ اس وقت کی بھی جب وہ معمولی

کپڑے پہنچو۔ اور اسوقت کی بھی جب وہ ہتھیار لگائے ہوئے اچھکی بنا کھڑا ہو لیکن تھہری
ان کاروائیوں کی اسے مطلق خبر نہ ہوئے پائے۔ اس کو دسہم دنگان بھی نہ ہو کہ اس
کی تصویریں میرے پاس ہیں۔ ان تصویروں سے اس کی صرف اتنی غرض تھی کہ عمر و بن
عدی کو خوب اچھی طرح پہچان لے۔

قصیر ان سب موز سے واقف ہو چکا تو ایک دن ملکہ زیبار سے کہا ”میرے مکان میں
میرا بہت سا مال و اسباب پڑا ہوا ہے۔ اگر اجازت ہو تو جا کے لے آؤں۔ اور اس کے
علامہ اور بھی بہت سا مال تجارت لاؤں گا جسے آپ نہایت پسند فرمائیں گی۔“ زیبار نے اسے
اجازت دی اور وہ اسے رخصت ہو کے سیاہ ہاجیرہ میں آیا۔ عمر و بن عدی بھی ملا اور
اس کی مدد سے ایک بڑا بھاری تاجرانہ قافلہ مرتب کر کے واپس گیا جس کے اندر نہایت قیمتی
نایاب اور پر تکلف چیزیں تھیں یہ قافلہ جب ببا کے شہر میں داخل ہوا تو ملکہ نے خود
استقبال کیا۔ قصیر سے بڑے تپاک سے ملی۔ اور اس کا مال تجارت دیکھ کر بے انتہا خوش
ہوئی چند روز بعد قصیر نے دوبارہ مال تجارت لائیکا شوق ظاہر کیا اور اب کی مرتبہ ملکہ نے
پہلے سے زیادہ روپیہ دیکے رخصت کیا۔ وہ پہر آ کے چہرہ سے پیشتر سے زیادہ بھاری
اور قیمتی سامان تجارت لے گیا جو خاص بادشاہوں کے قابل تھا۔ اب کے بھی اس کے
قافلہ کو زیبار نے ذوق و شوق سے لیا۔ سب مال خرید لیا۔ اور قصیر کی زیربار حسانتی ہوئی
اب تیسری بار قصیر نے اجازت سفر مانگی۔ اور ملکہ کے دربار سے اسے بڑی سیر
چٹنی کے ساتھ اجازت اور مدد دی گئی۔ لیکن اب کی مرتبہ وہ جو قافلہ لیکے پہونچا
وہ نہایت ہی پر تکلف اور شاندار تھا۔ ہزاروں اونٹ تھے جس پر بڑے بڑے
گجاوے رکھے ہوئے تھے اس قافلہ کی شان کو زیبار نے اپنے شہر کے محل سے دیکھا
اور قصیر سے کہا ”اب کے تم نہایت ہی شاندار اونٹ اور بڑی دھوم دھام کا قافلہ لاؤ
ہو۔“ اس نے عرض کیا ”اب کے مال بھی لا جاؤں گا جو خاص حضور کے لیے لایا ہو
قافلہ ترک و حشام کے شہر کے اندر داخل ہو کے خاص اس مقام پر پہونچا جہاں
قلعہ کی سرنگ کا دروازہ تھا۔ وہاں پہونچتے ہی تمام شتر سوار اونٹوں سے کود

کو دود کے ہزاروں بہادر و آزادانہ صندوفوں سے جو اونٹوں پر لدے ہوئے تھو نکل
 نکل کے شہر پر حملہ آور ہوئے اور ایک آٹا فانا میں شہر کی سڑکوں پر تلوار چلنے لگی۔ لوگ
 بدحواس بہانے اور ملکہ گہر کے چلی کہ سڑگ میں گہس کے قلعہ سے اندر ہو رہے۔ مگر سڑگ
 کے دروازہ پر پہنچی تو ایک خوش رو اور بہادر نوجوان کو دیکھا جس کی صورت دیکھتے
 ہی ہاتھوں سے طوطے اڑ گئے بدحواسی کے عالم میں اس کی زبان سے نکلا "عمر دین عدی
 اور ساتھ ہی انگوٹھی سے ہیرے کا ٹکینہ دانتوں سے چھڑکے اور چکل کے کہا گئی۔ اور بڑے
 استقلال سے بولی "بیدید لا بیدید... عمر د" (عمر د کے ہاتھ سے نہیں بلکہ غول پر ہاتھ سے)
 ہیرا کہاتے ہی ادھر سے موت کے جھونکے لینا شروع کئے اور دہر عمر دین عدی نے
 بڑھ کے اسے اپنی تلوار سے مار ڈالا۔

یہ ایک عربیہ ملکہ تھی جس نے کیا دی ہے اپنے دشمن کی جان لی باپز مرحوم باپ کا
 بدلہ لیا۔ اور جس میدان میں اس نے اپنے دشمن کو مارا کیا تھا۔ اسی میں خود بھی رتی
 گئی مگر اول سے آخر تک اس کے خوبصورت چہرہ میں بے عصمتی کا دھبہ نہیں نکلا اور
 آخر میں اس نے جان بھی دی تو نہایت ہی شریفانہ اور بہادرانہ وضع سے۔ زبان کو بے لعل کی
 سلطنت کا مالک عمر دین عدی ہوا جس کے قبضہ میں ایک بڑی بہاری قلمرو آ گئی۔ اور آخر
 میں وہ عرب کا بڑا نامور اور بہادر فرمان روا ثابت ہوا کہتے ہیں کہ وہ ایک سو بیس برس
 کی عمر کا ہو کے مرا جس میں ۹۵ برس ملوک طوائف کے عہد میں اور باقی ایام بانی
 دولت ساسانیہ یعنی ساسان اول اور شہزاد بکان اور اسکے بیٹے شاپور بن ارشیر کے عہد میں گزرے

ملکہ زونوبیہ

اگرچہ موجودہ زمانہ میں یورپ کو اپنی عورتوں کی لیاقت و دانائی پر بہت کچھ فخر ادا
 ناز کر نیکام و فتح حاصل ہو لیکن قدیم زمانہ میں خطہ ایشیا اور عمومًا ممالک مشرق کو تمام
 حیثیتوں سے یورپ پر ترجیح حاصل تھی اسی طرح ایشیا کی عورتیں بھی انسانی کمالات
 کے اعتبار سے کیا زمانہ تھیں۔ اور یورپ کی عورتوں پر یہ چھاننا یاد و فرقت

رکھتی تھیں ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ ہم بعض گزشتہ خاتونان ایشیا کے دلچسپ کائنات
اپنی ملکی خاتونوں کے گوش گزار کریں۔ تاکہ انہیں معلوم ہو کہ جولیاقت اور شائستگی ہم ان
میں پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ ان کے لیے نئی چیز نہیں بلکہ ان کا قدیمی ورثہ ہے جس کے
حاصل کرنیکی وہ یورپین لیڈیوں سے زیادہ مستحق ہیں۔

اس موقع پر ہم ملکہ زونوبیہ کے حیرت خیز حالات پیش کرتے ہیں جنکو دیکھ کے شاید
وہ حضرات چونک اٹھیں گے جنہوں نے عورتوں کو لازمی طور پر بے عقل خیال کر رکھا
ہے۔ ملکہ زونوبیہ ہجرت نبوی سے ساڑھے تین سو برس پہلے شام کے شہر تدمر کی ایک
نامور ملکہ گزری ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے گرجے میں عربیت کی شان
سمائی ہوئی تھی۔ اس کے اول تو عرب اور شام ایک ہی قوم سے آباد ہے اور تانیا
اس کا وطن شہر تدمر اس شہور ریکڑار کے درمیان میں واقع ہے جو گویا سرزمین شام
میں عرب کا ایک جڑ ہے۔ تدمر جناب سلیمان علیہ السلام کی جانب منسوب ہے مگر مؤرخین
کے بیان کے مطابق شاید بدیہ بنو تدمر سے اس شہر کو وہ دنیاوی وقعت اور شان
نہیں حاصل ہوئی ہوگی جو اس نامور اور لائق ملکہ کے عہد میں حاصل ہو گئی تدمر
کا دوسرا نام ”پامیر“ ہے جو یونانیوں اور رومیوں کی زبان پر زیادہ چڑھا ہوا ہے
اور اسی وجہ سے وہ زونوبیہ کو پامیر کی ملکہ کہتے ہیں۔

عرب کے ٹیڑھے ریکڑاروں میں جا بجا چند مزوعہ اور شاداب مقامات ہیں جو بالو کے
نابید انکار مستدروں میں خوش سواد جزیرہ نئی طرح نمایاں ہیں۔ انہیں مقامات سر
ایک مذکورہ شہر پامیر بھی ہے ”پام“ لاطینی میں کھجور کے درخت کو کہتے ہیں جس
سے ظاہر ہوتا ہے کہ رومیوں نے اس شہر کو یہ نام بھی اسی لئے دیا کہ کھجوروں کی جھنڈ
اس شہر کو اپنے چہرے میں لئے ہوئے ہیں یہاں کی ہوا صاف ہے اور زمین کو
چند شیریں اور پاکیزہ پھٹے سیراب کرتے ہیں۔ جن کی وجہ سے میوہ جات اور غلہ کی
بہی وہاں پیداوار ہوتی ہے ایک ایسا مقام جس کو قدرت نے اس رگستان میں
ایسے بے نظیر موقع دے رکھے تھو اور اس پر لفظ تدمر کہ تدمر فارسی اور سحرہ روم و

سمندر کے برابر فاصلہ پر اور درمیان میں واقع تھا کیونکہ غیر آباد پڑا رہ سکتا تھا ان
لہرے پسندے قافلوں کو جو ہندوستان کا قیمتی مال یورپ کی دور دراز قوموں میں
پہنچایا کرتے تھے قدیم ہی زمانہ میں اس کا پتہ لگ گیا جن کی آمد و رفت سے تدریجاً
وہی شہر پامیر از خود بے راہ ترقی کرنے لگا۔ اور آخر کار بڑھتے بڑھتے پامیر ایک
دولت مند اور آزاد شہر ہو گیا پامیر کو اپنی آزادی قائم رکھنے کیلئے یہ سب عمدہ موقع
ملاکہ پارتھیا کی اور روم کی دونوں عظیم الشان سلطنتوں کی سرحد پر تھا جن کا نتیجہ تھا
کہ دونوں مملکتوں کے متمدنی معاملات اور تعلقات تجارت کو فائدہ اٹھانا تھا۔ اور
اس کے ساتھ اپنی خود مختاری کے پھر سے بھی اڑائے جاتا تھا۔

مشہور جنگ ٹروچین کے بعد یہ شہر دولت روم کی قلمرو میں داخل ہو گیا مگر
سود برس تک اس باہمیست سلطنت کی ماتحتی میں ایک نوآبادی کی معزز حیثیت
سے سر جھکائے رہا۔ جو چند آثار اور کتابے فی الحال یہاں نظر آ رہے ہیں غالباً اسی
عہد کی یادگار ہیں۔ یہ یونانی طرز کے بنے ہوئے معبدوں۔ محلوں۔ دروازوں کے
باقیمانہ آثار جن کے کھنڈر کئی میل تک پھیلے ہوئے ہیں آج بھی اتنی قدر عزت
کے مستحق ہیں کہ ہمارے سیاح چاکے ان پر ایک عبرت کی نگاہ ڈالیں ادنیٰ طوس
اور زوسیم کی ترقیوں نے اس ملک اور خاصہ پامیر کو اور زیادہ رونق دیدی اور
ایسا بنا دیا کہ وہ خود شہر روما کا حریف مقابل بن گیا۔

زوسیم اگرچہ شام و عرب کی ملکہ تھی مگر اپنے آپ کو مقدونی الاصل شاہان مصر کی
نسل سے بتاتی تھی جن و جمال میں مصر کی قدیم نامور ملکہ کلومیٹر کی حریف مقابل اور
عفت و شجاعت میں اس سے بدرجہا زیادہ تھی۔ زوسیم کی خوبصورتی کا شہرہ
تھا۔ اس کی رنگت گندم گون تھی۔ آنکھیں بڑی بڑی اور سیاہ تھیں اور غیر معمولی
جھلیاں گراتی تھیں۔ دانت موتیوں کے سے خوشنما اور آبدار تھے اس کی
آواز اور لہجہ میں معشوقانہ نرمہ خیزی کے ساتھ مردانہ بلندی۔ ستانت اور بہادری
پائی جاتی تھی۔ ان دیگر کمالات کیساتھ اس کے سر کا تاج و کیسٹ میں ایسی دل فریبی

اور شیرینی تھی کہ وہ بہت جلد ہر شخص کو اپنے قابو میں لاسکتی تھی صرف یہی باتیں نہ
 تھیں بلکہ ہمیں مردانہ بہادری اور شجاعت کے جوہر بھی موجود تھے۔ اور اسی فہم و
 اور آگ کی عورت تھی کہ مشکل سے مشکل اور دشوار سو دشوار مسائل کو نہایت آسانی
 سے حل کر لیتی تھی۔ ان باتوں کو تعلیم و تربیت نے اور جلا دے دی تھی۔ یونانی شاہی
 اور مصری زبانوں میں اُسے ایسا کمال حاصل تھا کہ ان زبانوں میں اعلیٰ اور اعلیٰ اقسام
 کی عبارت لکھ سکتی تھی۔ اور بہت سائنس کی سے گفتگو کر لیتی تھی۔ اس کے علاوہ لاطینی
 زبان سے بھی وہ نا آشنا نہ تھی۔ لائق فائق حکیم لائونس کی زیر تعلیم و تربیت رہ کر
 اس نے یہ لیاقت پیدا کر لی تھی کہ افلاطون کے کلام کی خوبیوں کو باسانی سمجھ جاتی
 تھی اور یونان کے مشہور شاعر ہومر کی نازک خیالیوں پر بے تکلفی کے ساتھ داد و تحسین
 سکتی تھی علم و فضل نے انہیں یہاں تک کمالات پیدا کر دیے تھے کہ اُسے تاریخ میں
 پورا المکمل حاصل تھا اور خاص اپنا استعمال اور اپنا دستور العمل بنانے کیلئے اُس نے خود
 ہی مشرقی تارک خول کا ایک اقتباس کر لیا تھا جس کے واقعات کو ہمیشہ پیش نظر رکھتی تھی
 ان کمالات علمی کے حامل ہو جانے کے بعد اُس کی شادی ناطوس نامی ایک
 شخص سے ہوئی جو خود اپنی ذات کو اُس زمانہ کا ایک خود رو سپر و تھا یا مورخ شخص نامی
 کے پردے سے نکل کے ایک مشرقی بادشاہ بگیا تھا۔ اس شخص نے غلیا نوس قیصر روم
 کے عہد میں بڑے بڑے کام ہائے نمایاں دکھا کے بلاد مشرق کی بادشاہی حاصل کر لی
 تھی علی الخصوص جب اس نے شاہ پور شہنشاہ ایران کو شکست دیدی تو دولت روم نے
 اس کی اور زیادہ قدر و منزلت کی۔ اور اپنی مشرقی سرحد پر اطمینان حاصل کرنے کے
 لیے قیصر نے اُسے بالکل اپنا سا بادشاہ تصور کر کے غطس کا خطاب دیدیا۔ لیکن اُن کی ناطوس
 کو یہ شاہی حقوق و ربا قیصر سے صرف اُن کی ذات کیلئے دئے گئے تھے اور نہ لاء بعد انہیں
 فرمانروائے مشرق نہیں مانا گیا تھا۔ بلکہ اسی خوش نصیب بہادر اوی ناطوس کی
 بیوی بن کے زونو میگہ کو اپنی ذات میں ایک بہادر سپاہی کی سی شجاعت اور نر و آزمائی
 کے جوہر دکھانے کا موقع ملا۔ اب وہ ایک حکیم اور عالم کی خاموش زندگی چھوڑ کے ایک شہر

شریفان اور تیغ زن سپہ سالار۔۔۔ بنیادی ناطوس کا قاعدہ تھا کہ جب میدان جنگ سے
فرصت ملتی تو فوراً شکار میں مشغول ہو جاتا اور نہایت ہی شجاعت اور بہادری سے
وحشی درندوں پر حملہ کیا کرتا وہ جنگل میں جا کے شیروں سے لڑتا تھا اور بچوں سے
مقابلہ کرتا تھا ایسے شکار کے موقعوں پر زونوبیہ اس کے ساتھ رہتی اور چند ہی
روز میں اس نے دکھایا کہ ان خطرناک مشغلوں میں اس کا ذوق ادنیٰ ناطوس
کے ذوق سے ذرا بھی کم نہ تھا۔

جب زونوبیہ میں اس طریقہ سے نبرد آزمائی کا ذوق پیدا ہو گیا تو اس نے ورزش اور
جسم کے تہکانے کی عادت ڈالی۔ بند گاڑی اور چھل میں بیٹھنے کو نصرت سے جھوڑ دیا
اور فوجی لباس اور جنگی ڈریس سے آراستہ ہو کے گھوڑے پر سوار ہونے لگی اس نے مانہ
میں وہ فوجوں کی افسری کرتی تھی۔ اور بار بار ایک جنگی سردار کی حیثیت سے فوجوں کو کئی
میل تک کوچ کرا لے گئی۔ مورچین کا بیان ہے کہ ادی ناطوس کو جنگ کے میاںوں
میں جو کامیا بیاں حاصل ہوئیں زیادہ تر اسی زونوبیہ کی بے مثل شجاعت اور اس کی
دلانی و ہوشیاری کی وجہ سے ہوتیں۔ ان دونوں میاں بی بیوں نے دو دفعہ ایک عظیم الشان
بادشاہ کا شہر قسطنطنیہ فون تک تعاقب کر کے جو کامیابی اور فتوحات حاصل کیں ان سے
دونوں کو بڑی شہرت اور ناموری حاصل ہو گئی اور ان کی متحد اور زبردست سلطنت
کی ہر طرف دھاک بیٹھ گئی۔

زونوبیہ کے شوہر کا آخری کارنامہ یہ کہ قوم فوط لینی گاتھک لیٹروں پر جو سرزمین
ایشیا میں ان دنوں تاخت و تاراج کر رہے تھے اس نے اپنی بی بی کو ساتھ لے کے ایک
سخت جگہ کیا اور بڑی شکست دی۔ اور نہایت فتح مندی اور کامیابی کے ساتھ
واپس آئے شہر حمص میں فروکش ہوا۔ ادی ناطوس کسی لڑائی میں مغلوب نہ ہو
تھا۔ مگر یہاں حمص میں ایک خفیہ باہمی بخش نے اس کی زندگی کا چرخہ گل کر دیا
اس واقعہ کی بنیاد تھی کہ کسی شکار کے موقع پر اس کے پیچھے میونوس نے ارادہ
کیا تھا کہ شکار پر چھاپے۔ پہلے خود اپنا بڑھاپا مارے۔ اگرچہ یہ گستاخی ایک مرتبہ

صرف تنبیہ پر ہالی گئی، مگر جب میونس نے دوبارہ ایسی ہی حرکت کی تو بادشاہ اُدی
 ناطوس نے ناہم ہو کے اپنا گھوڑا شکار گاہ سے ہٹا لیا تھا اور پہنچے کی گستاخی کو نیز چٹھیت
 بادشاہ اور نیز چٹھیت ایک اعلیٰ شکاری ہوئی کی اپنی توہین خیال کیا تھا اور اس گستاخی کی سزا
 میں سرکش لو جو ان کو چند روز کے لیے قید کا حکم دیدیا گیا تھا۔ یہ زمانہ گزر گیا۔
 پہنچے کو اپنا قصور تو یاد نہیں رہا۔ مگر یہ سزا یاد رہی۔ اور یہ انتقام کا درپے ہوا
 چنانچہ اب جو اُدی ناطوس حص میں آ کے اقامت گزریں ہوا تو میونس نے
 ایک دعوت میں بلا کے اپنے چند دوستوں کی مدد سے اُدی ناطوس کو کاٹ کر ٹکڑے
 ٹکڑے کر ڈالا۔ اُدی ناطوس کا بیٹا ہیروڈ جو... زونوبیہ کے لہن سے نہ تھا اگرچہ ایک
 زمانہ مزاج اور نازک بدن لڑکا تھا مگر اس کی زندگی کا بھی خاتمہ کر دیا گیا اس قتل سے
 اتنا تضرع ہوا کہ میونس کو انتقام لینے میں کامیابی ہو گئی۔ اور اپنی مذکورہ بالا سزا
 پائی کا بدلہ مل گیا۔ مگر شاہی نہ نصیب ہوئی جس کی درحقیقت اُسے آرزو تھی اور
 جس کے شوق میں غریب ہیروڈ... بھی باپ کی لاش کے پاس ہی کاٹ کے ڈال دیا
 گیا تھا میونس نے غلطی سے اُسٹس کا لقب اختیار کر لیا اور وہ ہی گیا تھا کہ زونوبیہ
 اپنی شوہر کے ماتے جانے کا حال سن کے ایک تیز چنگال شاہین کی طرح اُپھوٹتی اور
 ایک ہی جملہ میں اُسے میونس کو اپنے شوہر کی یادگار پر قربانی چڑھا دیا۔
 یوں میونس کو قتل کر کے زونوبیہ نے اپنے دیانت دار اور وفا کش مشیروں کی
 رائے اور احانت سے سخت شاہی پر قدم رکھا۔ تاج شاہی سر پر کہہ کے ملکہ مشرق
 بنی اور مردانہ جرات و شجاعت اور نہایت ہی صاحبِ لڑائے کے ساتھ پامیرِ شام
 اور تمام قلم و پر حکمرانی کرنے لگی۔ اُدی ناطوس کے مرتے ہی وہ روم کا عطا کیا ہوا
 حق شاہی تمام ہو گیا مگر زونوبیہ نے اس کی کچھ پروا بھی نہ کی بلکہ اسی رومی سپہ سالار کو جو
 اس کے مقابلے کے لیے روانہ کیا گیا تھا سخت شکست دی۔ اور اس کی ناموری
 میں یہ وہبہ لگا کہ اسے ایک عورت کو سپاہ ہو گیا غالت اور نہایت کیسا تھوڑا دم کی طرف
 واپس روانہ ہو گیا اب زونوبیہ کی حکومت کو اور منتقل حال چاہی ہو گیا اور اس نے اسی

عقلمندی اور دانائی سے حکومت کی کہ رعایا میں اور خصوصاً اس عہد کی جنگ و قوموں
میں بچائے اس کے کہ زونوبیہ کے عورت ذات ہو نہ کسی وجہ سے کسی قسم کی باگمانی پیدا
ہو عام طور پر اور زیادہ وفاداری اور اطاعت کیشی کا جوش پیدا ہو گیا زونوبیہ اس زمانہ
میں اپنے آپ کو ایک بڑی مقصد ہی ثابت کیا اور ایسے عمدہ قوانین بنائے کہ اس کی
حکومت روز بروز باضابطہ اور مضبوط ہوتی گئی۔ زونوبیہ کی اخلاقی بہادری یا نفسانی
جہاد کا نہایت ہی جہر تک ثبوت مورخین کے اُن بیانات سے ملتا ہے جو اسے مزاح کے متعلق
کئے گئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ اگر معافی کی ضرورت ہوتی تو وہ اپنی جذبات نفسانی کو
دبا دیتی اور جبے حم کی ضرورت ہوتی تو محض اس خیال سے کہ کہیں زبان سے کوئی رحم کا
کلمہ نہ نکلیجائے وہ اپنی منہ پر خاموشی کی مہر لگالیتی تھی۔ زونوبیہ کو بعض لوگ الزام دیتے ہیں
کہ وہ بخیل بنتی اور نہایت ہوشیاری کی کفایت شعاری کرتی تھی۔ مگر یہ کیونکر تسلیم کیا
جائے اس لیے کہ خاص اور ضروری موقعوں پر وہ نہایت ہی عالی ہمت اور فیاض ثابت
ہوتی ہو عرب ارمن اور فارس کی سلطنتیں جو اس کی حدود پر واقع تھیں اس کی بہادری
سوا ایسی خائف نہیں کہ ہمیشہ اس سے صلح قائم رکھنے کی آرزو مند رہتی تھیں۔

یہ زمانہ اور یوں فیصلہ روم کا تھا جسے عربی مورخین اور باؤس کہتے ہیں۔ اور یوں
کوچ نہ جرمین کی جنگجو اور خوشی قوموں کی حملہ آوریوں کی طرف زیادہ مصروف رہنا پڑا
اور دوسرے طرف گاتھانے حشیوں نے اسے چھوڑنا شروع کیا۔ اس وجہ سے اس نے اپنے
مشرقی مقبذات کی طرف سے بالکل توجہ اٹھائی۔ اور مصر والوں میں یہ خیالات
پیدا ہوئے کہ فیصلہ روم کی اطاعت کا جو اگر دن سے اتار کے پہنیک دیں اور وہی
آزادی پھر حاصل کریں جو قدیم فرعون کے عہد میں اُن کو حاصل تھی زونوبیہ کو یہ بہت
اجنباق واقعہ ملا۔ اس نے مصر والوں کو زونوبیہ کا لالچ دلا کے اس امر کی کوشش
شروع کی کہ مصر بھی اس کی سلطنت میں شامل ہو جائے اور جب اس طرح کی رشوتوں سے
کوئی کام نہ نکلا تو اس نے جیٹ اپنی فوج لے کر مصر پر حملہ کر دیا اور چند ہی ہفتائیوں میں
اس نے مصر کی رودی فوجوں کو اس کے متواتر شکستیں دیں کہ اس قدر یہ سخت شاہی اس کے

قبضہ میں آگیا اور مصر بھی اس بلند حوصلہ ملک کی قلمرو میں داخل ہو گیا۔ مگر اس فتح کے چند روز بعد مصر میں کچھ بغاوتیں ہوئیں جنکی وجہ سے شام اور پامیر میں جاگز زوبیہ نے بہر فوجیں جمع کیں اور ایک زبردست لشکر لیکے مصر پر دوبارہ حملہ کیا اور نہایت کامیابی سے فراعنہ کی سرزمین پر حکومت کرنے لگی۔

زوبیہ کی یہ کارروائیاں دربار روم میں نہایت مشتبہ خیال کی گئیں اور نظر آنے لگا کہ وہ دراصل اپنی حوصلہ مندی اور بلند پروازی سے شہنشاہی روم کی بھی کچھ پروا نہیں کرتی ہو اور اس میں شک نہیں کہ زوبیہ کے ارادوں پر بہت کچھ شبہ کیا جاسکتا تھا یہ رائے بچانے تھی کہ وہ ایک آزاد اور دولت روم کے مقابلہ میں قبیانہ سلطنت قائم کرنا چاہتی ہو اسے اپنی دربار میں رومی فرمانرواؤں کی تمام شان و شوکت اور قیصرہ کی کل وضعیں اختیار کر لی تھیں اور پھر اس پر یہ ترقی کی تھی کہ ان مغربی علامات شناسی کے ساتھ اسنے اپنے وہاں الیشائی اور خاصہ اسیرائی دربار کی دھوم دھام بھی پیدا کر لی تھی۔ اپنی رعایا سے زوبیہ اسی عورت و ادب کی خواستگار ہوتی تھی جیسی عورت کے دربار ایران میں واران تاج کیخسروی کی کی جاتی تھی اپنے تین بیٹوں کو اسنے زبان لاطینی میں تعلیم دلوائی اور بارہافوج کے سامنے ان کو دربار روم کے اور خانی لباس میں نمودار کیا۔ مگر تاج شناسی اپنی خوبصورتی کے لیے مخصوص رکھا تھا۔ اور اس کے ساتھ سب سے زیادہ قابل لحاظ یہ امر تھا کہ زوبیہ نے اپنا لقب قیصرہ مشرق اختیار کر لیا تھا۔

الغرض ان تمام امور پر لحاظ کرنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ اوریلین قیصر اپنی فوج کے ساتھ شہر روم سے مشرق کی طرف روانہ ہوا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان دنوں دولت قیصرہ کا رعب و اب مغربی عالمک الیشیا پر اتنا زندہ تھا کہ زوبیہ اسے اپنی چند روز کی حکومت میں شک سکتی اور اپنے اس فطرتی عیب کو کیا کرتی کہ عورت ذات تھی جس کی اطاعت کرنا ہمیشہ مردوں کے خیال میں باعث ذلت سمجھا گیا ہو شہنشاہ اور ملین نے الیشیا کی سرزمین میں قدم ہی رکھا تھا کہ لوں زوبیہ کا ساتھ چھوڑ کر قیصرہ کے دامن میں چھپنے لگے۔ یہودیہ بنیہ جسے زوبیہ کے (بدار) کے اور اس کی اسی حاکمیت حکمرانی اور اندرونی

ریشہ دوانیوں نے بالکل زیر و زبر کر دیا تھا۔ قیصر کے پہونچنے ہی فوراً زونوبیہ کو چوڑے
 تخت روم کا مطیع ہو گیا اور یلین نے اپنے نبرد آزما اور جنگ جو سپاہیوں کے ساتھ
 بڑے کے انقرہ والوں کی درخواست اطاعت قبول کی اور غالباً یہ موجودہ انگورہ سے
 مراد ہے جس کے تاریخی میدان میں تیمور اور بایزید ملیرم کے ایسے نامور شاہنشاہوں
 میں عرصہ دار و گیر گرم ہوا تھا یہاں سے آگے بڑھے ایک بہادر باشندہ تیاغانی زونوبیہ کے
 حقوق کا لحاظ کر کے اور فوج جمع کر کے مقابل کیا لیکن قیصر کی فتح مندر فوج نے ایک خفیف
 مقابلہ ہی کے بعد تیاغانی پر قبضہ کر لیا جب اور آگے کوچ کر کے اور یلین قیصر انطاکیہ کے
 قریب پہونچا تو وہاں کے باشندے رومی سپاہیوں کے خوف سے شہر چوڑ چوڑ کے بھاگ
 گئے لیکن قیصر نے یہ بڑی حکمت عملی کی کہ ایک نہایت ہی رحیمی کا فرمان جاری کر دیا
 کہ جو لوگ مجبوراً یا ضرورت زمانہ سے زونوبیہ کے مطیع ہو گئے تھے۔ ان کا قصور معاف کیا گیا
 اور ان کو جان و مال کی امان دی جاتی ہے۔ قیصر کی اس رحمی کا چرچا ہوتے ہی سب لوگوں
 کو اطمینان ہو گیا۔ اس نرم اور دلچسپ پالیسی کا اثر انطاکیہ میں تو اتنا ہی ہوا کہ جو لوگ پہاگ گئے
 تھے پھر آئے آبا دیہو گئے مگر دیگر مقامات اور تمام بلاد شام میں اسکا نہایت اچھا اثر ہوا
 کل اہل شام قیصر کی طرف مائل ہو گئے اور سارے ملکہ یکبارگی زونوبیہ کا ساتھ چھوڑ دیا
 تاہم زونوبیہ کی جرأت و بہادری میں فرق نہیں آیا۔ وہ دیکھتی تھی کہ دنیا اُسکو چوڑے
 قیصر کے ساتھ ہوئی جاتی ہے مگر دل نہیں ہارتی تھی۔ ہم بھی اُسے کا ہلی وستی کا بلکہ نامزدی
 اور بزدلی کا الزام دیتے اگر قیصر کو اُس کے دار السلطنت تک پہونچنے میں تنہا ہی میل
 کا فاصلہ رہ جاتا۔ اور اُسکی طرف سے کوئی مزاحمت نہ ہوتی نہیں اس نے اپنی عمر
 تدبیروں سے ایسا نہیں ہونے دیا۔ اور گویا بڑے بڑے اور پُرانے دوست چوڑے
 دیتے تھے مگر اس نے دار السلطنت کے باہر ہی دو میدان میں اور یلین سے بڑی
 بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا۔ ایک لڑائی تو انطاکیہ کے قریب ہوئی اور دوسری شہر
 حمص کے جوار میں۔ ان دونوں میدانوں میں خود ملکہ زونوبیہ اپنی فوجوں کو لڑاتی تھی۔
 اور نبرد آزما سپاہیوں کے حوصلے بڑھاتی تھی۔ اسکی مشہور فوج زندہ نے جس نے حمص

کے فتوحات میں خاص ناموری حاصل کی تھی اس موقع پر بڑے بڑے کارہائے نمایاں کئے۔ اس فوج کو زونوبیہ خود ہی میدان جنگ میں لڑنے اور حملہ کرنے کے متعلق احکام دیتی تھی۔ مگر افسوس کہ زونوبیہ کی قسمت پر سرزوال تھی جب طرح دونوں میدانوں میں لڑائی کا ایک ہی رنگ ہا۔ اسی طرح نتیجہ بھی ایک ہی ہوا۔

زونوبیہ کی فوج میں زیادہ تر دو گروہ تھے ایک گروہ تو تیرہ ہزاروں کا تھا اور دوسرا ایک بڑا بہاری لشکر سواروں کا تھا۔ یہ دونوں فوجیں سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھیں۔ اس کے مقابل اور یلین کی فوج میں حبشی اور الیریا کے سوار تھے قیصر نے ان لوگوں کو اس کے مقابل اور یلین کی تمام فوج پر ترجیح دی تھی۔ یہ سوار معمولاً بلندی درپائے و جنوب پر خمیہ زن رہا کرتے تھے اور البانیہ (یعنی جرمن) کے میدان بند میں ان کی شجاعت و سپہ گری کا امتحان ہو چکا تھا۔ تاہم اسمیں کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ زونوبیہ کے سواروں کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکتے تھے اور اسی وجہ سے دونوں میدانوں میں انہوں نے سپہ گری اور بہادری سے کام نہیں لیا بلکہ فریب اور چالاکگی سے زونوبیہ کی ہڈی کوڑک دی۔ یہ لوگ خواہ حقیقتہً یا بناوٹ سے تھوڑی ہی دیر کے مقابلہ کے بعد شکست کھا کے بھاگے۔ اور پامیر کے بہادر جب ایک محبت آمیز نقاب سے واپس آئے تو اس کے لوٹ مار میں مشغول ہوئے۔ اور سب کے سب منتشر ہو گئے۔ تو انہوں نے دوبارہ نہایت تیزی کو ساتھ حملہ کر کے حریفوں کو بالکل سپا کر دیا۔ الغرض اس طرح کی دؤیر فریب لڑائیوں نے زونوبیہ اور پامیر کی قسمت پلٹ دی۔ کیا اب بھی یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ عورتیں مردوں سے زیادہ مکار اور مرنفن ہیں؟

حمص کی شکست کے بعد ملک شام اس قدر مخالف ہو چکا تھا کہ زونوبیہ سے مقابلہ کے لئے کوئی تیسری فوج نہیں فراہم ہو سکی۔ اب نامی اودی ناطوس کی جانباً زمین کے لئے خود شہر پامیر یعنی کدو بھی ایک پناہ کی جگہ تھا۔ حمص سے بھاگ کے وہ پامیر میں ہو رہی۔ اور وہاں پہونچے اس نے ہم وطنوں کو لڑائی پر اس قدر ابھارا کہ سب لڑنے اور جان دینے پر آمادہ ہو گئے۔ اور یلین کو اگرچہ ریگستانی منزلیں قطع کر کے تدرتک

پہنچا دشوار تھا۔ مگر یہ بھی یقین تھا کہ اگر زونبہ کو میں وہاں اطمینان سے چھوڑ کے چلا
 گیا تو میرے جاتے ہی وہ پھر تمام مشرقی ممالک پر قبضہ کر لیگی۔ آخر اُس سے سوا اس کے
 کہ خود ہی اپنی فوج کو پامیر کی طرف بڑھائے اور کوئی تدبیر نہ بن پڑی مگر چونکہ ایسے خطرناک
 راستوں میں زیادہ فوجوں کا لیجانا دشوار تھا۔ لہذا اُس نے اپنی فوج کے دو حصے کر دئے
 ایک حصہ کو سرداری پر وٹوس جو اس کی فوج کا سب سے زیادہ بہادر اور نامور افسر تھا
 کی طرف روانہ کیا تاکہ اُسے زونبہ کے قبضے سے نکال کے پھر دولت روم کی قلمرو میں
 شامل کرے۔ اور دوسرے حصے کو اپنے ہمراہ لیکے پامیر کی طرف روانہ ہوا۔ زونبہ کو جب
 اسکی خبر ہوئی تو اس نے بڑے اور محصور ہو کے مقابلہ کرنے کے لئے خوب اچھی طرح سامان
 شروع کر دیا۔ اُس نے مزاحمت کی پوری تیاریاں کیں جیسا کہ ایک بہادر اور جانباز
 بادشاہ کا شیعہ ہونا چاہیے اُس نے دل میں ٹھان لی بلکہ اپنی فوج پر ہی ظاہر کر دیا
 کہ ”جس گھڑی میری سلطنت کا خاتمہ ہوگا۔ اُسی گھڑی میری زندگی کا بھی خاتمہ ہوگا۔“
 حمص اور پامیر کے درمیان میں جو ناپید اکنار ریزہ واقع ہے اُس میں اور بلین قبضہ
 جیسے ہی قدم رکھا عربی بدوؤں کے گروہوں نے چاروں طرف سے اُسے ستانا اور حصار
 شروع کیا۔ اور بار بار لوٹ مار کرنے لگے۔ ان بدوؤں کے نفع میں اس سے اپنی کسب
 اور فوج کی بالکل نگہداشت نہ ہو سکی۔ اور ساعت بساعت وہ زیادہ پریشان ہونے لگا
 یہ رنگینائی جبری اور چالاک لٹیرے جو وحشی درندوں کی طرح چاروں طرف مارے
 مارے پھرتے تھے اور سمندر کی موجوں کی طرح دشت میں ادھر ادھر آکے پھیرے
 دیتے تھے۔ کسی طرح اُس کی فوج کے سست رو اور باضابطہ سپاہیوں کے ہاتھ نہ
 آتے تھے۔ جب چلپتے تھے لوٹ مار کے چلہ دیتے تھے۔ اور اُن پر کوئی قابو نہ چلتا
 تھا۔ ہمیشہ یہ بدوی اور بلین اور اس کے سپاہیوں کی غفلت کا موقع ڈھونڈتے۔
 اور جب تعاقب کیا جاتا تو فوراً بالو کے ٹیلوں میں غائب ہو جاتے۔ مگر اور بلین کچھ
 ایسا دھن کا پکا تھا کہ ان میں سے کوئی چیز اسکی مزاحمت نہ ہوئی۔ آخر تمام مشکلوں کو
 آسان کرتا اور مصیبتوں کو جہیلتا ہوا پامیر کی دیواروں کے نیچے جا پہنچا۔

پامیر کا محاصرہ ایک نہایت ہی دشوار اور اسہم معاملہ تھا۔ قبصر نے اگرچہ اول الغری کی گئی
 ہر امر میں پوری مستعدی دکھائی مگر زونبہ کی شجاعت اور ہوشیاری سے اسے ایک ست
 تک سرکے کر لگزاروں میں پڑا رہتا پڑا۔ شاہنشاہ نے خود اپنی فوجوں کو لیکے بار بار
 حملے کیے اور بڑی بہادری اور نہایت ہی جوش و خروش سے اپنے سپاہیوں کو
 شہر کی طرف بڑھایا۔ لیکن کامیابی نہیں حاصل ہوئی۔ زونبہ نے ایسا بندوبست نہیں
 کیا تھا کہ اس کے موجود ہوتے ہوئے روحی شہر کے کسی پہاڑ کے قریب بھی پہنچ
 سکتے ان لڑائیوں میں ایک بار زونبہ کے سپاہیوں کا ایک نیزہ شہنشاہ
 اوپین پر پڑ گیا اور قبصر کو چند روز تک اس زخم کی تکلیف برداشت کرنی پڑی۔
 ان تکلیفوں اور مصیبتوں نے اس قدر پریشان کیا تھا کہ خود قبصر اپنے ایک خط میں
 لکھتا ہوں جو لڑائی ایک عورت ذات کے مقابلے میں مجھے درپیش ہو اس کو اہل قوم
 ایک حقارت کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اُن کو اس کی خبر نہیں کہ زونبہ کی عورت
 اور اس کی قوت نس و جگر کی ہے پیشتر نیز اور جتنے قسم کے حربوں سے دور سے حملہ کیا جاسکتا ہو اسی
 طرح اور تمام جنگی سامان زونبہ کے کثرت و فراہم کر لیا ہے کہ اسکا اندازہ کرنا غیر ممکن ہے شہنشاہ پر
 ہر طرف کا بجا برج بنے ہوئے ہیں اور زونبہ کی منجیقوں کو لوں برابر لگ برسانی جاتی ہے چونکہ اس ملک
 کو اپنی جان کا اندیشہ ہو گیا ہے لہذا اس شخص سے اور زیادہ جرمی بہادری ہو گئی ہے اور ہر وقت جانبازی
 پر تیار رہتی ہے تاہم دم کے محافظوں کو بتا جہوش ہر موقع پر میری دیکھی مجھے امید ہے کہ اس کو بھی یاد رکھیں گے
 لیکن اور ملیں نے یہ جھوٹ کہا اسلئے کہ اسے دیوتاؤں کی اعانت میں شک
 پڑ گیا تھا۔ اور زونبہ کی مسلسل نبرد آزمائیوں نے اس قدر یاد دس کر دیا تھا کہ اسے
 بلا درخواست اپنی طرف سے اطاعت کے ایسے شرائط پیش کر دئے جو چند ان
 دشوار تھے۔ اور اگر زونبہ اپنی جان کی عزت پر ذرا بھی ترجیح دیتی ہوتی تو کوئی
 شک نہیں کہ اُن شرائط کو فوراً تسلیم کر لیتی۔ اس سے درخواست کی گئی تھی
 کہ جب قدر مال دولت چاہئے لیئے چلی جائے اور شہر کو خالی کر کے رومیوں کے سپرد کر دے
 اس کے ساتھ یہ بھی وعدہ کیا گیا تھا کہ اہل شہر کو حملہ حقوق دیدئے جائیں چاہئے

حاصل ہیں مگر زونبیبہ نے ان شرائط سے نفرت کے ساتھ انکار کیا۔ صرف انکار ہی نہیں کیا بلکہ جواب میں اگلی قیصر کی توہین کی۔ اور اپنی طرف سے لڑائی پر پوری مستعدی دکھائی۔

زونبیبہ کا یہ استقلال صرف اس خیال سے تھا کہ اُسے بہت جلد ملک میں قحط پڑ جائے گی ایسا ہوتی۔ اور سمجھتی تھی کہ اُس قحط کی وجہ سے رومی فوجوں کو خود ہی بے سرو سامانی کے ساتھ بھاننا پڑیگا علاوہ بریں اسے یہ بھی امید تھی کہ ممالک مشرق کے فرمانروا ضرور اس کی کمک پر آمادہ ہو جائیں گے خاصہ زیادہ تر اُس کا خیال فارس کی طرف جاتا تھا۔ اس لیے کہ ملکی وضع اور تعلقات حدود کے لحاظ سے اور تیز رویوں کے حملوں کے کمزور کرنے کے لیے ساسانی شاہنشاہوں کا فرض تھا کہ زونبیبہ کی مدد کریں لیکن ملکہ پامیر کی بادشاہی سے انہیں دلوں تاحیلہ ایران لینے شاپور کا انتقال ہو گیا تھا۔ اور اس کی لاش و خیمہ کے سپرد کنگینی تھی ورنہ رائے ایران اس ہی موت سے اس قدر پریشان ہو رہے تھے کہ اپنے ہی غم میں مبتلا رہے اور اُن کو غریب زونبیبہ کی حالت تکیر طرف توجہ کرنے کا بھی موقع نہیں ملا۔ دوسرے فرمانرواؤں نے زونبیبہ کی کمک کے لیے کچھ فوجیں روانہ بھی کیں تو ان میں سے بعض کو...

اور میں نے اپنی فوجوں کی قوت سے روکا اور بعض کو کچھ رشوت دیکے اور مال و دولت صرف کر کے واپس کر دیا۔ خلاصہ یہ کہ آخر تک زونبیبہ کو تین تہا ہی مقابلہ کرنا پڑا۔ قحط جس کی امید زونبیبہ پامیر کی حفاظت کر رہی تھی اس کے اثر سے شاہنشاہ روم نے اپنے آپ کو نہیں بچا بلکہ رسد لانے کا نہایت عمدہ سامان کو لیا۔ تمام اطراف شاہنشاہ نے نہایت باخدا لڑائی کے ساتھ روم کو تکرار کاہ پاس ہر سامان رسد پہنچا کر تباہ اور ایکسٹنشن کے لیے کچھ رومی فوجوں کو کواہا۔ کنگینی تکلیف نہایت بڑا شدت کا کرنی پڑی۔ پامیر ایکسٹنشن کے لیے تباہ شدت کاہا۔ کنگینی تکلیف نہایت بڑا شدت کا کرنی پڑی۔ پامیر ایکسٹنشن کے لیے تباہ شدت کاہا۔ کنگینی تکلیف نہایت بڑا شدت کا کرنی پڑی۔

اب زونبہ کو کامیابی کی طرف سے بالکل بالوہی ہو گئی۔ اور سوائے اس کے اور کوئی تدبیر نہیں بن پڑی کہ پامیر کو اس کی قسمت کے حوالے کر کے کسی طرف نکل جائے وہ اپنی سب سے زیادہ تیز رفتار سائنٹنی پر سوار ہو کے اس پر شیرازی کے ساتھ شہر سے نکلی کہ رومیوں کو خبر بھی نہ ہوئی۔ اور وہ تقریباً ساڑھ میل کی مسافت طے کر کے دوڑا خوات کے کنارے پر جا پہنچی۔ مگر اس کے جانبیکے تھوڑی ہی دیر کے بعد اور بلین کو خبر ہو گئی اور اس کے تعاقب میں لوگ دوڑائے گئے جنہوں نے بہت کچھ مسافت طے کر کے بد نصیب بلکہ کو گرفتار کر لیا۔ اور فوراً قیصر کے سامنے لاکے کھڑا کر دیا۔

دارالسلطنت پامیر اور اطیع ہو گیا۔ مگر ایل پامیر کے ساتھ نہایت رحمہلی کا بڑا د کیا گیا۔ سونا۔ چاندی۔ لکھنی کپڑے اور بیش قیمت جواہرات کا ایک بہت بڑا خزانہ شاہنشاہ کے ہاتھ لگا۔ اور اس مال دولت اور خزانے کے ساتھ بہت سی اسلحہ گھوڑے اور اونٹ بھی رومیوں کو ملے۔ اور بلین نے صرف چھ سو تیر انداز حفاظت کیلئے پامیر میں چھوڑ دیئے اور فوراً کوچ کر کے شہر جھس کی راہ لی جھس میں پہنچ کے قیصر روم نے پامیر کے قیدیوں کو اپنے سامنے بلوایا۔ اور انکی نسبت آخری فیصلہ کر نیگا کہ جو قوت بد نصیب شاہی ملکہ سامنے حاضری گئی تو قیصر نے نہایت ہی کڑوے تیوروں سے اور ڈپٹا کے پوچھا۔ تجھ کو شاہنشاہان روم کیسا مٹھتھیار اٹھائی کیونکہ حرأت ہوئی؟ اس کے جواب میں زونبہ نے نہایت ہی متانت اور دانائی کے ساتھ ایک ایسا جملہ کہا جس سے اس نے اپنی عزت کو بھی قائم رکھا۔ اور اپنی استقلال کا بھی ثبوت دیا۔ اور قیصر کی بھی بے انتہا تعریف کر دی۔ اس نے کہا ”اس لو کہ میں شاہنشاہان روم کو اور یولوس اور گالی نوس کے مثل سمجھے ہوئے تھی صرف آپ ہی کو اپنا فاتح اور شاہنشاہ تسلیم کرتی ہوں۔ لیکن اس کے خلاف جب تمام رومی

سلطہ اور یولوس اور گالی نوس اور بلین سے پہلے دیکھ کر رچکے تھے جو نہ جنراں لائق تھے اور نہ انہیں اولوالعزمی تھی زونبہ کا مطلب یہ تھا کہ میں قیصر روم کو آپ کا سالائق نہیں جانتی تھی بلکہ ان کو گزشتہ قیصروں کا سالست ہمت اور سالائق تصور کرتی تھی۔

سپاہیوں نے غل مچایا اور ہر شخص خواستگار ہوا کہ اوسی ناطوس کی بیوی کو قتل ہونا
 چاہیے۔ تب زونوبیہ سر سے پاؤں تک کانپ اٹھی اور اس کے پائے استقلال کو لغزش ہو گئی
 اس خوف کے عالم میں اس نے صاف صاف قبولہ کیا کہ میں فلاں فلاں لوگوں کی
 رائے سے مقابلہ کی جرأت کی اور لڑائی کے تمام معاملوں میں یہی لوگ میرے مشیر
 تھے۔ یہ امر زونوبیہ کے دلی ضعف پر محمول کیا گیا خصوصاً اس کے مشیروں میں اس نے
 اپنے لائق و فائق استاد اور نامی حکیم لاجپی نوس کا بھی نام بتا دیا تھا جس کو قیصر کے حکم
 سے اپنی نامہربان ملکہ کو حسرت کی نگاہوں سے دیکھ کے نہایت ہی تحمل کے ساتھ جاذبی
 قیصر نے انہیں لوگوں کے قتل پر کفایت کی اور زونوبیہ کو زندہ ہی گرفتار رکھا۔

اگرچہ عام مورخین نے اس واقعہ کو زونوبیہ کی پست ہمتی پر محمول کیا ہو مگر ہم صرف
 اس ایک واقعہ سے اس کے تمام زندگی کے کارناموں کو مٹا نہیں سکتے۔ زونوبیہ کا طرز
 اول سے آخر تک بتا رہا ہے کہ اس میں سازش، چال بازی اور انریٹیک کامادہ نہ تھا وہ
 ہمیشہ علم ادب کی دنیا میں ایک عالمہ اور لڑائی کے میدانوں میں ایک جری اور جانباز
 سپاہی تھی۔ یہ دونوں وصف اسے جوڑے بولنے سے روکتے تھے اور نہ کسی موقع پر
 اسے جوڑے بولنا ثابت ہوتا ہے اس کی کوئی وجہ نہ تھی کہ اس سے دھمکائے اس کے مشیروں کو
 نام بوجھے جاتے۔ اور وہ سچ سچ نہ بتا دیتی اسکی طبیعت کو ایسے موقع پر جوڑے بولنے
 کا سبق کبھی نہیں دیا گیا تھا۔ قطع نظر اس کے وہ اور ملین کو ایک نہایت ہی راجد
 بادشاہ سمجھے ہوئے تھی۔ اسکو کہ اس میں اول سے آخر تک اسکی ہر موقع پر نرم دلی کو ثبوت
 دئے گئے۔ ابتدا سے ان اہل شام کی خطا معاف کر دی تھی جو اس کی اطاعت جو
 کے ملکہ پامیر کے مطیع ہو گئے تھے۔ پھر جب پامیر کو فتح کیا تو وہ انکی رعایا کو بھی ان کے
 پیرے حقوق عطا کئے اور سب کو معاف کر دیا۔ اور اب اسوقت بھی گو فوج اصرار
 کر رہی تھی مگر ذوق قیصر کے الفاظ یہی بتا رہے تھے کہ وہ زونوبیہ کو قتل کرنا نہیں چاہتا
 ان تمام باتوں سے زونوبیہ باسانی قیاس کر سکتی تھی کہ قیصر اس کے مشیروں اور لاجپی
 نوس کی کئی جان بخشی کر گیا ہے اس کی کیا خبر تھی کہ اس کے مشیروں اور لاجپی نوس کی

فتمت ہی برسرِ خلاف تھی اور وہی حمل فرما کر دوا جو ہر موقع پر مجرموں کے جرموں سے
درگزر کرتا رہا جس کے حق میں ایک سخت ظالم ہو جائیگا۔ بہر حال ہمیں اس امر میں زلہ نہیں
کی کوئی ایسی خطا نہیں نظر آتی کہ ہم اسکی تمام خوبیوں کو ہٹا دیں۔

اور یلین ابھی حمص میں تھا کہ پامیر والوں نے پہر بنادیت کر دی اور ان جہہ سنو
تیرا نازوں کو جو سخت روم کی طرف سے مامور تھے پکڑ کے قتل کر ڈالا قیصر اس خبر کے سن کر
ہی نہایت ہی غیظ و غضب کے ساتھ پامیر پر حملہ آور ہوا۔ اور ایسی عام خونریزی کی
کہ بوڑھے بچے۔ مرد و عورت اور کاشتکار تک قتل کر ڈالے وہاں کی تمام عمارات بھی
کھا ڈالیں۔ اس طرح پامیر کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کے بعد قیصر نے آفتاب کا مندر
دوبارہ تعمیر کرایا۔ اور چند اہل پامیر کو وہاں بہر مکان بنانے اور آباد ہونی کی اجازت دی
مگر افسوس تباہ کن نہایت آسان ہو اور آباد کرنا نہایت دشوار ہو۔ وہ شہر جو تجارت جھنٹ
اور فتن کا مرکز اور خونریزی کی لیاقتوں اور بہادر یوں کی ایک یادگار تھا۔ رفتہ رفتہ چن چن
روز میں ایک گنہام شہر اور ایک فضول اور بیکار قلعہ رہ گیا۔ اور یہ جو دیکھا تو ایک
تباہی زدہ گاؤں تھا۔ موجودہ پامیر بابت صرف تیس چالیس خاندانوں کی آبادی سے
عبارت ہے جو قدیم عالی شان مندر کے صحن میں مٹی کے چو نہڑے بنا کے رہتے ہیں۔

ارض مشرق کے رحم و غضب کے مختلف اور متضاد نمونے دکھانے والے یلین قیصر اپنے
دار السلطنت شہر روم کو واپس گیا تو اُسکے آنے پر بڑی خوشی کی گئی اور نہایت ہی مہوم
دہام سے اُس کی کارگزاریوں پر جوش مسرت دکھایا گیا۔ ابتدائی آبادی روم کو اس
وقت تک نہ تو روپیوں میں کوئی جنرل اور سپہ سالار ایسی شان و شوکت کا مستحق
خیال کیا گیا تھا۔ اور نہ کبھی اس سے پہلے کوئی ایسا مہوم دہام کا جلسہ ہاں دیکھا گیا تھا
جو جلوس اور یلین کی شان دکھانے کے لئے دار السلطنت روم یعنی قدیم رومنہ الکبریٰ
میں نکالا گیا۔ وہ اس ترتیب سے تھا کہ سب کے آگے تین ہاتھی چار شاہی چیتو اور دو سو سو
زیادہ عجیب التحقت جانور تھے جو اطراف عالم سے لاکھ لاکھ جمع کئے گئے تھے۔ ان کے
کے پیچھے سولہ سو تین زن تہجو وہاں کے مہمئی مختصر میں ظالمانہ دلچسپیاں اور خوشیاں پیش

دکھاتے تھے۔ اس جلوس کے بعد ایشیا کی دولت بہت سے مفتوح ممالک کے سلطان اور شاہی
 ملکہ زونوبہ کے زرہ بکتر تھے جو روم کا اقبال اور اس کی سلطنت دکھانی غرض جو عام مجمع
 کے سامنے پیش کیے گئے تھے۔ اس کے بلحاظ ملین کی فتوحات کا ثبوت معزز خاتونوں
 کے ایک بڑے غول سے دیگیا تھا جو گاتہہ وندال سرکالی المانی (جزیری) فرنیٹ (فرنج)
 گال شام اور مصر کے معزز لوگوں کی بی بیوں یا لڑکیاں تھیں اور ان اقوام و ممالک
 کے مغلوب ہونے پر گرفتار کر کے یہاں لائی گئی تھیں اور اس جلوس میں امیر نادریوں
 کی وضع سے نکالی گئی تھیں۔ ان عورتوں میں ہر قوم و ملک کا غول الگ تھا اور
 ہر غول کیسا قہ ایک جہذا تھا جس پر اس غول کے وطن اور قوم کا حال لکھا تھا قوم
 گاتھ کی دس بہادر اور نیرداز یا خاتونیں آمین بنائے نکالی گئی تھیں۔ اس لیے کہ رومیوں پر
 میدان جنگ میں بڑی مرواچی سے لڑی تھیں۔ لیکن سب کی آئینہیں شامی ملک کی صورت
 کو ڈھونڈ رہی تھیں جس کی بہادری کو روم کے بچے بچے حیرت سے سنا تھا اور
 ہر شخص اس کی صورت دیکھنے کا مشتاق تھا۔ اس تمام جلوس کے آخر میں زونوبہ کی حریت
 ناک تصویر تھی یہ خوبصورت اور دلربا تصویر اس وضع میں تھی کہ پاؤں میں سونے کی
 بیڑیاں بڑی ہوئی تھیں اور گویں سونے کی زنجیر تھی جسے ایک غلام ہاتھ سے
 کھینچتا ہوا آگے آگے جاتا تھا اس کے جسم پر اس قدر کثرت سے زیور اور جواہرات لہے
 ہوئے تھے کہ ان کے بوجھ سے وہ گری پڑتی تھی اور تھکن کی وجہ سے بہت آہستہ آہستہ
 قدم اٹھا اٹھا کے چلتی تھی اسکا آراستہ اور باشان و شوکت رتھ جس میں بیٹھ کے وہ کبھی
 شہر روم میں فتح مندی کے ساتھ داخل ہونیکا دم داعیہ رکھتی تھی اس کے پیچھے تھا
 اور اس کے آگے آگے وہ پانیا دہ چلی جاتی تھی یہ سیان عام میل کے سامنے پیش
 کئے گئے اور عبثہ۔ عرب۔ فارس باختر۔ ہندوستان چین۔ اور ممالک دور دراز
 کے سفیروں نے روم کی اقبال مندی کا یہ تماشا ہیبت ناک اور حسد کی نگاہوں سے
 دکھا۔ الغرض یہ طفلانہ حرکتیں تھیں۔ جو ارمین قیصر کی واپسی پر روم کے الکبریٰ میں
 کی گئیں مگر لطف یہ کہ باوجود ان حرکتوں کے دیکھنے کے یورپ کی طرح دنیا بھر میں

عموماً مشرقی درباروں کو فضول خود نمائی اور مغرورانہ دھوم دھام کا الزام دیتا ہے۔
 قیصر نے روم میں پہونچنے کے زونبہ کی قسمت کا یہ فیصلہ کیا کہ اُسکی جان بخشی ہوئی اور
 ٹیبو یا ٹیوولی کے قریب اُسے ایک خوش قطعہ مکان رہنے کو دیا گیا۔ جہاں کی آب
 ہوا نہایت صاف اور لطیف تھی۔ اور جو روم سے ۲۰ میل کے فاصلہ پر تھا۔
 زونبہ جو اس سے پہلے شام کی ایک پُرسطوت ملکہ تھی یہاں رہتے رہتے چند
 روز میں روم کی ایک معزز خاتون بن گئی۔ وہاں کے معزز خاندانوں ہی میں اُس
 کی لڑکیوں کا عقد ہوا۔ اور اُسکی نسل کو ایسا قیام ہوا کہ پندرہویں صدی عیسوی
 تک اطالیہ میں اُس کے خاندان کا پتہ موجود تھا۔

اُم ابان

اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ عورتوں میں شجاعت نہیں ہوتی۔ اس میں شک نہیں
 کہ مرد قدرۃ عورت سے قوی اور زبردست ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو صاف ظاہر
 ہو جاتا ہے کہ اپنے گھر اور اپنی قوم کی حفاظت کرنا قدرت نے مرد ہی کے سپرد کیا ہے مگر
 اس سے یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ عورت میں شجاعت ہوتی ہی نہیں تاریخ شہادت بتی
 ہے کہ قدیم الایام میں کوہ قاف کی عورتیں پوری سپہ گرتھیں۔ اور جو طرح بہادر میدان جنگ
 میں بہادری کے جو سر دکھاتے ہیں وہ بھی دکھاتی تھیں اب ہم ایک عربیہ خاتون کو
 مختصر حالات پیش کرتے ہیں۔ جو عروج اسلام کے ابتدائی دور میں تھی۔ اور ایسی بہادر
 اور نبرد آزما تھی کہ روائی کے میدان میں کسی سے پیچھے نہیں رہی وہ اپنی خاتون ہو جگانام
 ہم نے زیر عنوان کیا ہے۔

جس وقت مسلمانوں نے شہر کربلا فتح کیا تو کربلا کے قریب ایک عورت تھی جس کا
 نام ابان اُس لشکر اسلام میں جو کربلا پہونچا تھا وہاں اس نے شجاعت کے چہرے دکھائے
 رہا تھا اور وہ ابھی بالکل نو عمر تھیں۔ اور اس زمانہ میں ہم انہیں اس سن میں ہی ملتی
 ہیں کہ شادی کو چند گنتی کے دن گزرے ہیں۔ عروسی سے دن جو خوشیوں کے پھولوں میں لگتی

گئی تھی۔ ابھی تک اپنی لمبائیں دے رہی ہے اور جس مہندی سے دلہن بننے کی بوقت انہوں نے اپنے ہاتھ رنگے تھے اس کا رنگ ابھی تک باقی ہے۔ اگرچہ حضرت رسالت کو وفات پائے دو ڈھائی برس گزرے ہیں مگر اس کا پتہ نہیں کہ اس کو عمر پاکہ بن خاتون کو کبھی بارگاہ نبوت میں حاضر ہونے اور صحابیت کا فخر حاصل کرنے کا یہی موقع ملا ہو یا نہیں۔ مگر ہاں ان کی انتہائی عمر کی نسبت اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ بہادر و شجاع باب اور جانباز قبیلہ والوں کی تربیت میں اسلحہ جنگ اور آلات گیر و دار کے استعمال کرنے میں اچھی مہارت حاصل کر لی تھی۔ فنون جنگ نے اس شجاعت میں جان ڈال دی۔ جوان کے خمیر میں تھی اور دین اسلام نے عفت و پرہیزگاری کو بڑھایا جو خدا پرستی کا لازمہ ہیں۔

شکر اسلام شام کے قدیم اور مشہور شہر دمشق کی طرف بڑھا اور اس میں چار روز کے بیاسہ ہوئے میاں بی بی بھی ہیں۔ دمشق کے محاصرے کے شروع ہوتے ہی تقدیر نے جو ہمیشہ اپنے لوگوں کے لیے ذریعہ آزمائش ہوتی رہی ہے یہ شکر دکھایا کہ کسی رومی کے زہر آلود تیرے نے ام ابان کے نوجوان شوہر کو جام شہادت پلا دیا۔ اور وہ قبل اس کے کہ عروسی کی مہندی کا رنگ چھیننے پائے بیوہ ہو گئیں جاہلیت میں عورتیں اس نازک موقع پر بین کرتی منہ پٹی اور قیامت سر پہ اٹھالیا کرتی تھیں مگر یہ دین کی مضبوطی اور تعلیمات نبوت کی برکت تھی کہ ام ابان نے نہایت ہی استقلال و ثابت قدمی سے کام لیا۔ اور سوا اسکے کہ مشیت الہی کو صبر و شکر کے ساتھ قبول کریں شکایت کا ایک جملہ بھی اس نوجوان خاتون عرب کی زبان سے نہ نکلا۔

اس دلخراش و جانناہ موقع پر ام ابان نے جو کارروائی کی تھی کہ مرحوم و شہید شوہر کی لاش کے پاس کھڑے ہوئے عجب شکر و صبر کے لہجے میں کہا دو پیارے شوہر تم کو ہار گئے ہو۔ اور خدا نے تمہیں آغوش رحمت میں لے لیا۔ تم اسی خدا کے پاس گئے جس نے ہمیں تمہیں ملایا تھا اور اب جدا کر دیا۔ اب میں تمہاری موت کا انتقام لوں گی اور اس کو شمش میں اپنی جان لٹا دوں گی کہ جہاں تم ہو وہیں میں بھی پہنچوں

اس لیے کہ مجھے تمہارے ساتھ عشق ہو بس اب اس کے بعد میرے جسم میں کسی اور شخص کا ہاتھ نہ لگے گا کیونکہ اب میں نے اپنے آپ کو خدا کی خدمتیں بجا لانے کے لیے وقف کر دیا ہے۔ یہ کہہ کے بغیر اس کے کہ کوئی قطرہ آنسو اس نوجوان بیوہ کے خوبصورت چہرے پر چلتا نظر آئے اور بغیر اسکے کہ اسکے پر حسرت سینے سے ایک بار بھی آہ کی آواز نکلے اس نے شوہر کی لاش کو خود اپنے ہاتھ سے غسل دیا اور رسوم اسلام کے مطابق دفن کر دیا۔

ان کاموں سے فرغت پاتے ہی ام ابان نے جنگی لباس زیب بدن کیا ہتھیار لگائے۔ اور دشمنوں کے مقابلے کو تیار ہو گئیں۔

اس زمانے میں دمشق کی حکومت ٹاس نام ایک بہادر شہسوار روم کے ہاتھ میں تھی۔ جسے عرب مورخین تو ما کے نام سے یاد کرتے ہیں مگر ہر قلوب قیصر روم کا داناو بتاتے ہیں۔ ٹاس نہایت بہادر اور شجاع شخص تھا۔ اور میدان جنگ میں اس استقلال سے لڑتا تھا کہ مسلمانوں کے حوصلے پست ہوئے جاتے تھے اسی خونریزی میں ام ابان ہتھیار باندھے ہوئے کودیں۔ جس جگہ سے زیادہ سخت لڑائی ہو رہی تھی گستی پیتی ہوئی پہنچیں۔ اور کمان کو ہاتھ میں لیکے دشمنوں پر تیر بھائی لگیں ان کا پہلا تیر میوں کے علم بردار کے ہاتھ پر پڑا۔ اور قلیبی علم سیچیں کو عقاد کے موافق گر کے ٹہنڈا ہو گیا۔ جیسا کہ جہنڈا اٹھا نیو بڑے جوش کے ساتھ بڑھے مسلمانوں نے رد کا۔ اور اب پہلے سے زیادہ سخت لڑائی ہو رہی تھی کہ ام ابان کا ایک اور تیر خاص ٹاس کی آنکھ پر پڑا۔ اور پوست ہو گیا۔ جس کے ساتھ ہی اس نے آنکھ سے ہاتھ رکھ لیا۔ اور بجز اس بہاگا۔ اور آنا فانا میدان سب دشمنوں سے صاف تیار دھڑی بہاگ کے شہر میں ہو رہے۔ اور بڑی بڑی کوششیں کی گئیں کہ تیر ٹاس کی آنکھ سے نکالا جائے مگر کسی طرح نہ نکل سکا۔ آخر مجبوراً گانسی آنکھ کے اندر چھوڑ دی گئی اور لکڑی کا ٹی لگی۔

اس کے بعد ایک رات کی لڑائی میں ام ابان جہر بہر بکھتیں کہ سخت لڑائی ہو رہی

ہو جاہو چہتیں۔ ایک ایک سو چہتیں کہ میرے شوہر کا قاتل کون ہے! درلن تیرے لئے جو نقصائے مہم کا پیام لیجاتے تھے دشمنوں کو مار مار کے گرا دیتیں۔ یہ عورت کی شجاعت اور یہ عورت کا جوش ایمانی۔ مگر ماں اُم ابان میں وہ انوکھی اور عجیب غریب شرافت نہ تھی جو ہمارے ہندوستانی مسلمانوں کی گہرا دیوں میں

نوار زوجہ فرزدق

یہ آخر عمر صحابہ کی ایک شریف اور صاحب جمال و کمال خاتون اور اعلیٰ بن صدعہ مجاشعی کی بیٹی تھی جیسی نثر النسیب و سیسی ہی خوش سلیقہ اور صاحب خلق و مروت تھی اور ویسی ہی فصیحہ و بلیغ بھی تسلیم کی جاتی تھی۔ شرفائے عرب میں اس کا وقار تھا۔ اور سب اسے اس عہد کی اعلیٰ ترین خاتونوں میں شمار کرتے تھے۔ فرزدق شاعر نے دہوکہ دیکھ کر اس سے نکاح کر لیا اور اتنی مصیبت تھی جبکہ عذاب سے اس پاک امن عورت کو زندگی بھر چپکا رہا نہ نصیب ہوا۔

فرزدق کے حال میں پہننے کی صورت یہ ہوئی کہ بنی عبد اللہ بن دارم کا ایک شریف و خود سر و نو جوان فرزدق کی تولیت میں تھا اس نوار کے حسن و جمال اور اس کی خوبیاں کا شہرہ سنا تو اسے شادی کا پیام دیا۔ اور چونکہ وہ نوار کے چچا کا بیٹا بھی تھا اس لئے اس پر یہ پیام بہت زیادہ پسند آیا۔ نوار نے فرزدق کے پاس کہلا بھیجا کہ ”فلاں نو جوان چچا کی تولیت میں ہے میرے ساتھ عقد نکاح کرنے کا آرزو مند ہے اور مجھ بھی یہ عقد پسند ہے لہذا آپ ہم دونوں کے دلوں کی آرزو پوری کر دیں۔ تو بڑی عنایت ہوئے فرزدق نے کہلا بھیجا ”میں تمہاری خوشی پوری کرونگا۔ مگر پہلے علی رؤس الاشهاد اس بات کا صفائے اقرار کر لو کہ فرزدق جس کسی کے ساتھ تمہارا عقد کرے گا۔ اس کے عقد میں مجھے دخل چلی جائیگی۔ نوار نے کہلا بھیجا ”مجھے منظور ہے“ اور بہت سے معزز لوگوں کے سامنے اس بات کا اقرار کر لیا۔ اب فرزدق نے کہلا بھیجا کہ ”اچھا اپنے قبیلہ والوں یعنی بنی دارم کو جمع کرو۔ اور ان کے سامنے اقرار کرو کہ تم اپنے عقد کا اختیار مجھے دیتی ہو“ نوار نے

تمام شرفائے قبیلہ کو اپنے وہاں جمع کیا۔ اور انکو سامنے حسبِ عہدہ اقرار بھی کر لیا۔ جہاں
 سب باتوں کی تکمیل ہو چکی تو فرزدق نے کہہ کرے ہو کے خطبہ نکاح پڑھنا شروع کیا پہلا خدا
 کی حمد و ثنا کی۔ اُسکے بعد کہا ”آپ سب صاحبِ اقدف ہیں کہ نوار نے مجھ کو اپنے عقد نکاح اختیار
 دیا ہے۔ لہذا میں آپ صبا جو نکو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے نوار کا عقد نکاح ایک
 سو سیاہ آنکھوں والی سرخ رنگ و مشکینہ کے مہر پر اپنے ساتھ کیا“ یہ الفاظ سنتے ہی
 صحبت پر ایک سناٹا چھا گیا اور نوار بگڑے زور و شور سے کوسو دینو لگی میاں فرزدق
 تو مطمئن تھے کہ اب نوار میرے پہنچے سے چوٹ کے کہاں جاتی ہو مگر نوار نہایت
 ہی پریشان تھی کہ کیا کرے۔ اور کیونکر اس آفت سے بچا چوٹے۔ ایک ایکے پاس
 جاتی مگر لوگ کہتے اس بات کے سچے گواہ لاؤ کہ فرزدق نے تمہیں فریب دیا۔ لیکن گواہی
 کے لئے جس کسی سے کہتی وہ ٹالتا۔ کیونکہ فرزدق اتنا بڑا بچہ گوشتا تھا کہ زمانہ اس سے پنا
 مانگ رہا تھا۔ اور لوگ ڈرتے تھے کہ ہم سے ذرا بھی لگے تو ہمیں بدنام و رسوا
 کر دیگا الغرض گواہ ملتا نہ تھا۔ اور بغیر گواہ کے کوئی اُسے فرزدق کی زوجیت سے آزادی
 نہ دیتا تھا آخر اکتا کے نوار نے ارادہ کیا کہ عبداللہ بن زبیر کے پاس جا کر فریاد کر دو۔ جہاں
 دنوں مکہ معظمہ میں عوائے خلافت کر رہے تھے اور سارے عرب اور عراق پر قابض و
 حکمران تھے۔ مگر خرابی یہ تھی کہ فرزدق کے ڈر کے مارے کوئی اُس غریب کو اپنے ساتھ
 مکہ معظمہ تک لے جانے کی بھی جرأت نہ کرتا تھا اتفاقاً بصرہ میں جہاں نوار اور فرزدق پہنچے
 بنی عادی بن عبدمنافہ کے چند نو جوان آئے جو ”بنی ام نسیر“ کے لقب سے مشہور تھے
 اور نوار سے قربت قریب رکھتے تھے۔ نوار نے ان سے ہمدردی کی درخواست کی
 اور وہ ترس کہا کے اُسے اپنے ساتھ لے کے مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے یہ سنتے ہی فرزدق
 نے نابل بصرہ سے مدد چاہی۔ لوگوں نے اُسے اونٹ اڑنے سامان سفر مہیا کر دیا اور آخر
 تک ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ یہ مدد ملے ہی فرزدق نے بھی نوار کے پیچھے پیچھے کی راہ لی
 اور جو لوگ نوار کو لے جاتے تھے ان کی ہجو میں اشعار کہتے مکہ پہنچے کہ فرزدق
 کو معلوم ہوا کہ نوار خاص عبداللہ بن زبیر کے گھر میں ٹھہری ہو اور ان کی بی بی کو لہنت

منظور فراریہ کی مہمان چڑ۔ یہ چونکہ اس عہد کا مشہور و مقبول سیف زبان و آتش
بیان شاعر تھا نام سنتے ہی اہل مکہ نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور نوار کی چوٹ پر وہ چل
عبداللہ بن زبیر کے بیٹے کے پاس تھرا اور انکی مدد میں اشعار کہہ کے آخر انہیں اپنی
سفارش پر مجبور کر دیا۔

اب عبداللہ بن زبیر عجیب الجہن میں پڑے ہوئے تھے نہ کوئی رائے قائم کرتے
بنتی تھی اور نہ کچھ فیصلہ کرتے بیٹے آکے فرزدق کی سی کہتے اور وہ ظاہر میں ہاں
ہوں کر دیتے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب اپنی بی بی خولہ کے پاس جاتے تو وہ نوار
کی سی کہتیں اور فوراً ان کی رائے اسی طرف ڈھل جاتی۔ آخر کہنگیا کہ انکی رائے نوار کی
طرف داری میں ہے۔ اسیر بگڑ کے فرزدق نے یہ دو شعر کہے جو اسکی زبان سے نکلتے ہی
سارے مکہ بلکہ ساری دنیا کے اسلام میں پھیل گئے۔

اما ہونہ سلم تقبل شفاعتہم و شفعت بنت منظور بن یمان
لیکن ان کے بیٹوں کی سفارش تو انہیں مافی گئی۔ لیکن ہاں منظور بن زبان
کی بیٹی کی سفارش کارگر ہو گئی۔

لین الشفیع الذی یاتیک موتزرا مثل الشفیع الذی یاتیک عریانا
جو سفارش کر نیوالا تمہارے پاس پانچا مہ پہنے ہوئے آئے اس سفارش کر نیوالا
کے برابر نہیں ہو سکتا جو تمہارے پاس برسہہ ہو کے آئے۔

یہ اشعار ابن زبیر کے کالوں تک پہنچے تو انہوں نے نوار کو بلایا اور کہا ”وہ
صورتیں ہیں ان میں سے تمہیں جو منظور ہو اسیر عمل کیا جائے۔ تم کو فرزدق سے
طلاق دلوانیکے بعد یا تو میں اسے قتل کر ڈالوں کہ پہر کبھی تمہاری سچو نہ کہے اور یا دشمن
اسلام کے ملک میں جلا وطن کر کے بھیج دوں۔ جہاں وہ خود ہی مار ڈالا جائیگا عورت
کو ہزار ستاؤں لاکھ اسکا دل دکھاؤں گے ساتھ مکر و فریب کر دوں گے۔ دغا دوں گے ہر کبھی
اسکا دل نرم ہو جائے اور اسے ترسے اسے اجاتا ہو نوار کو یہ سہ گز گوارا نہ ہو کہ فرزدق میری
پادشہ جان سے مارا جائے“ جواب دیا کہ ”ان میں سے کوئی صورت مجھے نہیں منظور ہے“

زبیر نے کہا "اگر اسکے حال پر ترس بھی آتا ہے تو پھر وہ تمہارا بن علم ہے اور تمہارے فریقہ میں
 کیوں نہیں منظور کی گئیں کہ تمہاری ساتھ اسکا نکاح دوبارہ کر کے اس شخص کو سزاؤں
 نوار بولی "ہاں مجھے اپنی زندگی خراب کرنا منظور ہے۔ اور یہ نہیں منظور کہ وہ غریب گناہ
 جان سے جائے، اس کے بعد عبداللہ بن زبیر نے فرزدق کو بلوایا۔ اور کہا "نور کیسٹا
 جس مہر پر تم نے نکاح کیا ہے اسے لاکھ حاضر کرو ورنہ میں تمہارا نکاح باطل کر دوں گا۔"
 فرزدق نے کہا "میں یہاں غریب الوطنی میں ہوں بغیر گھر گئے اعلیٰ درجہ کے سوانٹ کہاں
 سو لاؤں گا۔ ابن زبیر نے کہا "جس طرح بنے لاؤ۔ اور اگر نور کی محبت ہے تو دوہری گئے، آخر
 فرزدق نے چنچلائے کہا "آپ اسلئے مجھے زور ڈالتے ہیں کہ برہمنی نور کو مجھ سے چھین کے
 اپنی بی بی بنا لیں۔ ابن زبیر بھی نہایت مغلوب الغضب ہوئے "تم کو اور تمہاری قوم بہر کو
 اہل عرب اپنی برادری سے نکال دیا تمہاری ہستی ہی کیا ہے؟ اسکے بعد اسے اپنی صحبت سے
 اٹھوایا۔ اور جب وہ جا چکا کہ حاضرین سے کہا "فرزدق بنی تمیم سے ہے اور ان لوگوں
 ظہور اسلام سے ڈیرٹھ سو برس پہلے خانہ کعبہ پر یورش کر کے اسے لوٹ لیا تھا۔ ان کی
 یہ بے اعتدالی دیکھی تو تمام اہل عرب نے اتفاق کر کے ان کی ایسی بے وقعتی کی جیسی
 کسی کی نہیں ہوئی تھی اور انہیں ارض تہامہ سے نکال دیا۔ یہ کہہ کے فرزدق کے
 پاس کیلا بھیجا "نور کا مہر لاکھ حاضر کرو ورنہ بہت بری طرح سے تمہیں قتل کروں گا
 فرزدق نے جہاں اور شعر کہے جنہیں اپنی قوم کی تعریف کی۔ اور ان الزاموں کی عذر خواہی
 کی جو ابن زبیر نے اس پر لگائے تھے۔ ان اشعار کو سن کے ابن زبیر بظاہر خاموش ہو گیا
 مگر دلیں لئے رہے اتفاقاً ایک دن وہ نماز کے لئے گھر سے نکلے تو راستہ میں فرزدق کو
 دیکھا دیکھتے ہی لپکے سینٹوا لیا۔ اور کہا "میرے حکم کی جس طرح بنے تعمیل کرو۔"
 اب فرزدق نہایت پریشان تھا۔ شاعری اور ہجو گوئی بہل گیا اور کوئی تدبیر بنا کر
 نہ بنتی تھی کہ کسی نے کہا کہ تم "سلم بن زیاد کے پاس چلے جاؤ۔ جو قید خانہ میں گھر قمار ہے
 کیونکہ ابن زبیر اس سے کچھ رقم طلب کرتے ہیں اور وہ نہیں دیتا۔" فرزدق سننے
 ہی سلم کے پاس دوڑا گیا اور اپنی مصیبت بیان کی سلم نے پوچھا "کتنے میں مہر ادا

ہو جائیگا۔ کہا "سچا ہزار دینار میں" سلم نے فوراً چار ہزار دینار کی رقم نوار کے مہر
 کیلئے ادا کئے اسکے علاوہ دو ہزار دینار اسکے سفر خرچ کیلئے کل چھ ہزار دلوائے۔ یہ رقم
 پانچے بعد فرزدق کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ فوراً عبدالمدین زبیر کے پاس لے
 وہ رقم سامنے بسا دی۔ اور کہا "لے لائے میری جو روکو" انہوں نے نوار کا ہاتھ اسکی ہاتھ
 میں دیا اور وہ رقم بھی واپس کی۔ فرزدق نے نوار اور اس کے مہر کی رقم کو لے کر مکہ
 کی بصرہ کی راہ لی اور جوش مسرت میں کہا "جب ہم دونوں بصرہ سے چلے ہیں ایک
 دوسرے کے دشمن تھے۔ اور آج مکہ سے چلے ہیں تو ایک دوسرے کے دوست ہیں"۔
 پھر نوار کی طرف متوجہ ہو کر ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا کہ "اپنے ابن عم کے پاس آؤ
 اور اس شخص کی سی نہ بننا جو گھوڑے کو چوڑے کے گدیہ کو اختیار کرے۔"
 اس کامیابی کے بعد فرزدق اُسے لے کے بصرہ میں آیا۔ مگر اس نواح اور تعلق
 میں کسی قسم کا لطف نہ تھا۔ کیونکہ میاں بی بی میں الفت و محبت ضروری ہو اور یہاں
 ماری باندہ کی کا سودا تھا۔ نوار کی زندگی تلخ تھی۔ اور کسی بات میں لطف نہ آتا۔ فرزدق
 کی یہ حالت تھی کہ پورا پورا شاعر اور رند مشرب تھا۔ وہ اپنے دلی جذبات کے آگے نہ سبوتا
 کی پروا کرتا نہ قوم کی۔ نہ سلطنت سے ڈرتا نہ دین سے۔ نہ کسی دوست کے بس میں
 تھا۔ اور نہ کسی عورت کے۔ ایسے کیسا تھنا ہوا کوئی آسان کام نہ تھا۔ وہ لوگوں کی
 ہجویں کہتا۔ مہجھ شاعروں پر حملہ کرتا۔ اور لوگ اُسے قتل کی دھمکیاں دیتے ان
 سب باتوں کو نوار آنکھوں ہی آنکھوں میں دیکھتی اور دل میں کڑواہ کے رنجانی اسکو
 ساتھ وہ متقی و پرہیزگار تھی۔ فرزدق رند مشرب تھا۔ جو شاعری کی دھن میں دین
 کی پروا نہ دیتی نہ دنیا کی۔ نوار کے دل میں بار بار خیال آتا کہ فرزدق نے بچپن پر رستی
 پہا نش لیا ہو۔ میرا سکا عقد جائز طور پر اور سچے ایجاب قبول ہی نہیں ہوا۔ اسلئے میں اس
 پر تزام ہوں۔ پہر یہ خیال آتا کہ سچ فرزدق کے موافق فیصلہ کہی ہی ہے۔ الغرض عجب
 شش پنج میں تھی کہی اس سے ملنا ترک کر دیتی اور کہی مجبور ہو کے ملنے لگتی۔ علاوہ
 دیگر اسباب اختلاف کے یہ بھی تھا کہ فرزدق بد وضعی کے ساتھ نہایت ہی بد صورت بھی

اسکا اصلی نام ہوتا تھا۔ مگر بچپن ہی میں ایک بچہ وہ ایسا واقع ہوا تھا کہ باپ اس پر فرزدق کی بہت سی کہی
 اور یہی اس کا لقب ہو گیا۔ فرزدق عربی میں سوکھی روٹی کے ٹکڑوں کو کہتے ہیں۔ چنانچہ ایک رات ایک شخص
 بنائے کہلے فرزدق سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ بولا کہ فرزدق۔ اس نے ہنسنے لگا کہ کہا "فرزدق کہا
 بہ تو سوکھی روٹی کے ٹکڑوں کو کہتے ہیں۔ فرزدق پہلا کہنے والا تھا۔ لہذا کہہ کر نہ گئے؟" تمہاری جگہ جو روئے کیسے پہنچا
 ایک دن ایک صحبت میں بنی خرام کے چند لوگ جمع تھے جنہیں حضرت عثمان
 ذی النورین کا غلام عنبسہ بھی بیٹھا ہوا تھا۔ اتفاقاً فرزدق کا ادھر سے گزر ہوا۔
 عنبسہ نے مذاقاً پکار کے پوچھا "اے ابو فراس (یہ فرزدق کی کنیت ہے) عالم آخرت
 میں کب جاؤ گے؟" فرزدق نے پوچھا کیوں؟ تمہارا وہاں کیا کام ہے؟ جواب دیا "ہاں
 تمہارے ہاتھ میں اپنے والد مرحوم کے پاس ایک خط ہے جو لگا، "فرزدق نے ترجمہ
 کہا "تو پھر یا تو یہ یا اصطفا نوس (کسی مجوسی عیسائی) کی معرفت بھیج دے۔ کیونکہ تمہارا
 باوا دوزخ میں جہاں ہیں وہاں میرا گزر نہ ہوگا۔"

محض لڑائی کے ستانے کے لئے فرزدق نے چند روز بعد چیمپ نام ایک رسوے کے
 ساتھ نکاح کر لیا۔ پھر اسی ضد میں ایک اور عورت سے نکاح کیا جس کا نام حراء
 بنت زریق شیبانیہ تھا۔ اس پر نور اس قدر جھجھلائی کہ آپ سے باہر ہو کے لیٹ پڑی اور
 فرزدق کی ڈاڑھی نیچے ڈالی۔ آپ نے گہرے باہر نکل کے دوپٹہ پہنے۔ جبکہ مطلب یہ
 تھا کہ نور میری ڈاڑھی نوچنے لگی اور جعدہ خشناس کی ڈاڑھی نوچتی ہے۔ دونوں جب
 بگڑتی ہیں شیرنیاں بجاتی ہیں۔ اور راضی ہوں تو بڑے عرس کی زندگی گزرتی ہے۔
 خشناس اس زمانے میں ایک شخص تھا جس کی بی بی کا نام جعدہ تھا۔ یہ شعر جسٹہ
 ہوئے اور جعدہ کے کان تک پہنچے تو وہ ان کے پاس دوڑی آئی اور کہا "میں
 نے تمہارے میاں کا کیا بگاڑا انہما جو انہوں نے تمہارے ساتھ جھجھکے ہیں۔ والہ
 نذر کیا جواب دیتی کہا "میں نے بھی صبر کیا تم بھی صبر کرو۔"

حراء کا یہ فرزدق نے حجاج سے مانگا۔ ادا کرنا چاہا۔ جس کی مقدار ایک سو روپے
 تھی۔ یہ اونٹ لیکے جب گھر میں آیا تو نور نے کہا "ایک ہزار پانچ سو روپے کا لکڑی کا ٹکڑا

حقیر اور چھپر کی سی ٹانگوں کی عورت کا ہر اور سو اونٹ!، مگر فرزدق مہر کے یانٹ
لیکے حذر کے گھر گیا تو وہ مر چکی تھی۔

فرزدق کا مد مقابل ان دنوں جریر شاعر تھا جو اسکی خوب خبر لیا کرتا تھا۔ اور فرزدق
بھی دنیا میں اگر کسی سے ڈرتا تھا تو اسی سے۔ آجنگ عربی کے زبان طوفان اور سخن
فہوں میں اختلاف پڑا ہوا ہے کہ ان دونوں شاعروں میں کون افضل تھا کوئی فرق
کو زیادہ پسند کرتا ہے اور کوئی جریر کو اس میں شک نہیں کہ فرزدق کے کلام کو ترجیح
دیے والے زیادہ ہیں لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ جریر نے جس جس طرح فرزدق کی
مٹی خراب کی ہے کوئی نہ کر سکتا تھا۔ خود فرزدق اس کا دبا مانے ہوئے تھا۔ اور اپنے
شرمنگ واقعات کو چھپاتا اور ساتھیوں سے کہتا ”بہنئی اس بات کا کسی سے تذکرہ
نہ کرنا۔ جریر کو خبر ہو گئی تو میری مٹی بلیس کر ڈالے گا“

عبداللہ بن عطفہ فرزدق اور جریر دونوں کے اشعار کا راوی تھا۔ وہی اسکو
کلام کو محفوظ رکھتا اور مدون مرتب کرتا ایک دن فرزدق نے اسے بلا بھیجا۔ اور کہا
”بہنئی ابن مراغمہ (جریر) کی شان میں ایک شعر گویا اگر اسنے اسکا جواب دیدیا تو نوا پر
طلاق ہے“ وہ شعر یہ تھا۔

فانی الموت الذی ہونانی بنفسک فانظر کیف انت تجاولی

پھر کہا ”تم خود جا کے یہ شعر جریر کو سناؤ اور کہو اب کیا کہتے ہو؟ عبداللہ سفر
کر کے پیامہ میں گیا۔ جہاں جریر رہتا تھا۔ اسے اس حال میں پایا کہ دروازہ کیسا منہ
بیٹھا بالو سے پھیل رہا ہے۔ فرزدق کا یہ شعر سنا کہ اسکا پیام پہنچا دیا سنتے ہی
جریر نے بالو پر لوٹنا سر پر خاک ڈالنا اور سارے بندے میں بالو ملنا شروع کیا۔ مگر
وقت تک اسکی مشغلہ میں رہا۔ اور یکایک جوش کے ساتھ بولا ”لو میں نے نوا کو

طلاق دیا دی“ اور یہ شعر پڑھا۔

انکار یسر فی الموت والد ہر خالد مجننی بمنزل اللہ ہر شیبہ یطاولی

اس میں موت ہوں جو تجھ سے نازل ہوئی ہے۔ کے سبھل دیکھوں تو اسکا کیسے سامنا کرتا ہے۔
اس میں زمانہ ہوں جو میری موت کے برابر ہے۔ ہمارا زمانہ کیسی کوئی چیز تو ہے جسکی زندگی ایسی طو لانی ہو۔

عبداللہ نے واپس آکے جب یہ شعر فرزوق کو سنایا تو دم بخورہ گیا اور بولا "تو اب اس واقعہ کا کسی سے ذکر نہ کرنا"۔

اسکی اس کمزوری سے نوارنے بھی فائدہ اٹھایا۔ فرزوق نے اسکی چہرے پر سناٹے کیلئے حیرانہ کی تعریف میں اشعار کہے اور ان میں نوار کی تحقیر کی۔ نوار نے کہا "اب تم یوں نہ مانو گے۔ اچھا دیکھنا اسکا کیسا منہ چکھاتی ہوں"۔ پھر آدمی بیچ کے جریر کو اسکی وطن سے بلا بھیجا۔ اور اس سے فرزوق کی بیہودگیوں کی شکایت کی۔ اور کہا کہ وہ میری جھج میں شعر کہتا ہے جریر نے کہا بی بی تم اپنا دل نہ کڑھاؤ میں اس سے سمجھ لوں گا پھر اپنے اس نے فرزوق کی خوب خبر لی۔ اور فرزوق نے اسکا جواب دیا۔

اسی طرح نوار نے اپنا دکھ جا کے بنی قیس بن عامر میں بیان کیا اور وہ لوگ اسکو ساتھ ہمدردی کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ فرزوق کو اسکی خبر ہوئی تو ان لوگوں کی جھج میں دو شعر کہے۔ یہ شعر سن کے ان لوگوں کو بڑا طیش آیا۔ اور انہوں نے فرزوق کے پاس کہا "ہیجا" اگر اس کے بعد تیسرا شعر کہتا تو خدا کی قسم ہم تمہیں مار ڈالیں گے"۔ یہ ایسی زبردست دھمکی تھی کہ پھر فرزوق کو کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔

چند روز بعد فرزوق نے زہیرہ بنت عقی مزینہ سے عقد کیا۔ مگر دو ہی چار روز بعد اسے بڑھ گئی اور ایسی بگڑی کہ طلاق کی نوبت آئی اور فرزوق نے اپنے پرانے تجربہ کو کام لیا یعنی اس کی بھوکہ بنی ہنشل کی ایک چوکری سے نکاح کیا۔ بلکہ انیسوا معلوم ہوتا ہو کہ اس سے ناجائز تعلق پیدا کیا۔ وہ حاملہ ہوئی۔ اور وضع حمل میں مر گئی۔ فرزوق نے اس کے غم میں مرثیہ کہا۔

سبکے بعد بڑھاپے میں آپ نے طیبہ بنت حاتم مجاشعہ کے ساتھ نکاح کیا۔ مگر چونکہ مہر میں دینے کے لئے کوڑی پاس نہ تھی اس لئے اسے ایک سال تک اسی کے میکہ میں جو مہر ائے عجب اندر رہنا پڑا۔ پھر عامل فارس بابان بن اسد بجلی کو کہا تو اسے مہر کی رقم دلوادی اب آپ اسے رخصت کر کے گھر میں لائے تو آپ کے ضعف پیری کے باعث وہی پیچہ ظاہر ہوا جو سعدی شیرازی نے حکایت میں بیان کیا ہے۔

میاں شوہر وزن جنگ فتنہ خاست چنان کہ سرچشمہ وقاصی کشید و سعدی گفت
 پس از ملازمت و شفقت گناہ و خیر نیست ترا کہ دست بر زوگر چہ دانی سفت
 گھر کی جوتی پیرار کے بعد یہ شرمناک مقدمہ جن قاضی صاحب کے اجلاس میں پیش
 ہوا انکا نام نامی تھا جرتھا۔ مگر فرزوق کی بچوں کا خوف اُسے بھی اس قدر غالب تھا کہ
 فیصلہ کر نیسے پہلے ہی کہہ دیا ”طیبہ“ چاہے فرشتوں ہی کو گواہی میں کیوں لاؤ
 مگر میں فرزوق کے خلاف مقدمہ نہیں فیصلہ کر سکتا“
 فرزوق کے پاس کیلئے دعوت تھی جو جشن تھی جس کے بطن سے ایک لڑکی بھی ہوئی تھی جو
 مکینہ کہلاتی تھی۔ اس جشن کی تعریف میں آپنے چند شعر کہے تھے جن میں منجملہ دیگر
 محاسن کے اس کی خوشبو کی بھی تعریف کی تھی۔ وہ اشعار سن کے نواز بولی اہاں
 اسی کی سی خوشبو تم میں بھی آتی ہے۔

فرزوق کا اصلی حربہ اسی ہو گئی تھی جس سے امرا عیان سلطنت شرفاؤ زمانہ
 اور اُسکے معاصر شعرا تک ڈرتے تھے۔ اسی قدر نہیں بعض اوقات وہ اپنی رنید
 مشربی اور آوارہ مزاجی میں بھی اسی حربہ سے کام لیا کرتا تھا چنانچہ آپ ایک شعر
 شریف خاتون عرب پر فریفتہ ہوئے۔ اور اُسے دہلی دی کہ مجھ سے سوا راضی ہو جاؤ ورنہ
 بوجو کہہ کے سارے زمانہ میں بدنام کر دوں گا۔ جب کئی بار اُسے اسی طرح کی دہلی دی
 تو وہ مجبوراً نواز کے پاس آئی اور کہا ”خدا کے لیے اپنے میاں کو روکو۔ وہ میری لبرو
 لینے کے درپے ہیں۔ اور میں کوئی بدکار عورت نہیں ہوں“ نواز نے کہا ”فرزوق
 کے سیدھا کرنے کی تدبیر نہیں ہے۔ تم اُس سے وعدہ کر لو۔ اور جس دن کا وعدہ
 ہو مجھ پر بلاؤ۔“ یہ دیکھ کر کسی دل لگی ہوئی ہے۔ اس خاتون نے یہی کیا۔ وعدہ کی شب کو
 آپ خوش خوش پہنچے اُس نے کہا ”میں تم کو خلوت کے کمرے میں لے تو چلتی ہوں مگر
 وہاں چراغ نہ ہوگا۔ ممکن ہے کہ میرا کوئی عزیز آجائے“ آپ نے جو شجاعت میں منظور
 کر لیا کمرے میں گئے۔ اندھیرے میں وہ خاتون تو چل دی۔ اور اس کی جگہ نواز آ کے
 بیٹھ گئی لطف صحبت اٹھانے کے بعد یہ ایسی اطمینان نہ نہیں بیٹھنے پائے تھے کہ نواز نے

ایک دوسرا راہ اور چلائی کہ موئے شہدے تیری یہ حرکتیں ہیں؟“ اور بچا پانتے ہی آپنے
فی البدیہہ لکھا در اخاہ ایہ تم تہیں بہا طیبک حراما وار دایک حلالاً، کیا بتاؤں کہ حرام
میں تم کیسی اچھی ہو اور حلال میں کیسی بُری تہیں!“

مگر باوجود ان سب باتوں کے جانتا تھا کہ میری اہلی بی بی اور مجھ جی رکھنے والی نوار
ہی ہے چنانچہ ایک بار فرزدق کہیں باہر تھا مکیہ کی ماں حبشہ نے اُسے نوار کی شکایت
لکھی کہ میرے ساتھ چھسا سلوک نہیں کرتیں... اور نوار نے بھی اُسے اس حبشہ
کی شکایت لکھی تھی اس کے جواب میں فرزدق نے یہ تین شعر لکھ کر اُسے حبشہ
کے پاس بھیجے۔ جن میں مکیہ کی ماں کو ڈانٹا اور لکھا تھا کہ ”نوار کو کوئی معمولی عورت
نہ سمجھنا۔ وہ شریف ہے اور بڑے باپ کی بیٹی ہے۔“

مگر باوجود اس کے نوار کے دل میں فرزدق کی جانب سے روز بروز نفرت بڑھتی
ہی جاتی تھی۔ اور اس پر طرہ یہ کہ وہ اس کو جائز نہ سمجھتا تھا کہ خیال کرتی تھی جیسا کہ کسی
طرح زور نہ چلا تو اس نے فرزدق کی خوشامد درآمد شروع کی۔ ہر بات میں اُسکی
خوشی پہنچاتی کہ کوئی فعل اس کی مرضی کے خلاف نہ کرتی یہاں تک کہ ہزار خرابی اُسے
طلاق دینے پر آمادہ کر لیا۔ لیکن اب بھی فرزدق نے اُس سے اتنی شرطیں کر لیں کہ
(۱) طلاق کے بعد بھی تمہارے گھر سے نہ جاؤں گی (۲) تمہارا ساتھ کبھی نہ چھوڑوں گی
(۳) کسی اور شخص کے ساتھ نکاح نہ کروں گی (۴) اور میرے مال میں سیوا اور میری جائداد
پر تم جو تصرف چاہو کرو۔ تمہیں اختیار ہو گا۔ میں تمہارا ہاتھ کبھی نہ پکڑوں گی تب اس
بیٹے اس زمانہ کے امام دین حسن بصری کے سامنے گیا اور کہا ”اے ابو سعید! یہ حسن
بصری کی کنیت ہے؟“ آپ گواہ رہے کہ ”یہ نوار کو طلاق دی“ حسن بصری نے حسن کے
کہا ”ہاں میں گواہ ہوں“ اس طلاق کے وقت گواہوں کی حیثیت سے راوی شہا
فرزدق ابو شقیل اور ایک دوسرا راوی فرزدق کے ساتھ تھے خود نوار بھی موجود
تھی جس کے ہمراہ بہت سے لوگ گئے تھے۔ مگر فرزدق کی ہیبت سے سامنے نہیں آئے
تھے بلکہ ستونوں کی آڑ میں چھپے رہے۔ واپسی کے وقت فرزدق نے ابو شقیل سے

کہا ”بہی میں تو اپنے کئے پر حیا تانا ہوں۔ جی نہیں چاہتا کہ نوار کو طلاق دیکھ کر آزاد کر دے
 ابو شہل نے کہا ”اے ایسا ہی تو خدا کی قسم تم اپنی جان دیا چاہتے ہو۔ جانتے ہی ہو کہ
 کو اپنے طلاق کا گواہ بنا چکے ہو۔ اگر حسن بصری نے اشارہ ہی کر دیا تو مسلمان نہیں
 سنگسار کر کے مار ڈالیں گے۔ تاہم فرزدق نے اس فسوس میں چند شعر کہے جن سے
 ظاہر ہوتا ہے کہ اُسے نوار سے سچی محبت تھی۔ ان میں کا ایک شعر یہ ہے۔

وکلنت عنتی فخر جنت منہا کاوم حین اخرجه القمار

اور وہ (نوار) میری جنت تھی۔ جس سے میں ویسے ہی نکلا جسطرح حضرت آدم
 کو پہوٹا اور لفاق نے نکالا تھا۔ اور نوار کا یہ طلاق لینا بھی محض دینداری کی خیال
 سے تھا نہ اور کسی وجہ سے ہی اپنے دل میں وہ اپنے لیے فرزدق کی صحبت کو حرام و نا
 جائز خیال کرتی تھی۔ بس اسی کو بچنے کے لیے اسے بہار و شکاری آزادی حاصل کر لی
 ورنہ جو بشرطیں وہ فرزدق سے کر چکی تھی۔ انکی وجہ سے طلاق کے بعد اُسے کسی قسم
 کی آزادی نہیں حاصل تھی۔ نہ اسے اپنے ۱۰۰۰ روپیہ پیسہ پر تصرف کر دینا روک
 سکتی تھی جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ کسی پارسا و پاک طینت اور نیک بی بی تھی۔

مرئیے پہلے اُسے فرزدق کو وصیت کی تھی کہ میرے جنازہ کی نماز حسن بصری
 اُسے پڑھائیں۔ فرزدق نے انہیں اس وصیت کی خبر کی تو فرمایا ”اگر نوار نے مجھ سے
 پہلے سفر آخرت کیا تو میں ضرور اسکی نماز جنازہ پڑھاؤں گا۔“ اتفاقاً ہی ہوا کہ نوار بگڑو
 عالم جاودانی ہوئی اور حسن بصری زندہ موجود رہے۔ فرزدق نے جا کے اطلاع کی تو وہ
 فوراً چلے آئے۔ یہاں پہنچ کے دیکھا تو بہت سو لوگ بھیڑ لگائے کھڑے تھے۔ پوچھا یہ کیوں
 کھڑے ہوئے ہیں؟ فرزدق نے کہا ”سب سے اچھے شخص اور سب سے بُرے شخص کی انتظام
 میں ہے۔“ اسکی مراد تو اچھے سے حسن بصری اور بُرے سے خود اپنی ذات تھی
 مگر حسن بصری نے دونوں جملوں کو اپنی ہی سے متعلق کیا اور کہا ”نہ میں سب سے
 اچھا ہی ہوں اور نہ سب سے بُرا ہی ہوں۔“ اُسکے بعد نماز پڑھا کے نوار کو دفن کر دیا۔
 اور قبر کی طرف اشارہ کر کے پوچھا ”اس خواب گاہ کے لیے کیا سرمایہ جمع کیا ہے؟“

فرزدق نے کہا "ستر برس کا یہ عقیدہ کہ لا الہ الا اللہ" اس سے پتا چلتا ہے کہ فرزدق بھی دل سے سچا شیدائے توحید تھا اور توحید ہی کو ذریعہ نجات جانتا تھا اور اسی لئے ان دونوں میاں بی بیوں کی نسبت کہتے ہیں کہ "اللہم اعظم لہما"

لیلائے خلیہ

ایک نامی گرامی شہسوار عرب عبداللہ بن الرحال کی بیٹی اور دروادلین اسلام کی ایک نہایت ہی براثر اور نازک خیال شاعرہ گزری ہے۔ جو مشہور و مستند شاعر عرب توبہ بن حمیر کی پاکدامن محور خصال معشوقہ تھی۔ مذکورہ لیلائے کے اجباد میں مغویہ نام ایک شخص گزرے تھے جو گھوڑوں کے ایسے شوقین اور اس پایہ کے آدمی تھے کہ "خیل" (بڑے گھوڑے باز) مشہور ہو گئے۔ ان کا یہ لقب ان کی نسل میں چلا اور آخر لیلیٰ اس کی وارث ہوئی۔ اور لیلائے اخیلیہ کہلانے لگی۔

ابتدائی حالات میں سوا اسکے کہ جناب معاویہ کے زمانہ میں اس کا شوق دنیا ہوا نہیں اور کچھ نہیں معلوم ہے۔ توبہ بن حمیر جب وقت اس کے رخ زیبا پر عاشق ہوا ہے۔ اس وقت تک اس نازنین عرب کے اشعار کو کوئی شہرت نہیں حاصل ہوئی تھی بلکہ شک ہے کہ اس زمانے تک وہ شعر کہتی بھی تھی یا نہیں۔ بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ توبہ مذکور کے عشق ہی نے لیلیٰ کو شاعر بنایا۔

افسوس یہ بھی نہیں معلوم کہ اس عشق کی ابتدا کیونکر ہوئی۔ مگر ہاں اس کے حالات کے راوی اتنا کہتے ہیں کہ توبہ نے اس کے جمال جہاں آ رہے فریقہ بنوئی بعد اس کے باپ کو پیام شادی دیا۔ عرب کے لوگوں میں رواج تھا کہ لڑکی پر جو کوئی عشق ظاہر کرے اس کے ساتھ اس کی شادی ہرگز نہ کرتے تھے اس رسم نے بہت سے عشاقر کو اپنی معشوقہ تانہ بین کے فراق میں زندگی بہر تڑپا ہے چنانچہ مجنون عامری بھی اسی ہی بدولت اپنی معشوقہ لیلائے عامریہ کے وصال سے محروم رہا تھا۔ توبہ نے جلیبے ہی شادی کی خواہش ظاہر کی لیلائے اخیلیہ کے باپ نے قبیلہ اولع کے

... ایک انجوان کے ساتھ اسکا عقد کر دیا۔ اور اب توبہ بن حمیر کا سوا اسکو کہ شب
 روز معشوقہ ناز آفریں کے فراق میں تڑپے اور کچھ زور نہ چل سکتا تھا مگر تاہم اپنی
 دل کے ہاتھوں مجبور و بیتاب ہو کے لیلا کے دیکھنے کو جاتا اور لیلا کے دل میں اس
 کے سچے عشق نے کچھ ایسا لگاؤ پیدا کر دیا تھا کہ وہ بھی اس آگے ضرور پہنچاتی۔ جیسے حال
 گھلا تو قبیلے والے بہت ہی بگڑے۔ دل از دست دادہ لڑکی کو ڈانٹا ڈپٹا اور جب
 اس پر بھی ان دونوں عاشق و معشوق کا ملنا نہ موقوف ہو تو سلطنت فریادی ہو
 اور جناب معاویہؓ کے سامنے آئے شکایت کی۔ یہاں سے حکم دیا گیا کہ توبہ اب بھی
 لیلا سے نہ ملے۔ اور اگر اس حکم کے بعد بھی اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو لیلا کو قبیلے والوں
 کو اختیار ہے کہ جب موقع ہاتھ آئے اور اسے جہاں پائیں قتل کر ڈالیں۔
 اس حکم سے قبیلے والو جب خوش خوش گھر میں آئے تو لیلا کو فکر ہوئی۔ اور خاصہ
 اسوجہ سے کہ توبہ بن حمیر کو ابھی تک یہ حکم خلافت نہیں معلوم ہوا۔ اب یہ لوگ اسکی
 ناک میں تھے اور لیلا نے یہ کیا کہ جس روز اسے معلوم ہوا کہ توبہ بن حمیر سے ملنے کو اسکا کوئی بہانہ
 اپنے قبیلے کی فرد گاہ سے باہر گئی اور سر راہ اس وضع سے کھڑی ہو گئی کہ خلاف پیشیر کے چہرے پر نقاب
 نہ تھی۔ توبہ آیا اور لیلا کو مدہری سے اس وضع میں دیکھ کے کہ اپنی عادت کے خلاف آج منہ
 کھولے ہوئے ہے۔ لٹے پاؤں واپس چلا گیا۔ یہ جب اس واماں کے مقام میں پہنچ
 لیا تو لیلا کے عشق میں ایک قضیدہ لکھا جس کا ایک شعر یہ تھا

وکت اذا ما جئت لیلیا بترقت فقدر بنی منہا الغداة سفور ع
 اس طرح خود لیلا نے اس کی جان بچا دی۔ ورنہ اگر وہ اس حارسے ذرا بھی آگے
 بڑھتا تو معشوقہ نازنین کے اعظا و اقارب بلا تامل پکڑ کے قتل کر ڈالتے۔
 اب لیلا نے اخیلیہ اور توبہ بن حمیر کا ملنا اور ایک دوسرے کی صحبت سے لطف اٹھانا
 موقوف ہو گیا۔ توبہ تو اپنے جوش جنوں کو شاعری اور شاعرانہ جوش عشق کے
 عہ اس شعر کے معنی یہ ہیں کہ ”میں جب بھی آتا تھا۔ لیلا اپنا منہ چھپالیا کرتی تھی۔ مگر کل جیسے
 منہ کھلے دیکھا تو دلیں کھٹکا پیا ہو گیا۔“

نورجیم سے پہلا یا کرتا۔ مگر لیلیا یہاں سخت آفت اور مصیبت میں مبتلا تھی اول تو توبہ کے تعلقات کی وجہ سے اس پر بدگمانی تھی ہی اس پر یہ قیامت ہوئی کہ بنی اولع میں سے جو شوہر ملا وہ فطرۃ نہایت ہی بدگمان تھا۔ اور بات بات پر اسے بے عصمتی اور آوارگی کا الزام دیتا۔

عرب کا معمول ہے کہ قبائل عرب پہلے میدانوں اور وادیوں میں اپنی خیمے ڈال کے رہا کرتے ہیں۔ اور مسافر اور سیاح دن دن بہر کی بلالہ بعض اوقات چار چار پانچ پانچ دن کی ادشت نوردی کے بعد کسی بدوی کا خیمہ دیکھ پاتے ہیں تو رات بسر کر نیچے کے لیے اس کے قریب آکے ٹہر جاتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر صاحب خیمہ کا فرض ہوتا ہے کہ ان کی مہانداری کرے۔ اور جہاں تک امکان میں ہو انہیں آرام پہنچائے اور اوقات مرد شکار یا طلب معیشت کے لئے باہر چلے جاتے ہیں۔ اور عورتیں اور لڑکیاں ہی سیاحوں اور مسافروں کی خبر گیری کرتی ہیں۔ اور یہی وہ فیاضی ہے جو سرزمین عرب میں قدیم الایام سے شرافت کا جوہر سمجھی جاتی ہے۔ چنانچہ اسی معمول کے مطابق ہر ہفتہ میں عادت مستمرہ کے موافق کوئی نہ کوئی مسافر لیلیا کے خیمے کے پاس بھی آکے فروکش ہو جاتا۔ اور لیلیا کا شوہر بدگمان ہو کے بی بی کو مارتا یا بیٹا اور سخت سزا دیتا۔ مگر وہ ہمیشہ اطاعت کرتی اور ردیٹ کے پیٹھ رہتی۔

چنانچہ ایک محرز سیاح عرب کا بیان ہے کہ جو صحرا میں شام ہو گئی تھی دور پر ایک خیمہ نظر آیا۔ اس کے قریب جا کے ٹہر گیا۔ مگر حیرت تھی کہ اس خیمے میں اگرچہ بچے ہی تھے اور عورتیں بھی تھیں۔ مگر کوئی بھی میری خبر گیری کو نہ آیا۔ اتنے میں رات ہو گئی اور ایک شخص اونٹ پر سوار قریب آیا۔ اور خیمے میں جاتے ہی نہایت برہمی کے ساتھ بی بی کو ہلاکے ڈانٹنے لگا کہ ”یہ کون ہے؟“ عورت نے عاجزی کے لہجہ میں جواب دیا ”کوئی مسافر آفتاب غروب ہوتے وقت یہاں آکے ٹہر گیا ہے۔“ مرنے کہا ”نہیں تو جو ہوئی ہے۔ تیرے ملنے والوں سے کوئی ہے؟“ اور اتنا کہتے ہی غریب عورت کو نہایت بے رحمی سے مارنے بیٹھنے لگا۔ عورت عجیب درد کیساتھ چلائی تھی۔ اور اسے ترس

نہ آتا تھا۔ آخر اس عورت سے کہنے لگا: ”یہ شخص جو ٹھہرا ہوا ہے۔ جب تک خود آ کے سفارش نہ کر گیا۔ میں تجھے نہ چھوڑوں گا۔“ اس کی زبان سے یہ سن کے اب عورت نے چلنا شروع کیا۔ اسی میں مسافر اے شتر سوار خدا کے لیے مجھے آ کے بچاؤ، اب یہ چنچن سن کے مجھ میں ضبط کی تاب نہ تھی، جھجھکا کے اپنا ایک حربہ اٹھالیا اور خمیے میں گھستے ہی ظالم مرد پر تین چار وار اس زور سے کئے کہ عورت بیچ میں آ گئی اور کہنے لگی ”میاں تم جاؤ۔ ہمارے چھکڑوں میں دخل دینے سے تمہیں کیا مطلب؟“ عورت کی یہ نیک نفسی دیکھ کے میں واپس چلا آیا۔ اور کہا ”اب اس ظالم شخص کو خمیے کے پاس نہ ٹھہروں گا۔ کسی وقت اونٹ پر سوار ہو کے آگے چل کھڑا ہوا صبح کو ایک ایسے مقام پر پہنچا جہاں ابناٹے بادیہ کے چند خمیے پڑے ہوئے تھے میں وہاں ٹھہرا اور ایک لونڈی کو پاس گزرتے دیکھ کے اپنے پاس بلایا۔ رات کی سرگزشت بیان کی اور پوچھا ”تم جانتی ہو وہ کون شخص ہے؟“ میرے سوال پر وہ بہت ہنسنی اور کہنے لگی ”کیا تم نہیں جانتے جو مجھ سے پوچھتے ہو؟“ میں نے کہا ”بالکل نہیں جانتا“ تب اُس لونڈی نے بتایا کہ ”وہ لیلائے اخیلیہ کا خمیہ ہے بد قسمتی سے وہ نہایت ہی حسین و صاحب جمال واقع ہوئی ہے اور شوہر ایسا ملا ہے جو بات بات پر مارنے پیٹنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس وجہ سے لوگوں نے اس کے خمیہ کے پاس ٹھہرا چھوڑ دیا۔ آپ نا واقف تھے اسی سبب وہاں ٹھہر گئے۔“

اس واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ باوجودیکہ شوہر نہایت جاہل و ظالم تھا مگر لیلہ اس سے پوری طرح مہر و دی کر نیکی تیار تھی۔ ممکن تھا کہ شرعی آزادوں سے نفع اٹھانے کے فاضلی کے سامنے خلع کی درخواست پیش کر دیتی۔ مگر اسے کبھی ایسا خیال بھی نہ کیا۔

اس کا عاشق زار تہ بن حمیر کے عام شرفا کی طرح گراں پایہ شاعر ہونیکے ساتھ ایک بڑا زبردست بہادر اور سپہ گری بھی تھا۔ اُس کی شہسوار ہی اور شجاعت کی ہر طرف دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ اور بڑے بڑے سواروں اور شیرالنقاد قبائل اُس کی

نام سے لڑتے تھے۔

ایک دفعہ اتفاقاً بنی غدرہ میں اس کا گزر ہوا جس قبیلہ کے لوگ اپنی خوبصورتی و زیبائی اور اپنے حسن و عشق کے اعتبار سے سارے عرب میں مشہور تھے۔ اس قبیلہ کی مشہور معشوقہ عرب بئینہ سامنے کھڑی تھی اور حسن اتفاق سے اسے کسی قدر غور و توجہ سے دیکھنے لگی۔ بئینہ کا عاشق زار جمیل شاعر عربی باس کھڑا تھا اپنی معشوقہ کی توجہ بیک وقت شخص کی طرف دیکھ کر دلیں کچھ پی آتش حسد بڑی کہ غیرت عشق سے جوش میں آگئے بڑا اونٹ بھونکنے لگا وہ آپ کو شہ کا بڑا دعویٰ ہے۔ آپ کی کشتی ہوتی ہے؟ تو بہ نے کہا اہل سم اسٹہ آئیے جمیل جب مقابلہ کو آنے لگا تو اسکی کمر بئینہ نے خود اپنے ہاتھ سے باندھ لی اور وہ توبہ کے سامنے اکھڑا ہوا۔ تھوڑی دیر میں جمیل نے توبہ بن جمیر کو دے مارا، جمیل نے کہا کشتی میں تو آپ ہار گئے اب آئیے تیر اندازی میں مقابلہ ہو، توبہ راضی ہو گیا۔ اور اس فن میں بھی جمیل سے ہارا۔ توبہ نادم کھڑا تھا کہ جمیل نے کہا دو تو آئیے اب دھڑنے میں بھی مقابلہ ہو جائے شاید آپ کے دلیں کچھ ہوس باقی ہو، توبہ نے اس میں بھی مقابلہ کیا۔ اور اس میں بھی ہارا۔ اس طرح ایک گھڑی بہر میں اپنی شجاعت و شہرت کو خاک میں ملجاتے دیکھ کر دلیں سوچا۔ اور یکا یک چونکا کے بولا "آخاہ! میں اب سمجھا یہ ساری کار سازی ان بی صاحب (بئینہ کی ہے) سب صاحب اس مقابلہ کا اعتبار نہیں۔ تم محض اسوجہ سے جیتے ہو کہ یہ نیک نخت سامنے کھڑی نہیں جب جانوں کہ ان کی نظر سے دوسروں کے اور ادھر اس داری میں چلکے مقابلہ کرو، جمیل کے دل میں جیتے سے دعویٰ تو پیدا ہو ہی گیا تھا۔ توبہ کو ساتھ لیکے اس داری میں گیا۔ اور جس نے سنا اسے حیرت ہو گئی کہ یہاں آتے ہی تینوں باتوں میں توبہ بن جمیر نے اسے مار لیا۔

لیکن حضرت معاویہ ہی کے زمانہ میں اس کی شجاعت و رسالت کا یہ خوفناک نتیجہ ظاہر ہوا کہ ایک نازک موقع پر بہت سے قوی اور بہادر دشمنوں کے نعرے میں گھر کے عجب جوش و خروش اور بے نفسی و بے خوفی سے لڑتا ہوا مارا گیا اور

دشمنوں اسی وادی میں جہاں مارا گیا تھا ایک ٹیلے پر دفن کر کے اُس کی قبر بنادی۔
 جب یہ خبر لیلائے اخیلیہ کو پہونچی تو دنیا اُس کی آنکھوں میں تنگ ہو گئی اور بڑھکھٹ
 اور بغیر اس کے کہ کسی کا پاس لحاظ کرے تو یہ بن جیمہ کے مرثیے کہنے لگی جن میں اس مخزن
 شہسوار عرب کی حد سے زیادہ تعریف کرتی تھی۔ اور دکھاتی تھی کہ اس سے بڑا اور پرست
 اور قابل قدر کوئی شخص نہیں گزرا اُس کے شوہر نے جب دیکھا کہ توبہ مارا جا چکا
 تو وہ بھی خاموش ہو رہا۔ اور اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بی بی کی اس مرثیہ گوئی کو دل
 پر جبر کر کے وہ گوارا کر لیا کرتا تھا مگر حطرح پہلے توبہ کے اشعار سارے جزیرہ نمائے
 عرب بلکہ اسلامی قلمرو میں مقبولیت کے ساتھ رواج پا رہے تھے۔ اس طرح اب لیلیٰ کے
 ان مرثیوں کا چرچا ہوا اور عرب کے لوگوں کی ہر صحبت میں حیرت و استعجاب و پندیرائی
 و درد مندی کی نگاہوں سے دیکھے جانے لگے۔ چنانچہ وہ مرثیے جناب معاویہ کے کان تک
 پہونچے اور انہوں نے جب دیکھا کہ یہ شاعر عرب اپنے پرستور مرثیوں کے ذریعے سے اپنے
 شہسوار عشق کو انتہا درجہ کا نیک نفس اور پاکیزہ بنا رہی ہے تو ایک مرتبہ اس کو بلوا کر
 پوچھا ”تم تو اس کی ایسی تعریفیں کرتی ہو، مگر لوگ جو یہ باتیں مشہور کر رہے ہیں
 کیا سچ نہیں ہیں؟“ اصل یہ ہے کہ توبہ کے اشعار جس کسی کے گوش گزار ہوئے تھے
 اسی یقین آگیا تھا کہ اُس کا لیلیٰ سے ناجائز تعلق ہی لیلیٰ نے حضرت معاویہ کا یہ حال
 سن کر جواب دیا ”حضور ہر وہ بات جو لوگوں میں مشہور ہو۔ سچ نہیں ہوا کرتی“ یہ کہہ کر
 توبہ کی ہزار ہا خوبیاں اور اس کے عفا و انقا کے حالات بیان کرنے لگی معاویہ
 نے کہا ”مگر لوگ تو اسے زانی بتاتے ہیں“

لیلا نے اب اپنا ایک قصیدہ پڑھنا شروع کیا۔ جس میں توبہ کی خوبیاں اور
 نیکیاں بہت زور دیکے بیان کی تھیں۔

اب معلوم ہوتا ہے کہ توبہ کے متعلق اکثر لوگ اعتراض کیا کرتے تھے۔ اور وہ سب
 کو آزادی سے جواب دیا کرتی تھی توبہ کی حمایت میں اس کی پاک دامنی کی جرأت یہاں
 تک بڑھ گئی تھی کہ حلیفہ عبد الملک بن مروان نے جس زمانے میں کہ وہ بالکل بوڑھی

اور بصورت تھی اس سے تعریف کیا گیا۔ ”تم میں وہ کونسی ادا تھی جسے دیکھتے تو بہشت ہو گیا؟“ لیلے نے نہایت ہی جرأت سے اس کو یہ الزامی جواب دیا کہ ”اور آپ میں وہ کونسی خوبی ہے جسے دیکھ کے لوگوں نے آپ کو خلیفہ بنالیا؟“ اس جملہ پر عبدالملک کو اس قدر سنہنی آئی کہ لوٹ گیا۔

اسی زمانے میں دالی عراق حجاج بن یوسف ثقفی نے ایک دفعہ اس سے کہا ”لیلے!، اب تو تمہاری جوانی گزر گئی۔ سچ خج بتاؤ تم سے اور توبہ سے کسی قسم کا تعلق تو نہ تھا؟ اس قسم کہا کے کہا کہ وہ اپنے عشق میں ہمیشہ پاکباز تھا، پوچھا ”اچھا کہی اس سے تم سے کوئی ناجائز خواہش تو نہیں کی؟“ بولی ”کبھی نہیں۔ صرف ایک مرتبہ اتنا ضرور ہوا کہ اس نے نفس کے غلبے سے مغلوب ہو کے کچھ ارادہ کیا تھا مگر میں نے یہ دوشعر پڑھے اور وہ نادم ہو کے خاموش ہو گیا۔

دو ذی حاجۃ قلنا لا تلج بہا فلیس الیہا ما حییت سبیلہ
لنا صاحب لا ینسبغی ان نکوئہ وانت لا خری فارغ وعلیلہ

بس اس کے بعد کبھی اس نے ایسا قصد نہیں کیا۔

ان باتوں پر حجاج کا دل نہیں بہا تھا۔ پوچھا ”پھر کیا ہوا؟“ اس نے کہا ”توبہ نے ایک مرتبہ اپنے ایک دوست کو بھیجا اور کہہ دیا کہ تمہارے قبیلے یعنی بنی عبادہ کی فروگاہ کے پاس کسی ٹیلے پر چڑھ کے یہ شعر پڑھنا۔

عفا اللہ عنہا اہل بیتین لیلۃ من الدبر لا سیر علی خیالہا

اس شخص نے اس ہدایت کے موافق ہمارے خیمے کے سامنے ایک بلندی پر کھڑے ہو کے یہ شعر پڑھا تو میں سمجھ گئی کہ یہ توبہ کا قاصد ہے۔ فوراً اس کے جواب میں میں نے بھی اُسے یہ شعر سنا دیا۔

(۱) خدا اس گناہ معاف کر دے ہلا کہی مجھ وہ رات بھیب ہوئی جو خیال میں بھی نہیں آتی۔

عے ترجمہ (۱) اور حاجت والے اپنی حاجت پیش کی تھیں کہہ کہ یہ تمہارے قبیلے کا ہے اور زندگی بھر کی کوئی بات نہ ہوگی۔ (۲) ہمارا ایک صاحب چہرہ کی پیور خیانت نہ کر فی جاہل اور تم بھی دوسری صورت سے توبہ اور اس کو شہرہ ہو

و عنہ عفار بنی و احسن حفظہ عزیز علیہا حاجۃ لا تبالیہ
اس پاکدامنی کا اعتراف صرف لیلے ہی نے اپنے اشعار میں نہیں کیا ہو بلکہ خود
تو بھی اپنے ایک شعر میں صاف طور پر اپنی معشوقہ کے دعوتِ عصمت کی
تصدیق کرتا ہے وہ کہتا ہے ۔

علی و مارا لبدن ان کان لعلہا ییری لی دنیا غیرانی از درہا
لیلے نے اخیلیہ جب حجاج سے ملی ہے تو اس نے اسے دس ہزار درم انعام
میں دئے اور پوچھا ”اگر کوئی اور آرزو ہو تو وہ بھی بیان کر دے“ اُسے کہا میرے
چچا زاد بھائی قتیبہ بن مسلم جو ان دنوں ترکستان میں ہیں ان کے دیکھنے کی تمنا ہے
اگر وہاں تک پہنچاؤ گئے تو نہایت ممنون ہوگی قتیبہ بن مسلم کا نام غالباً ہمارے
ناطرس نے اکثر سنا ہوگا ۔ اس لئے کہ یہ عرب کا بہت مشہور اور زبردست سپہ سالار
تھا جو خراسان سے ترکستان اور وہاں سے بڑھ کے کاشغر میں جا پہنچا تھا ۔ اور اس
ارادہ میں تھا کہ فتح و نصرت کے پیر سے ارٹاتا ہوا ۔ مملکت چین میں پہنچ جائے حجاج
نے لیلے کی خواہش کے مطابق اُسے ترکستان میں بھیج دیا ۔ جہاں پہائی سے مل کر
واپس آئی ۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسی سفر سے واپس آتے وقت شہر سے
میں پہنچ کے پیوند زمین ہو گئی ۔

لیکن یہ غلط ہے ۔ اس کی موت کا اصلی واقعہ یہ ہے کہ ترکستان سے واپس
آئیے بعد ایک مرتبہ اپنی شوہر کیساتھ صحرائے عرب میں سفر کر رہی تھی کہ اتفاقاً اس
وادی میں گزر رہا تھا اس کے عاشق توبہ بن حمیر کی قبر تھی ۔ شوہر سے کہو گئی ”
میں توبہ کی قبر سے جاؤں گی“ اس شخص روکا ۔ مگر لیلے نے نہ مانا اور ایسی ضد کی کہ شوہر کو
اجازت دینی ہی پڑی ۔ اب اس نے اس ٹیلے پر جس ٹیلے پر عاشق مرحوم کی قبر تھی
سے اور خالص گناہ معاف کرے اور اسے اپنی لمان میں رکھو اسکی وہ حاجت بھی نہ بوائی میں شہر نہ
علم چھ کفارہ میں اونٹوں کی قربانیاں دینی پڑیں ۔ اگر اس کا شوہر مجبور اسکے کہیں اس کو
مل لیتا ہوں میری اور کوئی خطا پاسکے ۔

اونٹ کو چڑھایا اور قبر کا سامنا ہوتے ہی چلا کے کہا "اے اسلام علیک یا توبہ" اس وقت اور لوگ بھی لیلیٰ کے ساتھ تھے۔ سلام کر نیچے بعد ان ہمسایوں کو دیکھ کر نہایت حسرت سے کہنے لگی "لوگو! اس سے پہلے مجھ پر توبہ کا کوئی جھوٹ نہیں ظاہر ہوا تھا؟" کسی نے پوچھا "جھوٹ کیا" بولی "کیا تم نے توبہ کے یہ اشعار نہیں سنے؟" ۵

ولولن لیلیٰ الا حیلۃ سلمت
علی و دونی تریہ صفا
سلمت تسلیم البشا شتہ اورتی ۵
ایٹھا صدی من جانب الصبر صفا

اگر یہ اس سے پہلے کہا تھا تو ہر عیاں کیوں نہیں دیتا؟ ۵
وہ حسرت کیسا تلخ یہ سوال کر ہی رہی تھی کہ ایک بڑا اونٹ جو قبر کے کسی کو نہیں چہچہاتا تھا ایک دفعہ گہر کے اوپر پڑا کے اڑا۔ اور اپنے آشیانے سے نکلتے ہی نے لیلیٰ کے اونٹ کے منہ سے اس زور کی سافٹ ٹنگائی کہ اونٹ بھڑکا اور اس طرح کود دیا نہ اند لگا کہ لیلیٰ اٹھل سے نکل کے دوڑ جا گری۔ اور گرتے ہی روح پر وار کر گئی اس کے شوہر اور تمام ہمسایوں نے اس واقعہ کو حیرت سے دیکھا۔ اور اسے قیامت کا انتظار کرنے لگے۔
نئے اسی کے عاشق صادق کے پہلو میں سلا کے گہروانہ ہوئے۔

ام سلمہ زوجہ صفاح

یہ ایک خالص عربی معاشرت کا نمونہ تھا اور انکی بھی وہ معاشرت جو ان کے متمدن
بھتیجے کے بعد کی ہے۔ یہ خاتون یعقوب بن ولید بن عبد المذہب بن ولید بن مغیرہ خنزوی
کی بیٹی تھی۔ اور اسی شریف قبیلہ کی یادگار تھی جس کی ایک مشہور یادگار سیف اللہ
خالد بن ولید تھے۔ وہ حسن و جمال کے علاوہ بڑی صاحب تمیز سلیمہ شہار اور شہنا
تھی۔ اور خدائے اُسے مال و دولت سے بہرہ ور کیا تھا۔ پہلے عبد العزیز بن عبد الملک
سے اگر دیلائے خبیلیہ مجبور سلام کرے اور میری یہ حالت ہو کہ مجھے خاک کا ڈھیر ہوا اور پھر کی سلیمین
تو بھی میں اسے نہایت خندہ جبینی سے سلام کا جواب دوں گا۔ یا قبر کے پہلو سے کسی ہاتھ کی آواز
بلند ہو کے اس کے سلام کا جواب ادا کرے گی۔

بن مروان کے عقد نکاح میں تھی۔ پہر ہاشم نام ایک معزز دولت مند عربیہ اس سے
 نکاح کیا۔ ہاشم کے بعد ایک دن اپنے مکان میں بیٹھی ہوئی باہر کا منظر دیکھ رہی تھی کہ
 سامنے سے ایک خوب رو خوش جمال جوان رعنا کا گزر ہوا۔ اس لڑکھان کی صورت دیکھتے
 ہی ام سلمہ دل میں فریفتہ ہو گئی۔ اور ہم صحبت خاتون قوم سے دریافت کیا کہ یہ کون
 شخص ہو جواب ملا کہ ”ان کا نام ابوالعباس سفاح ہے اور عم رسول اللہ حضرت عباس
 کی نسل سے ہیں۔ ان دنوں بنی امیہ کی حکومت تھی اور بنی ہاشم عام اس کے فاطمی
 ہوں۔ یہ عباسی غربت و فلاکت میں مبتلا تھے عہدہ داران سلطنت اور معزز سوانحی
 میں بھی ان کی ایسی قدر و منزلت نہ تھی کہ کوئی دولت مند عورت ان کی طرف توجہ
 کرتی مگر ام سلمہ مفرد میہ ابوالعباس سفاح کی صورت پر کچھ ایسی فریفتہ ہوئی کہ کسی بات
 کا خیال نہ کیا۔ اور اپنی ایک لونڈی کو ان کے پاس پہنچ کے خود ہی نگاہ کا پیغام دیا
 اور پیغام کے ساتھ سات سواشر فیاں بھیجیں کہ یہ آپ کی نذر ہیں۔ لونڈی نے آکے
 سفاح کو یہ پیغام دیا تو انہیں اپنی اس خوش اقبالی پر حیرت ہوئی اور اس سے کہا اور
 مگر میں تو مفلس و نادار ہوں۔ انہوں نے ناداری کا شکوہ کیا تو اس نے وہ سات
 سواشر فیاں پیش کر دیں کہ ”رو پیہ کی ضرورت ہے تو ہماری بی بی نے خود ہی یہ رقم
 تمہاری نذر کی ہے“ اب کیا تھا سفاح خوش خوش اپنا گہرا آئے۔ پہر ام سلمہ کے ہاں
 کے پاس جا کے شادی کا پیغام دیا۔ انہوں نے قبول کیا۔ اور دو ہی چار روز میں
 پانچ سواشر فی مہر پر نکاح ہو گیا۔

شب کو ابوالعباس سفاح جب حجلہ عروسی میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہاں
 ایک شہ نشین پر بیٹھی ہوئی ہے۔ جس پر مفرق و مرصع فرش ہو بال بال موتی پر ریز
 ہوئے ہیں اور سارے پنڈے میں کوئی جگہ نہیں جہاں سے جو اہرات ضو نہ دے
 رہے ہوں۔ دولت مندی کا ایک ایسا نمونہ اور ایسا آنکھوں کو خیرہ کرنے والا منظر
 کہہ ہی ان غریب کی نظر سے نہیں گزرتا تھا۔ یہوت و غش شدہ کپڑے رہ گئے۔ اور کسی
 طرح قدم بڑھانے کی جرات نہ ہوئی۔ تب ام سلمہ نے لونڈی کو بلا کے شہ نشین کے

بیچو منہ بچو پائی۔ اور گرمیوں کے سادے کپڑے زیب پر کئے۔ مگر اب بھی امارت و حسن کا استار عجب تھا کہ سفاح کو ہاتھ لگانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ آخر ان کا دل بڑھانیکے لیے دو لہن لے خود ہی کہا دو تم گھبراؤ نہیں۔ آؤ پاس بیٹھو اور باتیں کرو۔ غرض ام سلمہ کی دلہن ہی سے سفاح میں اتنی جرأت پیدا ہوئی کہ دو لہن ڈھکھا ایک دوسرے سے مانوس ہوئے۔

اس کے بعد سفاح کی یہ حالت تھی کہ نام کو شوہر تو مگر حالت کو دیکھ کر تو معلوم ہوتا تھا جیسے بی بی کے غلام بے درم ہیں۔ حلف اٹھائی کہ زندگی بہر متھار ہی رہو نگا نہ کوئی اور شادی کرو نگا۔ اور نہ کسی لونڈی سے کہی سروکار کرو نگا۔ میاں بی بی میں حد سے زیادہ محبت تھی۔ ابو العباس کوئی کام بغیر بی بی کے مشورہ کئے نہ کرتے تھے۔ اور کہی ان کی مرضی کے خلاف نہ کرتے۔ غرض نہایت ہی آرام و آسائش سے گذر رہی تھی۔ بی بی کی دولت نے سفاح کو بھی ایک رئیس اعظم بنا دیا تھا اور خدا نے مسرت کو اور ترقی دینے کے لیے اولاد بھی عطا فرمائی تھی اسی طرح ابو العباس کی اقبال مندی کا پہلا نمونہ اس صاحب مال و جمال بی بی ہی کی ذات سے نظر آیا۔

چند روز بعد انقلاب نے مانہ لے بنی امیہ کا دفتر الٹ دیا۔ بنی عباس کا سیدہ اقبال چپکا۔ خلافت اسلامیہ کا تلخ سفاح کے سر پر رکھا گیا۔ اور دنیا کا سب سے بڑا ہتھیار وہی شخص بن گیا۔ جسے اپنی فلاکت سے دو تہذیبی بی بی کے پندے میں ہاتھ لگانا بھی جرأت نہ ہوتی تھی جو افلاس کی کمزوری سے بی بی کا درم نا خریدہ غلام بنا ہوا تھا۔ اور اسی صورت و یکے ڈرتا اور سہا جاتا تھا۔ مگر با ستمی شرافت کے اثر سے مالک تاج و دیہیم ہو کر بعد بھی سفاح کے تعلقات اپنی ناز آفریں بی بی ام سلمہ سے ویسی ہی رہے۔ اور اب بھی مجال نہ تھی کہ کوئی کام اس کی مرضی کے خلاف کریں یا کسی اور عورت کو آنکھ اٹھائے دیکھیں۔ لیکن حکمرانی و جہاں پناہی نے اب دربار اور صحبت میں بعض ایسے لوگ بھی پہنچا دیے جو امرائے دلوں میں طرح طرح کی خواہشیں اور ہوسیں پیدا

کر کے ان کی سیرکاری و عیش پرستی سے خود فائدہ اٹھایا کرتے ہیں۔

چنانچہ ایک بڑے زبان آور اور لسان مصاحب خالد بن صفوان نے موقع پر ایک ایک تنہائی میں عرض کیا "امیر المؤمنین! مجھے حضور کی حالت دیکھ کے بڑا تعجب آتا ہے۔ اقدار خدا نے ایسے دئے ہیں کہ چاہے کیسا ہی حکم ہو مجال نہیں کہ اس کی تعمیل میں ایک لمحہ کی بھی دیر ہو سکے۔ قلم و اتنی بڑی ہے کہ ساری دنیا تابع فرمان ہو اور باوجود سطوت اور جبروت کے ایک عورت حضور پر حاکم ہو۔ اور اس کے بندہ فرمان بنے ہوئے ہیں وہ بیمار ہو تو حضور بیمار ہیں۔ گھڑی بہر میں نظر سے اوجھل ہو تو حضور آپریں نہیں ہیں ایک اسکے بس میں ہو نیکی وجہ سے حضور نے سارے لطف اور دنیا کی تمام لذتیں اپنے اوپر حرام کر لی ہیں۔ حتیٰ کہ حضور کو یہ بھی نہیں معلوم ہونے پانا کہ حسینانِ عالم میں خدا نے کیسی کیسی ناز و آفریں دلربائیں پیدا کیں ہیں کوئی قیامت قائم ہے۔ کوئی ماہ طلعت ہے۔ کوئی گل رخسار ہے۔ کوئی چہرہ سہمی اور نازنین ہے۔ کوئی سالوئی اور نمکین ہے۔ کوئی مدینہ کی جادو بیان ہے جو اپنی پیاری پیاری باتوں میں بہا لیتی ہے کوئی کوفہ یا بصرے کی شیریں زبانی ہے جس کی چوٹیں نہ پر کا اثر رکھتی ہیں کسی کی زلفیں دل کو اپنے پندے میں بہا لیتی ہیں کسی کی سرکھیں آنکھوں کے تیر کلیمہ میں اتر جاتے ہیں۔

اسی طرح خالد بن صفوان دیر تک طرح طرح کے حسینوں کی تصویریں سفاح کی آنکھوں کے سامنے کھینچتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کا دل ڈلوا ڈل ہو گیا اور دل میں کچھ لگا رہا۔ سچ تو کہتا ہے۔ اپنی اس حماقت کے باعث میں کیسی کیسی لذتوں سے محروم ہوں۔ اب خالد تو آگ لگا کے چلتا بنا اور دل میں خوش تھا کہ میں نے میدان مار لیا۔ اگر میری باتو میں آ کے سفاح نے کسی دوسری عورت کی طرف توجہ کی تو پہر مجھ سے زیادہ کوئی خوش نصیب نہ ہوگا۔ اور سفاح کی یہ حالت تھی کہ ایک سوچ میں پڑا ہوا تھا اور کوئی فیصلہ نہ کر چکتا تھا اسی حالت میں تھا کہ ام سلمہ آئی اور اسے ملول و خرم دیکھ کے سبب پوچھنے لگی۔ بار بار اسے تسلی دیتی تھی اور کہتی تھی "آخر آپ کو کس

بات کی فکر ہے؛ کسی بیرونی حریف نے سر اٹھایا ہو؛ کسی نے بغاوت کی ہو؛ کوئی ہنگامہ اٹھ کر اٹھوا؛ آخر کوئی ایسی بری خبر آئی ہو جو آپ اس قدر متفکر میں؛ "سفلح بے کہا" خبر ویکوئی نہیں آئی، ام سلمہ "تو یہ وہ نگوڑی کوئی بات ہو جس کے لئے دشمن یوں پریشان ہو رہے ہیں" سفلح "کچھ نہیں" "ام سلمہ" کچھ تو ضرور ہے۔
 سفلح "ایک یونہی سی بات ہے جو تم سے کہنے کی نہیں" ام سلمہ "اور میں بے پوچھے نہ رہوں گی"

آخر ام سلمہ نے "بتاؤ" "مے جلدی بتاؤ" کی یہاں تک رٹ لٹائی کہ مجبوراً سفلح نے ساری سرگزشت سنادی۔ اور خالہ نے جو کچھ کہا تھا بی بی کے سامنے دہرایا۔ سننے ہی ام سلمہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اور غصہ کے تیوروں سے پوچھا "اور تم نے اس حرام زادے کو اس کا جواب کیا دیا؟" اس پر سفلح نے برا شفاستہ ہو کر کہا "یوہ! وہ تو مجھے نیک مشورہ دیتا ہو۔ اور تم اُسے کو سنی ہو!" شوہر سے یہ جواب پا کر ام سلمہ طیش میں بہری ہوئی وہاں سے اٹھ کے اپنی مجلس راہیں گئی اور دس چوبداروں کو بلا کر حکم دیا کہ اسی وقت خالد بن صفوان کے مکان پر جاؤ اور اسے اتنا مارو کہ اس کا کوئی عضو صحیح و سالم باقی نہ رہے

میاں خالد گھر میں بیٹھے ہوئے شاہی انعام کے امیدوار تھے اور وہ کیا دیکھ رہے تھے کہ کوئی شاہی غلام خلعت اور نقد و جواہرات لئے ہوئے آتا ہی ہو گا کہ ناگہاں ڈیوڑھی پر چوہدر نو دار ہوئے اور دروازہ پر پہنچ کر پوچھا "خالد بن صفوان کہاں رہتے ہیں؟" آپ بے اختیار لپک کے باہر نکل آئے۔ اور جوش مسرت سے از خود رفتہ ہو کر کہا "ہاں ہاں جی میں ہی ہوں جو کچھ انعام لائے ہو وہ۔ انہوں نے کہا لو" اور بے تکان بیٹھنا شروع کیا۔ یہ حالت دیکھی تو آپ گہرے گہرے گہرے گہرے دروازہ بند کر لیا۔ اور زیادہ نہیں بیٹھ پائے۔ گھر کے مارے گھر سے قدم نکالنے کی جرأت نہ ہوئی تھی۔

انہیں گھر میں بند پڑے کئی دن ہو گئے اور سفلح کے غلام روز آ کر کہہ بیٹھے

یہاں تک کہ تیسرے چوتھے دن انہوں نے پکڑ پایا۔ اور کہا ”چلو امیر المومنین بلاؤ ہیں
کئی دن سے کہاں بہاگے ہوئے تھے کہ ہم روز آگے پکٹ جاتے ہیں“ مگر اب خالد کا
خون خشک تھا۔ اور موت کا یقین تھا مارے بانہے سفاح کے دربار میں پہنچے۔ سفاح
تہا تھا۔ مگر اس کے پیچھے ایک کھڑکی میں ایک باریک زرنگار پردہ پڑا ہوا تھا جس کے
اوپر کچھ حرکت بھی محسوس ہوتی تھی۔ خالد دل میں سمجھ گیا کہ بادشاہ کے پیچھے بادشاہ کی
سیکیم بھی موجود ہیں۔ سفاح نے صورت دیکھتے ہی کہا ”تین دن سے کہاں تھو؟“ عرض
کیا حضور غلام بیمار تھا اور نہ ضرور حاضر ہونا سفاح نے کہا ”پچھلی صحبت میں تم نے
حسن دہری جمال عورتوں کی کچھ ایسی صفیتیں بیان کی تھیں جیسی میں نے کبھی نہیں
سنی تھیں تمہارا ان باتوں میں مجھے بڑا مزہ آیا تھا جو اس وقت تک یاد ہو۔“ ذرا ان باتوں
کو پھر میرے سامنے بیان کرو“ خالد نے کہا ”بہتر میں نے عرض کیا تھا کہ جس کسی نے
ایک بی بی کے ہوتے دوسری بی بی کی ضرر ہی اٹھایا“ سفاح نے برہم ہو کر کہا ”ہائیں
یہ تم نے کب کہا تھا؟“ خالد حضور خدا کی قسم ہی۔ اور عرض کیا تھا کہ تین بی بیوں کا گھر بس
ایک بی بی ہی جو برابر اڑے جاتی ہو۔ یہ سنتے ہی بگڑ کے ابو العباس بولا ”خدا کی قسم تو نے یہ
نہیں کہا تھا۔ اگر یہ کہا ہوتا تو میں قرابت رسول اللہ صلعم سے محروم ہوں“ خالد ”اور
حضور میں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ چار بی بیاں شوہر کے لیے صریح آؤت ہیں۔ اسی لوٹھا
اور پرفانی بنا دیتی ہیں۔ اور بیمار ڈال دیتی ہیں“ سفاح (جو مش اضطراب) خدا کی
قسم میں نے یہ باتیں کبھی سنی ہی نہیں نہ سمجھ سکا اور نہ کسی اور سے“ خالد ”جی خداوند تبارک
نے تو بس ہی عرض کیا تھا“ سفاح ”اے بخت میرے منہ پر جوٹ بولتا ہو“ خالد
(چلا کے) تو کیا حضور میری جان لینا چاہتے ہیں؟“ سفاح ”تو نے کہا تھا کہ ایسی ایسی
حیلن عورتیں۔۔۔“ (خالد بات کاٹ کے) ”جی ہاں میں نے عرض کیا تھا کہ یہ
حرم کی دو شیر لوندیاں ایسی سنڈیا ہیں کہ عورت ہونا کیسا یہ تو سوامرو ہیں انکی عورت
ہونے میں بس ایک ہی بات کی کسر ہو گئی ہے“ خالد کے اس فقرہ پر پردے کے پیچھے
سے ایک ہتھکڑی کی آواز آئی۔ اور ساتھ ہی خالد نے کہا ”اور حضور میں نے یہ نہیں

عرض کیا تھا کہ ”بھی مخزوم قریش کا پہول ہیں۔ اور آپ کے پاس تو ساری پہولوں سے
 چھا ہوا ایک اعلیٰ درجہ کا خوش رنگ شاداب مہکتا ہوا پہول موجود ہے اور باد جو داس کو
 آپ دوسری آزاد پہولوں اور لونڈیوں پر نظر ڈالتے ہیں؟“ میرے اس جملہ کے ختم
 ہوتے ہی پردہ سے آواز آئی ”بے شک تم نے امیر المومنین سے یہی کہا ہوگا۔ مگر انہوں نے
 اس کے عوض اپنوں سے نئی نئی باتیں اپنی ہوس کے مطابق بنالیں اور انہیں
 تمہاری جانب منسوب کر دیا“ اب ام سلمہ تو پردہ کے پیچھے بیٹھی مہنس رہی تھی۔ اور
 سفاح کی یہ حالت تھی کہ خالد کو گالیاں دے رہا تھا، ”خدا تجھے غارت کرے، خدا تجھے
 سے سچھے“ اسے برہم دیکھ کر خالد سامنے سے کہک گیا۔ خلیفہ کے سامنے جاتے وقت
 تو اسے موت کا یقین تھا۔ مگر واپسی میں ام سلمہ کی مہربانی سے زندگی کی امید پیدا ہو گئی
 مگر پہونچا ہی تھا کہ ام سلمہ کے خدام جو پہلے اسکے زود کوب کے لیے آئے تھے حاضر ہوئے
 اسے بادشاہ پیغم کی مہربانی کا یقین دلایا۔ اور دس ہزار درہم خلعت کی ایک کشتی۔
 اور بڑے قروقامت کا گھوڑا اور ایک غلام ملکہ جہاں کی طرف سے اس کے حوالہ
 کیا۔ اور واپس گئے۔

پہرا سکے بعد نہ کبھی کسی کو سفاح کے ہکانے کی جرأت ہوئی اور نہ خود اسے
 کسی دوسری عورت کا خیال آیا۔ زندگی بہراپنی پرانی بی بی ام سلمہ سے سنہا ہی۔ اور
 اس کا ویسا ہی تابع فرما بنا رہا جیسا کہ پہلے تھا۔

سمی رامیس ملکہ بابل

بابل کی نسبت تسلیم کیا جاتا ہے کہ اگلی دنیا کا کوئی شہر اس کی عظمت و شان کا مقابلہ
 نہ کر سکتا تھا۔ جب ساری دنیا پر وحشت برس رہی تھی اور تمدن و تہذیب کا کہیں
 پتہ نہ تھا۔ اس وقت دریائے فرات کے کنارے اس شہر کی رونق اور چہل پہل اس قدر
 بڑھی ہوئی تھی۔ کہ قریباً بیس وہ ساری شہروں کی ملکہ بنایا گیا ہے۔ اور سچ یہ ہے

کہ صد باغیغ غریب اور بارونق عمارتوں نے زیور کا کام دے کے اسے واقعی دلہن بنا دیا تھا۔ اسکا پہلا آباد کرنے والا اگرچہ فرود دیتا یا گیا ہو جس کی بدولت حضرت ابراہیم نے وطن ترک کیا اور جس پہلے پہل شاہی اور سلطنت کی بنیاد ڈالی مگر اس شہر کو پہلی عروج جس کی کوششوں سے حاصل ہوا اور جسکی خوش سلیقگی کے طفیل میں اسے ”ملکہ“ اور ”دولہن“ کے لقب دئے جاتے ہیں۔ یہی ملکہ سہمی رامیس تھی جس کا نام آج ہماری کتاب کا زریعہ عنوان ہے اور جس کے حالات ہم تفصیل سے بیان کرنا چاہتے ہیں سہمی رامیس نے بابل کو ایسا سنوارا اور سجا یا تھا کہ تمام عالم کے شہروں نے اس کے عظمت و جلال اور اس کی خوش نمائی و زینت کے آگے اس سے سر جھکا دئے اور بابل کے جس کنوئیں میں ہاروت و ماروت کے سے فرشتے بچنس کے رنگے کوئی تعجب نہیں کہ وہ اسی پری جمال ملکہ کا چاہ غمغیب ہو۔ بابل کی خوشنمائی اور رونق کی داستانیں اسباب کا ثبوت ہے یہی ہیں کہ کسی چیز کے بنانے سزا دینے اور آہ استہ کرنے میں عورت کا سلیقہ مردوں سے کس قدر بڑھا ہوا ہے۔

سہمی رامیس ولادت سرور کائنات صلعم سے ۱۷۰۰ سال پیش اور حضرت موسیٰ جب بنی اسرائیل کو آنا دکر اے مصر سے نکلے ہیں اس کے ۱۷۰۰ سال بعد تھی۔ اور حضرت سلیمان کی شان و شوکت اور بیت المقدس کی تعمیر سے ۲۸۰۰ سال پہلے دنیا میں ایسا اوج و عروج اور جاہ و جلال کا تماشا دیکھ چکی تھی۔ بابل جس ملک کا پایہ تخت تھا وہ اشور یا یا انگریزوں کے تلفظ کے مطابق اسیریا کہلاتا ہے اور جو قوم اس ملک میں آباد تھی اور جس نے دنیا میں پہلے تہذیب و تمدن کے کرشمے دکھائے بنی سام میں سے تھی یعنی وہ لوگ سامی عربوں اور اسرائیلیوں کے اور ہمارے بنی اعظام تھے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کا عروج بھی ہمارے ہی کرشمہ عروج کی ایک پُرکطف داستان ہے۔ ملک اشور یا کا قائم مقام فی الحال الحبرہ کہلاتا ہے جو دجلہ اور فرات کے درمیان واقع ہے۔ اور دولت عثمانیہ کی قلمرو میں شامل ہے۔ اس ملک میں اسی قوم کی ایک اور ملکہ بھی گمزدہ ہے جو فی طور قریش کے نام سے مشہور تھی اسنے بھی بابل کی رونق بہت بڑائی مگر کمی نہیں

اُس سے پانچ پشت پہلے سریر آرائے سلطنت تھی۔ اور اُسکی سلطوت و جبروت سے
دُنیا کا نپ رہی تھی۔

اُسکی راہیں کے حالات قدامتِ دہندہ ملک میں پڑ کے ایسے مشتبہ ہو گئے ہیں کہ
اُسکے واقعات میں سے بہت سی باتوں کی نسبت موجودہ مورخین کو شبہات پیدا
ہو گئے ہیں۔ مگر یونانی مورخ ہیرودوٹس اور قطبی سیاست نے اُسکے کا نام بڑی
تفصیل سے اور شرح و بسط کے ساتھ بیان کئے ہیں گو دونوں کے بیان میں اتنا اختلاف
ہے کہ معلوم ہوتا ہے ہیرودوٹس کی بھی راہیں اور ہے اور قطبی سیاست کی بھی راہیں
اور کبھی راہیں سے پہلے اُسکا شوہر فیوس اشور یا والونکا تاجدار تھا جب وہ مرا تو اگرچہ
اُس کا بیٹا ہی نیاس موجود تھا۔ جو خود بھی راہیں کے بطن سے تھا مگر اُسے نابالغ و نا تجرب
کار دیکھ کے بھی راہیں نے تلخ شہشاہی خود اپنے سر پر رکھ لیا۔ اور یہ نہیں کیا کہ بیٹے
کو تخت نشین کر کے خود اُسکی جانب سے انتظام کرتی بلکہ بیٹے کو محروم کر کے اور
تلخ شہر یاری کو اپنے سر سے زینت دیکے عنانِ حکمرانی اپنے ماتھے میں لے لی۔

وہ نہایت ہی حسین و صاحب جمال بتائی جاتی ہے مگر مورخین یونان کا بیان اگر
صحیح ہے تو اُسکا حسنِ عصمت و عظمت کے زیور سے آراستہ نہ تھا۔ اور معلوم ہوتا ہے
کہ اُسکے شباب کے جوش اور جوانی کی عشرت پرستیوں نے عشقِ با زنی و نازِ آفرینی
کے عجیب عجیب کرشمے دکھائے مگر اس اخلاقی عیب کے ساتھ وہ بڑی عقل مند۔
زبردست۔ مدبّر نہایت ہی خوش سلیقہ بہت بڑی دلیہ و شجاع اور حد درجہ کی اولوالعزم و
خوصلہ تھی اگر نظامِ مملکت میں وہ اپنے حسنِ تدبیر کا ثبوت دیتی بھی تو عرصہٴ نبرد میں بڑے
بڑے زبردست حملہ آوروں سے زیادہ بہادر اور شجاع ثابت ہوتی تھی جشنِ طرب
اور نرم عیش میں وہ اپنی نفاست مزاجی اور خوش سلیقگی کے کمالات ظاہر کرتی تھی تو
شہر کی ترقی اور مالیشانِ عمارتوں کی تعمیر میں اپنی خوش مذاقی و بلند حوصلگی کے ثبوت
دیتی تھی۔ اُسکے شوہر نے اور خود اُس نے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے زور شور اور جوش
و خروش سے فوج کشی کر کے اشور یا کے پڑائے دار السلطنت شہرِ نینوا کو تباہ و برباد اور

مغلوب و مقہور کر دیا۔ اور شوہر کے مرنے کے بعد فتحمدی و حملہ آوری کا سلسلہ جاری رکھنے کے ساتھ ہی اس نے شہر بابل کی آراستگی شروع کی جس میں اس کے حسن کی کرشمہ ساز یوں کا اتنا اثر تھا کہ دنیا بہر میں بابل کے جادو کی شہرت پھیلی اور سحر بابل آج تک مشہور ہے۔ اور کوئی تعجب کی بات نہیں اگر سحر بابل کی ابتدا سہی رامیں کی زنگیں فٹاں اور سنا سنا کرانہ نگاہ ناز ہی سے پڑی ہو۔

اور سچ یہ ہے کہ بابل میں سہی رامیں نے جو عمارتیں بنوائیں ایسی حیرت انگیز تھیں کہ ان کا خیال کرنے سے بھی ایک پراسرار جادو کا کارخانہ خیال کی آنکھوں کے سامنے پہر جاتا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ چیزیں انسانی قوت سے باہر ہیں مثلاً اس نے بابل کے گرد جو شہر بنائے ان میں بڑی اتنی بلند اور ایسی مضبوط تھیں کہ زمانہ اس پر قیامت تک حیرت کرایا رہیگا۔ دریائے فرات بابل کے بیچ میں سے ہو کے بہتا تھا جس کی وجہ سے آدھا شہر اسکے مشرقی کناروں پر تھا اور آدھا مغربی کناروں پر۔ یہ شہر بنیاد دونوں حصوں کو اپنے حصار میں لئے ہوئے تھی۔ یہ شہر بنیاد مربع تھی۔ اور اس کا پورا دور ۲۰ میل کا تھا۔ جبکہ ہر ضلع یا رخ ۵ میل کا تھا۔ اور ۲۲ میل زمین اُس کے رقبہ میں آگئی تھی اس رقبہ ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ شہر ہی نہیں بلکہ گویا پورے ایک ضلع کے گرد ایک بڑے حصار کی طرح دیا گیا تھا اور چاروں طرف سے قلعہ بندی کر دی گئی تھی جس کے اندر عالیشان قلعہ ایران اور بڑے بڑے مکان روزگار مندوں کے علاوہ پھل لانیو اسے باغ تربت بخش چین۔ سرسبز مرغزار اور اہلہاتے ہوئے کہیت بھی جا بجا موجود تھے تفصیل کی دیوار بھی کوئی معمولی دیوار نہ تھی۔ اس کا اتنا ۹۰ فٹ کا تھا۔ اور ۳۵۰ فٹ بلند بتائی جاتی ہے اس کی بلندی پر برابر برابر تین رتھیں سہولت کے ساتھ دوڑ سکتی تھیں یکساں فاصلہ پر ناپ ناپ کے تنو پہاٹ قائم کئے گئے تھے جس پر ٹھوس برجی پٹ چڑھائی ہوئے تھے۔ شہر کے ہر ہر پہلو پر پچیس پچیس پہاٹ تھے۔ جن سے سڑکیں نکل کے بخط مستقیم ان کے مقابل و محاذی پہاٹوں تک چلی گئی تھیں اور چونکہ ان سڑکوں کے قطار سے شہر کے اندر برابر کے مربع قطعات پیدا ہو گئے تھے لہذا یوں سمجھنا چاہیے

کہ شہر کے اندر ۳۴ میل جدا جدا کو اڑ اور حلقہ بنائے تھے۔ شہر سپاہ کے اوپر برابر کی مسافت سے نہایت ہی خوشنمائی و تناسک کے ساتھ ۲۵۰ عا لیشان برج بنائے گئے تھے جنہیں رات بھر پھرے والے پہرہ دیتے اور شہر سپاہ پر فوج گشت لگاتی رہتی۔

دونوں ٹاکے جہاں سے دریائے فرات شہر میں داخل ہوا اور نکلا تھا وہ بھی بڑے بہاری زبردست پہاڑوں سے محفوظ کئے گئے تھے۔ یہ پہاڑ جو دریائے فرات پر بہتے ہوئے تھے یعنی جب کہو لے جاتے تو ٹوٹ کے اور تہ ہو کے کناروں پر سمٹ آتے۔ اور جب راستہ روکنے کے لئے پہلائے جاتے تو سارے دریا کے پائ کو باہر کی آمد رفت سے روک دیتے۔ دریا کے کنارے کنارے ایک سرے سے دوسرے سرے تک عمارت اور مضبوط پستے بنائے گئے تھے اور جہاں دریا سڑکوں کو قطع کرتا وہاں سڑکوں کا سلسلہ قائم رکھنے کیلئے بنائے گئے تھے اور کہتے ہیں کہ ایک راستہ دریا کے نیچے سے بھی کہو د کے اس پار نکال دیا گیا تھا یہ ظاہر ہے کہ اتنی بڑی اور ایسی حیرت انگیز شہر سپاہ اور ان پلوں کا بنانا کوئی معمولی کام نہ تھا اور باوجود اتنی ترقی علم و فن کے آج بھی دنیا کوئی ایسا شہر نہیں تعمیر کر سکی ہے۔ اگرچہ لندن والے اپنے شہر کو اس عہد کا بابل کہتے ہیں مگر بابل کے محلات تاریخ کے صفحات پر نظر آتے ہیں ان سے لندن کو بھی کوئی نسبت نہیں شہر کے عین وسط میں بعل کا مندر تھا جس کا مربع رقبہ ۳۲ ایکڑ زمین پر حاوی تھا اس کو سب کو سنے پر ایک ہی مجمع تھا۔ اور چونکہ ستارہ پرستی ان لوگوں کا اصلی مذہب تھا۔ لہذا ہر مجمع میں تلے اور پرستار طبقے تھے جو ساتوں ستاروں کے سات حرم یا سات دروازے پر گھومتے جاتے اور ہر ستارے کا رنگ بھی الگ الگ معین کر دیا گیا تھا۔ ہنہارنگ ستارے کا ہنہارنگ پہلا چاند کا رنگوں مستری کا۔ سیاہ زحل کا۔ نارنجی عطارد کا۔ زہرہ کا۔ اور سرخ مریخ کا سب سے پہلا طبقہ جو زمین سے قریب تر تھا زحل کا دریا قرار دیا گیا تھا جس میں ہر درو دیوار پر کالازنگ پھرتا تھا۔ اور زحل کے تمام علامات و شعاریاں اس کے جمع کئے گئے تھے اس کے اوپر والے طبقہ میں عطارد کا دریا تھا جہاں ہر طرف نارنجی رنگ تھا اس کا اوپر مجمع کا دریا تھا جس میں ہر چیز سرخ تھی۔ اس کے اوپر سورج کا دریا تھا جہاں درو دیوار پر

سونا پھراتا اس کے اوپر سرہ کا دربار تھا جہاں ہر چیز زرد سنتی تھی اسکے اوپر شتری کا دربار تھا
 جہاں درود بھارا اور ہر چیز نیلگون تھی اور سب کے اوپر چاند کا دربار تھا جہاں کے درود بھارا قرہ
 تھے اور چمکے مختلف رنگ ان برجوں پر باہر کی طرف بھی پھرے ہوئے تھے لہذا ان پر لطیف
 رنگ آمیزیوں سے ان برجوں میں قوس قزح کی سی رعنائی پیدا کر دی گئی تھی
 اس طرح کا ایک بہت بڑا عظیم الشان مندر بجوں بیچ میں بھی تھا جو سب سے بڑا اور
 سب سے زیادہ لمبا چوڑا تھا اس عالیشان مندر کی نسبت سمجھا جاتا ہے کہ دنیا میں آج تک
 اس سے اونچی کوئی عمارت نہیں ہو سکی مصر کے کھارم میں سے جو ہرم سب سے زیادہ بلند
 ہے یہ برج اس سے بھی اونچا تھا یہی وہ برج ہے جو ”برج بابل“ یا ”تل ممدود“ کے نام سے
 مشہور ہے اس میں ویسے ہی طبقے ویسے ہی ستاروں کے نام کے دربار اور عجیبے ہی رنگ تھے
 جیسے کہ چاروں کوڑوں کے چاروں معبدوں میں بنائے گئے فرق اتنا تھا کہ یہاں کی ہر چیز بہت
 بڑے پیمانہ پر تھی۔

یونانی مورخ ہیرودطوس نے اس برج کا نقشہ کھانیچی کوشش کی ہے۔ وہ کہتا
 ہے کہ یہ عمارت تقریباً ۲۰۰ فٹ بلند تھی جس میں ایک دوسرے سے ملحق اور اسی کے اوپر لگاتار
 سات برج بنے چلے گئے تھے ہر برج کی بلند فٹ کی تھی۔ دوسرا برج جو اسکے اوپر تھا وہ
 اس سے ۲۰ فٹ بلند تھا۔ اس طرح ساتوں برج ایک دوسرے سے ۲۰ فٹ بلند ہوتے
 تھے ۲۵ فٹ کی بلندی کو پہنچ گئے تھے۔ پہرا سکی چوٹی پر اعلیٰ کا مندر تھا جہاں ایک
 ۴۰ فٹ کی لمبی خالص سونے کی ٹھوس صورت قائم تھی اس کے پاس سونے کی ایک
 میزاد رکشتی اتنی بڑی تھی کہ اس کی قیمت کا اندازہ ساڑھے پائیس کروڑ پونڈ کا کیا جاتا
 ہے۔ اس بالائی معبد میں دو قربان گاہیں تھیں جن میں سے ایک سونے کی تھی اور دوسری
 خاص پرستش کے دنوں اور عیدوں کے موقع پر یونان جو وہ لوہا بن سلگایا جاتا تھا۔

اس کے علاوہ بھی رامیس نے اور بہت سی قصروں اور ان تعمیر کرائے اور سب سے زیادہ کمال
 یہ کہیا کہ شہر کے متصل ایسے عمدہ اور پختہ تالاب بنوائے اور دریائے کاٹ کے ایسی نہریں
 لگائیں جنہو ایک طرف تو ملک کی زراعت کو بے انتہا ترقی ہوئی اور دوسری طرف شہر والوں

کو دریا کی طغیانی سے بالکل اطمینان ہو گیا۔ اور ہرات میں سیلاب آتا اور دہرائے تالابوں اور نہروں میں پانی کے کم ہوجانے کی وجہ سے طغیانی کا سارا زور ٹوٹ جاتا اور خاص دارالسلطنت کے علاوہ اپنی قلمرو میں بھی اس نے بہت سے بڑے بڑے کام کئے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر دشواری اسکی ہمت اور حوصلہ کے آگے آسان تھی کہیں پہاڑوں کو کاٹنے کے میدان کیو یا کہیں نہریں جاری کیں اور کہیں بڑے بڑے محل تعمیر کرائے۔

لیکن ان عمارتوں اور بڑے بڑے کاموں کو دیکھ کے حیرت معلوم ہوتی ہے کہ کتنی مہمیں کو کونکر فرصت مل گئی کہ اس نے سیر یا والوں۔ فارسیوں۔ لیبیدیا والوں۔ اہل حبشہ اور ملک مصر پر چڑھائیاں کیں جن میں وہ لاکھوں خلعت تو اپنے ہمراہ رکاب لے کے گئی اور کامیاب باور داغ عالم و سالم واپس آئی۔ آخر میں اس نے ہندوستان کی یہ عظمت و قوت اور یہاں کی دولت و ثروت کا شہرہ سنا۔ اور فرج سے کے آمادہ ہو گئی کہ اس ملک کو بھی فتح کر کے اپنے قلمرو میں شامل کرے۔ اور یہی مہم اس کے زوال کا باعث ہوئی۔

جب زبردست لشکر لے کے وہ ہندوستان کی مہم پر روانہ ہو چکی تو ہماری سرحد اراں فوج نے عرض کیا کہ ہندوستان کے راجاؤں کے پاس بڑے بڑے ہاتھی ہیں جو دھیر میں نہروں آدمیوں کو پامال کر ڈالتے ہیں۔ اور جو لوگ ان کی پیٹھ پر سے تیر اندازی کرتے ہیں ان تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ حضور وہاں جا چکی تو اس نے گران ہاتھیوں کو بچنے کی کون تدبیر سوچی ہو؟ ”سمی رائے“ اس آفت سے بچنے کے لیے یہ تدبیر کی کہ تین ہزار کالے سیلوں کو ذبح کر کے ان کی کہالیں کچھائیں اور ان کھالوں کو جوڑ جوڑ کے بہت سے ہاتھیوں کی صورت کے خول بنوائے جو اونٹوں کو پہنا دئے گئے۔ اس طریقہ سے وہ اونٹوں کو ہاتھی بنا کے میدان میں لائی۔ اور غور سے دیکھا کہ ہاتھیوں کو دیکھ کے ڈر جائیں گے اور پیچیں گے کہ ان کے زبردست حریفان کے لشکر میں بھی بڑے بڑے ہاتھی موجود ہیں۔

لڑائی کے شروع ہوتے ہی ہندوستان کے راجہ نے اپنے اصلی ہاتھیوں کے دلی باور

لے کے حملہ کیا۔ اور ادھر سے سہی رامیں اپنے مصنوعی ہاتھیوں اور بہادر سواروں کو
 لیکے بڑھی جب دونوں لشکر مل گئے اور جنگ مغلوبہ ہو رہی تھی سہی رامیں کی فوج کے کسی
 ہاتھی کے کچل جانے اور اونٹ کے بلالے کے بہا گئے سے ہندو راجہ کو آشور یا والوں کے
 ہاتھیوں کی حقیقت معلوم ہو گئی۔ اور سہی رامیں کا سارا فریب کھل گیا اس راز کے
 فاش ہوتے ہی راجہ نے اپنے ہاتھی ریل دئے جنہوں نے آشور یا والوں کے مصنوعی ہاتھیوں
 کو دم بہرے کچل کے رکھ دیا۔ اور سارے اونٹ جو ہاتھیوں کے غلاف میں تھے بلیڈاٹے ہوئے
 بھاگے۔ ان کا ہالکا تھا کہ اہل بابل کو شکست ہو گئی ہاتھیوں سے ڈر کے بدحواس
 بھاگے یہ دیکھ کے ملکہ سہی رامیں نبرد آزمائی کے لیے بڑھی اور میدان جنگ میں آگے بڑھی
 بہادری سے لڑی۔ مگر اسکو کیا کرتی کہ تقدیر پر ہر خلاف تھی آخر اسی بھی سر سے پاؤں تک
 بہت سے زخموں سے چور ہو کے اور کئی کاری زخم کہا کے میدان چھوڑنا پڑا۔ بابل لشکر کا
 زیادہ حصہ قتل ہوا۔ بہت سے بھاگتے میں مارے گئے۔ اور سارا لشکر تباہ ویر باد ہو
 گیا۔ سہی رامیں کا گھوڑا چونکہ بہت ہی تیز دم تھا امداد سوار تیز پاکی بدولت جان بچا کے
 اس بازار مرگ سے نکل آئی۔ اور بازی مار کے ناکام و نامراد اپنے دارالسلطنت بابل
 میں پہونچی۔ مگر دل شکستہ اور لول و خیز کیونکہ شکست و نامرادی سے اُسے اپنی
 زندگی میں یہی پہلا سبق پڑھا تھا۔ دوسرے طرف زخموں نے بھی نیچان کر رکھا تھا ان سب
 باتوں کا ایسا اثر ہوا کہ گھر پہونچتے ہی دنیا ترک کر کے گوشہ نشین ہو گئی۔
 بابل کی اکثر باتیں مشتبہ تھیں منجملہ ان کے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ ان لوگوں کے مذہب
 میں نفس نکر یا صحت اور جسم کو آزار پہونچانے کا بہت رواج تھا۔ بیت خانہ کے متعلق ایک
 بڑا بہاری خفیہ تہ خانہ تھا جس کی ویسی ہی حالت تھی جیسی کہ قرون وسطیٰ میں ننوں کی نقابوں
 کی تھی یعنی اس کے راز نہ کھلنے پاتے۔ اور جہاں بہت سی عورتیں زبردستی بھی بھیجی
 جاتیں جنکو سزا دی یا آزار پہونچا نامنظور ہوتا۔ بیت خانہ کے پوجاری اور کاہن وہاں
 ساری دنیا کی نظر سے چھپا کے اس سیکس پر طرح طرح کے مظالم کرتے سہی رامیں بھی معلوم
 ہوتا ہے کہ اسی تہ خانہ میں چلی گئی۔ جس میں بہت ہی کم لوگ جگے واپس آیا

کرتے تھے اس نہ خانہ کی بانی بھی سہمی رامیں ہی تھی جس نے بہتوں کو سزا دی کے طریقہ سے
اس نہ خانہ میں پہنچ کے دنیا سے ناپید کر دیا تھا اور آخر خود بھی آپ ہی اسیں چلی گئی۔

اسکے بعد عثمان حکومت اس کے بیٹے فی نیاس کے ہاتھ میں آئی جس نے دل میں مان
کیہ طرف سے بغض بھرا تھا چنانچہ تخت پر قدم رکھتے ہی اُس نے کاہنوں اور مقدادوں سے
سازش کر کے سہمی رامیں کو قتل کر ڈالا لیکن اُس پر اس مخفی مقام میں چاہے جتنا بڑا
تظم ہوا اور جس طرح قتل کی گئی ہو مگر شور یا دالوں کے دلوں پر اُس کی عظمت کا جو سکھ
جما ہوا تھا اُس نے عینت کیساتھ ہی اُسے اپنی قوم میں دیوی اور مظہر عفت الہی تسلیم
کر دیا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ بھی تناسخ کے قائل تھے۔ چنانچہ مقتدایان دین صابی
نے لوگوں کو باور کرا دیا کہ سہمی رامیں نے انسانی جسم چھوڑنے کے بعد اپنے حسن و جمال
کی رعایت سے ایک کبوتری کی صورت اختیار کر لی ہے اسی بنا پر اُس کے نام سے خوبصورت
کبوتری کی صورت بنا کے بت خانوں میں رکھی گئی۔ درود پوار پر بھی اُسی کبوتری کی
تصویریں بنائی گئی اور وہ پڑے سے اُسکی پرستش کی جانے لگی۔

کہنا جاتا ہے کہ جو پیر آدموں نے جبکا بڑا مندر بلندی مصر میں تھا ایک فال کے ذریعہ
سے یہ پیش گوئی کر دی تھی کہ سہمی رامیں کو جب ناکامی ہوگی اسوقت وہ دنیا سے
غائب ہو جائے گی۔ اور وہی ہوا

مورخین کا بیان ہے کہ وہ ۶۲ سال کی ہو کے مری۔ اور ۲۴ سال تک تخت شہنشاہی
پر جلوہ افروز ہو کے حکمرانی کرتی رہی یعنی جب تاج شاہی سر پر رکھا ہی اسوقت اُسکی
عمر بیس برس کی تھی۔ جو شہ جوانی کا وقت تھا۔ اور اُسکی نوعمری کی بیوگی نے اگر اُس
بعض قسم کی بے اعتدالیاں پیدا کر دی ہوں تو کیا عجب ہو؟

ازن کا شہرواں ارمنیوں میں سہمی رامیں کا شہرہ کہلاتا ہے۔ جہاں بعض پتھروں
میں ایسے کتبے برآمد ہوئے ہیں جنہیں سہمی رامیں حالات لکھے ہوئے ہیں۔

ملکہ استیر اسرائیلیہ

بخت نصر شاہ بابل جب پوری قوم بنی اسرائیل کو گرفتار کر کے ارض بابل میں لے گیا اور فرعون مصر کے جو دوستم سے نجات پانیکے بعد خدا کی اس منتخب قوم کو دوبارہ اسیری و غلامی کی مصیبت میں مبتلا ہونا پڑا ہے تو وہاں انہیں انقلابات سلطنت اور مختلف تاجداروں کے اختلاف مذاق سے عجیب عجیب واقعات پیش آئے۔ اہل بابل کے مغلوب اور انہوں کے ہاتھ سے تباہ ہونے کے بعد بھی اگرچہ ایک مدت تک یہود کو آزادی انہیں نصیب ہوئی۔ مگر ان دنوں اس اسیری ہی میں کبھی کبھی ان کا ستارہ اقبال چمک بھی جایا کرتا تھا انہیں خوش اقبالی کے واقعات میں سے ایک حسین ویری ویش اسرائیلیہ لڑکی استیر کا واقعہ ہے جو سچ یہ ہے کہ اپنے حسن و جمال اور اپنی دلغریب بہاری صورت کی بدولت خود ہی اپنی قوم کا ستارہ اقبال بن گئی تھی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دلغریب چہرے میں جیسی نزاکت و نازتینی تھی ایسی اس کے دل میں نہ تھی کیونکہ اس نے اپنے حسن کی کرشمہ سازیوں سے فقط اپنی قوم کے بچانے ہی پر کتفا نہیں کیا بلکہ ہزار خلقت کو قومی بغض کے جوش میں قتل نہرا دیا۔

اس کی داستان جو کتاب مقدس توراہ (عہد نامہ قدیم) میں درج ہے یہ ہے کہ جب شہنشاہ خشویرش (جو تاجداران فارس میں تھے) سرپرست سلطنت ہوا اور اس کا حکم حدود و سرحد سے لے کے سواحل بحیرہ روم تک جاری ہو گیا تو اپنی تخت نشینی کے تیسرے سال اس نے ایک بڑا بہاری جشن منایا اور تمام امرا و عزیزین کو در و در سے بلا کے خاص اپنوار سلطنت شوشن میں بٹھرایا۔ ہر اونے والی کی دعوت کی۔ اس جشن کے سیپے بڑے بڑے سامان کئے گئے۔ جا بجا باغوں اور چمنوں میں پرتکلف فرش اور تھرہ و طلائی تخت بچھائے گئے جہر پر واطلس کے پردے لٹکائے گئے۔ اور سونے چاندی کے برتنوں میں تمام شاہی مہمانوں کو کھانا کھلایا گیا۔ شراب پلائی گئی۔ شراب کی یہ کثرت تھی کہ گویا ستارہ خوالی کی سبیلیں لگا دی گئیں باہر شہنشاہ نے مرد مہمانوں کی اور محل میں اس کی مشہور ملکہ آفاق و شہ ملکہ نے عورتوں کی مہمان نوازی کی۔ اور انہیں انعام و اکرام سے سرفراز فرمایا

جشن شروع ہوئی کے ساتویں دن اشتوبہ پریش نے جبکہ شہنشاہ سے مخمور تھا اور خوش
 سرور و رور پر تھا خواجہ سراؤں کو بلا کے حکم دیا کہ وشتی ملکہ سے کہو کہ ہر تکلف لباس پہن
 کے اور تاج شاہی سر پر رکھ کے یہاں مردانے دربار میں آئے اور میرے برابر جلوہ افروز
 ہوئے میری رعایا کو اپنا جمال جہاں آرا دکھائے خواجہ سراؤں نے بادشاہ کا یہ حکم ملکہ
 کو پہنچایا تو اس نے اس مجمع عام میں آنے سے انکار کیا جس پر شہنشاہ اشتوبہ پریش
 نہایت برا فروختہ ہوا اور اپنے مشیروں اور ساتوں معزز زنیروں سے جو فارس
 کے رئیس تھے مشورہ طلب کیا کہ اس نافرمان ملکہ کے بارے میں کیا کیا جائے؟
 وزیر اعظم موکان نے زمین بوس ہو کے عرض کیا کہ ”ملکہ نے فقط حضور کی نافرمانی نہیں
 کی بلکہ ایک بڑا بہاری قومی گناہ کیا ہے۔ اس کی نافرمانی کی خبر گھر گھر مشہور ہوگی اور تمام
 عورتیں یہ دیکھ کے کہ بادشاہ کی ملکہ انکا کہنا نہیں مانتی اپنے شہیروں کی نافرمانی کرنے
 لگیں گی۔ اور سارے شہر اپنی جوروں کی نظر میں حقیر ہو جائیں گے۔ اسلئے مناسب
 معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ اس رتبہ سے کہ بادشاہ کی محبوبہ خاص ہیں محروم کر دی جائیں
 اور یہ مرتبہ اعلیٰ کسی اور ایسی خاتون کو دیا جائے جو حضور کی فرمانبرداری کرے اور پھر
 اسے دیکھ کے ساری مملکت کی عورتیں اپنے شہیروں کی اطاعت گزار بنیں۔ یہ
 رائے بادشاہ نے پسند کی۔ اسی پر عمل ہوا۔ اور شہنشاہ کی محبوبہ خاص پہنے
 کے درجہ سے محروم کر دی گئی۔

اب بادشاہ کے لیے کسی نئی حسینہ کی تلاش شروع ہوئی بادشاہی غلاموں کی تحریک
 پر ساری قلمرو میں حکم جاری ہو گیا کہ ہر جگہ حسین اور کنواری لڑکیاں جمع کجا جائیں اور
 ان میں سے چھ جادو نگار عورتیں منتخب ہوں وہ لاکھ ایوان شہر باری میں شاہی خواجہ
 سراؤں کے زیر نگرانی رکھی جائیں تاکہ وہ انہیں بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کر سکیں
 قابل بنائیں۔ بادشاہ کی خلوت میں پیش ہوئی کے لیے ضرور تہا کہ ہر ایک حسینہ ایک
 سال تک خواجہ سراؤں کے زیر اہتمام رہے جسے چہرہ مہینے تک مراور لو بان اور
 عود وغیرہ کی دہونی دیکھائی اور چہرہ مہینے تک اس کے ہنڈے میں عود اور لکڑی اور

خوشبودار چیزوں کے تیل بٹنے اور عطریلے جاتے -

الغرض سارے ملک سے آٹھ جادو نگاہ اور سر وقامت دریا میں چن کے بادشاہ کیلئے رکھی گئیں۔ انہی میں ایک استیر بھی تھی جس کی اصلیت یہ تھی کہ ارض مقدس سے جو پہلی گرفتار ہو کے بابل میں آئے تھے ان میں سر دھائے، نام ایک اسرائیلی تھا جو دنیا میں کی نسل سے تھا استیر اس کے چچا کی بیٹی تھی جو اسے ماں باپ کے مرجانے سے مرنے کی تولیت میں تھی۔ اور مرد دھائے نے بیٹی بنائے اسے ناز و نعم سے پالا تھا جس جہاں میں دور دور تک اس کا جواب نہ تھا اور یہ حالت تھی کہ جس کی طرف نظر نہا کے دیکھ لیتی اسکا شید اور گرویدہ ہو جاتا مرد دھائے نے خود ہی استیر کو خواجہ سراؤں کے پاس بھیج دیا مگر تاکید کر دی کہ خبر دار کسی کو یہ نہ بتانا کہ میں اسرائیلیہ ہوں۔ یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ بچ بچ کر کے رکھ نہ لی جاتی خواجہ سراؤں نے اسے پسند کر کے رکھ لیا اور اس کی تدخین و تدبیریں ہوتی برس گزرنے کے بعد ان آٹھوں لڑکیوں میں سے ہر ایک بادشاہ کی خلوت سرا میں بھیجی گئی۔ اور صبح کو ناپسند ہو کے نکل گئی استیر کی باری آئی تو بادشاہ اخشوریش دیکھتے ہی فریفتہ ہو گیا۔ اور اسی کو بادشاہ کی محبیہ خاص اور ملکہ آفاق بننے کی عزت دی گئی اس طریقہ پر اخشوریش کی تخت نشینی کے ساتویں برس استیر اسکی ملکہ بنی ایسی پری جمال اور حور و ش ناز میں کے لئے پر بادشاہ نے بڑی خوشیاں کیں جشن منائے لوگوں کو انعام و اکرام سے سرفراز کیا۔ استیر نے اب تک کسی کو اپنا اسرائیلیہ ہونا نہیں بتایا تھا۔ مگر ہر میں اپنے مری مرد دھائے کی مطیع و متقاوتی اور مرد دھائے کو بھی اس سے اس قدر محبت تھی کہ اب اس نے بھی بادشاہ کی ڈیوڑھی ہی پر رہنا شروع کر دیا۔

اتفاقاً مرد دھائے کو شاہی ڈیوڑھی پر پڑے پڑے یہ حال معلوم ہوا کہ بادشاہ کے دو غلام اس کی جان پر حملہ کرنے کی تاک میں ہیں اس کا حال اسے استیر کو بتا دیا اور استیر نے جلے بادشاہ سے عرض کر دیا حقیقتا کی گئی تو ثابت ہو گیا کہ وہ دونوں غلام واقعی اس کے ایک امی کی تجویز میں تھے اس جرم کی سزا میں ان دونوں کو سولی دی گئی۔ اور بادشاہ نے حکم دیا کہ یہ واقعہ پورا پورا اس کے روزنامے میں درج کر دیا جائے۔

اس اثنا تیس بادشاہ وزرا میں سے اپنے ایک زیر چرب کا نام ہامان تھا بہت مہربان ہوا
اسکا تقرب روز بروز بڑھتا گیا۔ اور ساتھ ہی اُس کی عزت و وقعت بھی بڑھانی لگئی یہاں
تک کہ عالم حکم دیدار کیا کہ جب وہ قصر شاہی میں آیا کرے تو تمام غلامان شاہی سامنے
ہوتے ہی اُس کے سامنے سجدے میں گر پڑا کریں سب غلاموں نے اس حکم کی تعمیل
کی مگر مرد خائے جو ہمیشہ آتے جاتے وقت ہامان کو بادشاہ کی ڈیوڑھی پر بیٹھا نظر آیا کرتا تھا
کبھی سجدہ نہ کیا بعض غلاموں نے کہا بھی کہ تم سجدہ کیوں نہیں کرتے؟ اُس نے جواب دیا کہ
یہ مجھ سے ہنوگا کہ ایک مخلوق کے آگے سجدہ کروں غلاموں کا جب مرد خائے پر کوئی زور
نہ چلا تو ہامان سے جا کے لگادی کہ شخص آپ کے آگے سجدہ کرے اسے انکار کرتا ہوں اور ساتھ
ہی یہ بتادیا کہ یہ یہودی ہے ہامان یہ سن کے نہایت برا فروختہ ہوا اور ارادہ کیا کہ اُس سے انتقام
لے۔ مگر دل میں کہا کہ اکیلے اس ایک تنہا سے بدلہ لیا بھی تو کیا میں اسکی ساری قوم جو بے لوث لنگا
اور اس فکر میں لگا کہ اختوپیش کی سلطنت میں تہجو اسرائیل ہیں ان سب کو قتل کر ڈالے۔
اختوپیش کی تخت نشینی کے بارہویں سال ہامان نے بوری طرح پتہ لگایا کہ ساری قلمرو
میں کتنے یہودی اور کہاں کہاں آباد ہیں۔ پھر بادشاہ کی خدمت میں اُسکے عرض کیا کہ حضور کے
ملک میں ایک سرکش گروہ ہے جو لوگ متفرق و منتشر طور پر جا بجا آباد ہیں۔ اور سب کی حیالت
ہو کہ احکام شاہی کی بجا آوری میں تامل کرتے ہیں۔ انکاکیش و امین ان کا طور طریق۔ اور
اُن کے رسم و رنج سب جدا ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ زندہ نہ چھوڑے جائیں اس
لیئے حضور کی مرضی ہو تو اُن سب لوگوں کے قتل و غارت کا حکم جاری کر دیا جائے تاکہ وہ مطلقاً
فنا کر دی جائیں اور اس کے معاوضہ میں میں دس ہزار وزن (جو اس زمانہ میں مروج ہوا)
چاندی اون لوگوں کے ہاتھوں سے جو قتل و غارت کی کارروائی کریں گے خزانہ شاہی میں
داخل کرادوں گا۔ بادشاہ نے وزیر کی یہ درخواست قبول کر لی۔ انگوٹھی اتار کے اُس کو ہاتھ
میں دی اور کہا "تیری مہر جو حکم تم کو مناسب معلوم ہو میری جانب سے جاری کر دو۔"
بادشاہ کی منظوری حاصل کر کے ہامان بے انتہا خوش ہوا اور اسی وقت تمام جمہالک
مخروسہ اور کل اضلاع و اقطاع میں عہدہ داروں والیوں۔ امیروں۔ سربراہوں اور

کے نام فرمان جاری ہو گیا۔ کہ فلاں تاریخ ہر جگہ جتنی اسرائیلی ہوں بلا استثنا مرد و امتیاز مع زن و فرزند قتل کر ڈلے جائیں۔ اور ان کا گھر بار لوٹ لیا جائے خیر دار کوئی یہودی زندہ نہ بچے پائے۔ اس حکم کے جاری ہوتے ہی ہر جگہ تہلکہ مچ گیا یہود کے دشمن اپنی تلواریں تیز کرنے لگے اور یہودیوں میں ایک عام ماتم بپا ہو گیا ہر جگہ ایک گھبراہٹ اور اضطراب کا عالم طاری تھا۔ ہاں ایک ہامان البتہ بادشاہ کی صحبت خاص میں بیٹھا شراب کے جام لٹکا رہا تھا۔

مرد خائے کو ان باتوں کی خبر ہوئی تو اس نے مارے صدمہ کے کپڑے پہاڑ ڈلے سارے پنڈے میں خاک ملی۔ ایک کھال اوڑھ لی۔ اور وسط شہر میں کھڑے ہوئے چھین مار مار کے روایا۔ اور اسی موضع سے شاہی ڈیوڑھی پر آیا جہاں عام حکم تھا کہ جو شخص کہاں اور ہے ہوئے ہو چاہے کوئی ہوا نہ نہ اتنے پائے۔ مرد خائے کی اس حالت کی خبر خواجہ سراؤں نے استیر کو پہنچائی تو وہ نہایت ہی ملول ہوئی اور کپڑے پیچھے کہ ان کی کہاں کی پوشاک بولا جس سے مرد خائے نے قطعاً انکار کیا۔ تب استیر نے اپنے رازدار خواجہ سرا استلح کو بھیجا کہ پوچھو ”آخر واقعہ کیا ہے؟“ ہتلخ سے مرد خائے نے ساری کیفیت بیان کر دی۔ اور وہ رقم بتائی جس پر اسرائیلیوں کی جانیں مول لی گئی تھیں۔ اور شاہی فرمان کی ایک نقل بھی پیچیدگی کہ استیر خود ہی پڑھنے کے معلوم کرے کہ اسرائیلیوں کا کیا حشر ہو رہا ہے۔ اسکے ساتھ کہا بھیجا کہ ”تم بادشاہ کے سامنے جا کے رو دو اور اپنی قوم کو اس عام ہلاکت سے بچاؤ یہ پیام سن کے استیر نے کہا بھیجا ”بڑی خرابی تو یہ ہے کہ میں بالکل مجبور ہوں۔ میں ابھی مہینہ بھر تک بادشاہ کے یہاں بلائی نہ جاؤں گی۔ اور وہاں عام قاعدہ یہ ہے کہ چاہے کوئی ہو مرد ہو یا عورت عزیز ہو یا دوست اگر بے بلائے بادشاہ کی خلوت خاص میں چلا جائے تو بلا تامل قتل کر ڈالا جاتا ہے۔ سو اس شخص کے جسے خود بادشاہ اپنے سونے کے عصاؤں شاہی سے اشارہ کر کے اس عام قاعدے سے مستثنیٰ کر دے۔ میں بے بلائے جاؤں گی تو جب تک وہ متوجہ ہوں قتل ہو جاؤں گی اس جواب پر مرد خائے بہت برہم و آشفتمند ہوا اور کہا ”ہیجا“ یہ نہ سمجھ کہ اپنی ساری قوم کے قتل ہو جانے کے بعد تو بادشاہ کے محل میں ہونے کے باعث چین سے بیٹھ سکیں گی۔ اگر تو نے اس موقع پر قوم کی سفارش کو ٹال دیا

تو نبی اسرائیل تو اس عالم میں پہنچ کے آرام پالیں گے اور سرور و نجات کا مرتبہ پائیں گے مگر تو اور تیرا گمراہ ہلاکت میں پڑ جائے گا اور تیرے دل پر ہمیشہ ایک کوفت رہے گی۔ خدا کی مصلحتوں کو کون جان سکتا ہو؟ ممکن ہو کہ اسی دن اور اسی گھڑی کے لئے تجھے اس نے بادشاہ کے محل میں پہنچا یا ہو؟ یہ سن کے استیر کے دل میں قومی ہمدردی کا جوش پیدا ہوا۔ اور کہا ابھیجا۔ اچھا میں قوم کے لئے جان دینے کو تیار ہوں۔ آپ شہر شوشن کے ساری اسرائیلیوں کو جمع کر کے حکم دیجئے کہ میری طرف سے سب روزہ رکھیں۔ میں ان کی سفارش کے لئے بے ہلکے بادشاہ کے پاس جاؤں گی۔ اگر مار ڈالی گئی تو مضائقہ نہیں۔ قوم کی خدمت گزار میں مردوں گی اور جیتی بچی تو شاید خدا میری سُن لے۔ یہ جواب پاکے مرد خانے واپس گیا۔ اور کل یہودیوں کو روزہ کو عادی و استغفار کی ہدایت کر دی۔

جب استیر اور اس کے ساری قوم نے تین دن تک روزے رکھ لئے تو تیسری دن استیر نے شاہی لباس اور زیور سو آراستہ ہو کے در اپنے آپ کو خوب بنا چنا کے بادشاہ کے اندرونی محل میں قدم رکھا اور اس کمرہ کے سامنے جا کھڑی ہوئی جس میں بادشاہ اپنی تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوتا اور جہاں سے بادشاہ کا سامنا ہوتا تھا۔ لوگ اس کے قتل کے لئے چھپنے ہی کو تھے کہ بادشاہ کی نظر پڑ گئی اور جوش محبت سے بیتاب ہو کر فوراً اپنی سوئی کی چھڑی اس کی طرف اٹھادی استیر نے دوڑ کے اس چھڑی کی نوک کو ادب سے چوم لیا اور مودب کھڑی ہو گئی۔ بادشاہ نے نہایت ہی محبت کے لہجے میں کہا ”ملکہ استیر کیا چاہتی ہو؟ بتاؤ۔ مانگو گی تو ادھی سلطنت تک دینے کو تیار ہوں۔“ استیر نے عرض کیا کہ ”اور نہیں میں اتنا ہی چاہتی ہوں کہ بادشاہ اور وزیر ہامان آج میری دعوت قبول فرمائیں۔“ بادشاہ نے فوراً دعوت قبول کی۔ اور اسی وقت ہامان کو بلو اسکے ملکہ کی دعوت میں چلا آیا یہاں جب شراب کے دو ایک جام پیئے اور سرور ہوا تو جام شراب کو سسٹے لگا کر کہا ”ملکہ استیر تمہارا کیا سوال ہو؟ بتاؤ پھر اگر وہی سلطنت تک مانگو گی تو دے دوں گا۔“ استیر نے عرض کیا ”میری تنہا اس یہ کہ کل پھر پوچھیں جسٹور اور وزیر ہامان میری دعوت میں شریک ہوں۔“ بادشاہ نے یہ درخواست بھی قبول کی اور

استیر دوسرے دن کی دعوت کے لئے بڑے بڑے سامان کرنے لگی۔

ہامان خوش خوش یہاں سے نکل کے چلا تھا کہ ڈیوڑھی پر مرد خانے کی صورت نظر آئی جس نے نہ اُسے سلام کیا نہ اُس کے سامنے سجدہ کیا یہ دیکھ کر اس کے دل میں ایک کانٹا سا لگا جو گھر تک ہلکتا گیا۔ گھر پہنچتے ہی اُس نے اپنی جو روزمرش اور اپنے یارانِ صحبت سے کہا: ”خدا نے مجھے بہت کچھ دولت و عزت دی ہو۔ اولاد کی طرف سے بھی خوش نصیب ہوں۔ قدر و منزلت کی یہ حالت ہو کہ بادشاہ نے مجھے ملک کے تمام امور سے زیادہ معزز بنا دیا۔ یہاں تک کہ دیکھو عالی مرتبہ ملکہ استیر کی دعوت میں بادشاہ کے ساتھ شریک ہونے کی عزت ساری سلطنت میں میرے سوا اور کسی کو نہیں نصیب ہوئی اور کل پھر ملکہ نے کمالِ لطافت و کرم سے مجھے اور بادشاہ کو اپنے یہاں مدعو کیا ہے۔ مگر یہ سب باتیں اور ساری عزتیں خاک میں ملجاتی ہیں جب دیکھتا ہوں کہ شاہی محل کی ڈیوڑھی پر مرد خانے پر دلی غرور و نخوت سے بیٹھا ہوا ہو جو نہ میرے سامنے سجدہ کرتا ہو اور نہ مجھے سلام کرتا ہو“ میاں کی زبان سے یہ باتیں سن کے زرش بولی: ”تو تم ایک کام کرو آج ہی ایک پچاس ہاتھ کی لمبی بلی تہی بنوا رکھو اور کل جاتے ہی بادشاہ کی خدمت میں عرض کرنا کہ یہ یہودی ایسا کستخ اور بے ادب ہو اور حضور سے منظوری لے کے اُسے کل ہی اُس دہتی پر سولی دوانا۔ اور جیسا سولی دے چکنا تب خوش خوش جا کے ملکہ آفاق کی دعوت میں شریک ہونا نہ ہامان کو یہ تجویز پسند کی اور اُس دہتی کو تیار کر کے لوگوں کو ہدایت کر دی کہ میرے جانیکے تھوڑی دیر بعد تم اُسے لے کے ایوانِ شاہی میں آجانا۔

ادھر آج ہی رات کو بادشاہ استیر پریش کے وہاں یہ واقعہ پیش آیا کہ بادشاہ کی نین اچھا ہو گئی اور جب کسی بات میں دل نہ لگا تو اپنے کاتب کو بلا کر حکم دیا کہ میرا روزنامہ تو پڑھ کے سنناؤ۔ روزنامہ سننے سننے جاب اس واقعہ پر پہنچا کہ روموںک حراموں نکلا اوں نے بادشاہ کے قتل کی سازش کی تھی مگر مرد خانے کی جس کارگزاری سے ان کا نریب کھن گیا، تو چونک کے بولا: ”اس شخص مرد خانے کے ساتھ اس بیمارگزاری کے صلہ میں ملک کیا گیا، لوگوں نے عرض کیا کچھ نہیں یہ بات رات بھر بادشاہ کے خیال میں رہی اور صبح کو بھی اسی فکر میں تھا

کہ سامنے سے ہامان نمودار ہوا۔ اُس کی صورت دیکھتے ہی اختویرش بولا وہاں تم خوب آئے
 بناؤ کہ جس شخص سے بادشاہ خوش ہو اور اُس کیسیا لقا احسان کرنا چاہتا ہو اُس کیسیا لقا
 کیا سلوک کیا جائے؟ ہامان نے دل میں کہا کہ میرے سوا بادشاہ اور کس سے خوش ہیں
 اور وزیر ہامان کے سوا اور کون ہو سکتا ہے جس پر وہ احسان کرنا چاہتے ہیں لہذا جوش مسرت
 سے از خود رفتہ ہو کے بولا لقاؤند اُسے اپنا بلبوس خاص پہنائیں اپنا تاج اس کے سر پر رکھیں
 اپنے خاص گھوڑے پر اُسے سوار کروائیں پھر اُس شان سے اُسے شہر میں نکالیں اور کسی اپنے
 مخصوص امیر کو حکم دیں کہ اس کے ہمراہ رکاب رہے اور یہ منادی کرنا جائے کہ جسے حضور بادشاہ
 سرفراز کرنا چاہیں یوں سرفراز کرتے ہیں؟ ہامان کی زبان سے یہ الفاظ اُس کے بادشاہ اختویرش
 نے کہا ”بہتر میرا لباس تاج اور گھوڑا لے کے ڈیوڑھی پر جاؤ۔ وہاں مرد خائے نام ایک یہودی
 بیٹھا ہے اُس کو لباس اور تاج پہنا کے اور اُس گھوڑے پر سوار کر کے شہر میں بھڑاؤ اور تم خود اس
 کے ہمراہ رکاب رہ کے منادی کرو کہ جس کو بادشاہ سرفراز کرتا ہے یوں کرتا ہے؟ یہ حکم سننے ہی
 ہامان کے دل میں ایک آگ سی لگ گئی مگر کیا کر سکتا تھا؟ حکم حاکم مرگ مخافات فوراً
 شاہی حکم کی تعمیل کی۔

اس کارروائی کے بعد مرد خائے تو پھر جا کے بادشاہ کی ڈیوڑھی پر ٹہر گیا۔ مگر ہامان خون
 کے آنسو بہاتا اور اپنے حسد کی آگ میں جلتا جھنٹا اپنی بی بی زرش کے پاس پہنچا اور پری
 کیفیت بیان کی۔ اُس نے میان کو دل شکستہ دیکھ کے کہا ”تو مگر پتے کیوں ہو؟
 ایسا ہی ہے تو اب قتل یہود کے دن تم بنی اسرائیل کی خونریزی کی ابتدا شہر شوش میں ہی
 مرد خائے سے کرنا اور اسی دہنی پر اُسے مصلوب کرنا؟ میان بی بیوں میں یہ باتیں ہو ہی ہی
 تھیں کہ شاہی ہرکاروں نے اُسے کہا ”اداپ کی یاد ہوئی ہے ملکہ آفاق حسین و جمین ملکہ
 استیر کی دعوت میں چلئے“

اس پیام سے ہامان کی گونہ اشک ثقیل ہوئی۔ فوراً دوبارہ پکڑے پہن کے گیا اور
 بادشاہ و وزیر دونوں استیر کے محل ہمز اور باغ میں لے گئے کہ اسے پینے میں مصروف ہوئے
 بادشاہ تاج بہنے ہی خوش اور شادمان تھا اور ملکہ استیر کے حسن سے اس کو از خود رفتہ

ہنا رکھا تھا۔ جام شراب کو منہ سے لگاتے ہی بولا، "مازنین و مہ جیس ملکہ! تیرا کیا سوال ہو؟ کہہ چکا کہ مانگے گی تو ادھی سلطنت تک دے ڈالوں گا۔" استیر نے ایک ناز آفرینی کی تو ہوش ربا داد سے زمین ادب چوم کے کہا، "اگر مجھ پر حضور کی نظر عنایت ہو تو بس اتنی التجا اور یہی تنہا و آرزو ہے کہ میری جان بخشی ہو اور میرے ساتھ میری قوم کی بھی جان بخشی ہو۔ کیونکہ ہم سب قتل و غارت کے لیے بیج ڈالے گئے ہیں اور دو تین روز میں ہم سب قتل ہو جائیں گے کاش اتنا ہی ہو تاکہ ہم لوگ بیج کے نوڈھی غلام بنائے جاتے تو میں صبر کرتی۔ مگر یہاں تو ہماری بد نصیبی سے لوگ ہمارے جان کے در پے ہیں۔" بادشاہ نے نہایت متحیر ہو کر پوچھا دوس نے مول لیا! اور وہ کون ہو جسکا البسار اور ہر باب استیر میں غصہ ضبط کرنے کی تاب نہ تھی بولی، "یہی بھخت ظالم ہامان جو پاس بیٹھا ہوا ہے اور ہم سب کے خون کا پیاسا ہے، ملکہ کی زبان سے ایسا سن کے ہامان تو مارے خوف کے کانپنے لگا اور بادشاہ انشوریش شراب پیتے پیتے جام و صراحی کو ہاتھ سے رکھ مارے غصہ کے اٹھا اور سامنے باغ میں جا گئے ٹہلنے لگا مگر چہرے سے غیظ و غضب کے آثار نمایاں تھے۔

بادشاہ کے پٹے ہی ہامان ملکہ استیر کے قدموں پر گر پڑا اور عفو تقصیر کے لیے گر گر رہا تھا کہ بادشاہ طیش کے ساتھ واپس آیا۔ اور ہامان کی طرف جو ملکہ تیر کے سخت کے آگے سر جوڑ پڑا ہوا تھا مخاطب ہو کر بولا، "اور ملی جی میری ملکہ بھی میرے پہلو سے اٹھا کے اوپر بڑبڑ پھینچی جانے گی یا نہیں؟" ادھر بادشاہ کی زبان سے یہ آتش بار الفاظ نکلے اور ادھر شاہی غلاموں نے بے جرموں کی طرح ہامان کا سر کمرے میں لپیٹ دیا یہ کارروائی ہو رہی تھی کہ وہ شخص جسے ہامان حکم دے آیا تھا وہ پچاس ہاتھ لمبی بلی دہنی لئے ہوئے شاہی محل میں پہنچا اور لوگوں نے بڑے کے بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ وہ ہامان نے یہ دہنی اس لیے تیار کر لی تھی کہ اس پر مرد خانے کو سولی دلائے گا، "بادشاہ غصہ میں بہا ہوا تھا ہی حکم دیا کہ "اسی دہنی پر لٹکی اچھا ہے اس ظالم ہامان کو سولی دے، جس کی فوراً تعمیل ہو گئی۔ ہامان کے قتل

ہو چکنے کے بعد اختویرش کا غصہ تھا اور وہ پھر اپنی اسرائیلیہ ملکہ کے گھر میں حبش و
عشرت میں مشغول ہوا۔

بادشاہ نے ہامان کا گھر اور اس کی ساری جائداد ملکہ استیر کو دے دی استیر نے
اب موقع پا کے اپنے اور مردخائے کے تعلقات قربت بادشاہ پر ظاہر کر دے جنکو معلوم
کر کے بادشاہ خوش ہوا اور اس وقت اس کے حسب الطلب مردخائے حاضر دربار
ہو کے زمین بوس ہوا۔ بادشاہ بادشاہ نے اپنی انگوٹھی جو ہامان سے چھین لی گئی تھی اپنی
انگلی سے اتار کر مردخائے کو عطا کی گویا اس کے ساتھ ہی اسے خلعت وزارت
عطا ہوا اور ان سب واقعات کے بعد مردخائے نے جا کے ہامان کے مکان اور جائداد
پر قبضہ کیا۔

لیکن ابھی تک استیر کو اطمینان نہیں ہوا تھا موقع پا کے وہ پھر ایک بار بادشاہ کے
قدموں پر گری اور درود کے عرض کیا کہ حضور مجھے اور میری قوم کو ہامان کے شر سے
بچائیں کیونکہ قتل و غارت یہود کا حکم ابھی تک منسوخ نہیں ہوا ہے۔ بادشاہ نے
اپنی طلسمانی جربیا اس کی طرف اٹھادی جو کہ امان دینے کا اشارہ تھا اور استیر نے ہاتھ
جوڑے اور مودب کہڑے ہو کر کہنا شروع کیا کہ اگر میں حضور کی نظر میں پہلی اور حضور
کی مورد عنایت ہوں تو فرمان جاری ہو کہ ہامان کے جاری کئے ہوئے احکام منسوخ
ہوں ورنہ سارے اسرائیلی قتل ہو جائیں گے اور میں اپنی قوم کے قتل عام کو کیونکر
دیکھ سکوں گی؟ اختویرش نے اس کے جواب میں اس کی اور مردخائے کی طرف
متوجہ ہو کر کہا مہینے ہامان کا گھر بار تم کو دیا اس کو مصلوب کرایا اور اپنی انگوٹھی
بھی تم کو دے دی لہذا تم کو اختیار ہے کہ جس مضمون کا فرمان چاہو میری طرف سے
اور میرے نام سے جاری کر دو، مردخائے نے اجازت پاتے ہی تمام والیوں نے نابول
رہیوں اور فوجی افسروں کے نام فرمان جاری کر دیا جس کی نقابیں تمام لاقول
اور ممالک محروسہ میں سائنڈنی سواروں ہر کاروں اور رسالہ کے سواروں کے ذریعہ
سے بڑی عجلت کے ساتھ روانہ کی گئیں اس فرمان کی رو سے پہلا قتل یہود کا

حکم منسوخ کیا گیا تھا اور یہود کو حکم تھا کہ اُسی تاریخ جو ان کے قتل کے لیے مقرر کی گئی تھی
 ہر ہر شہر میں جمع ہوں۔ اور اپنے تمام دشمنوں اور ان سب لوگوں کو جو ان کے خلاف
 ہوں مع زن و فرزند قتل و ہلاک کر دیں۔ اور یہ کارروائی ہر جگہ اور ہر گاؤں میں ایک
 ہی دن اور ایک ہی وقت ہو یہی حکم خاص دارالسلطنت شوش میں بھی جاری ہو گیا جس
 کے بازوؤں میں مرد خائے آسمانی رنگ کا لباس شاہی اور اس پر ریشمی عبائے ارغوانی
 پہنے ہوئے کامر صبح تاج سر پر رکھے کر وفر سے برآمد ہوا۔ اور اس کی صورت دیکھ کر دیکھ کر
 یہودی ہر جانب سے نعرہ ہائے مسرت بلند کرتے تھے۔

آخر وہ قتل کی تاریخ آئی۔ اور یہود نے بلا تامل اپنے دشمنوں اور اپنے ستانے والوں کو قتل
 کرنا شروع کیا۔ اس پورے میں شہر شوش کے اندر ہامان کے دس بیٹے بھی قتل ہوئے لیکن
 یہود نے سوا قتل کرنے کے اوٹنے اور تاخت و تالیج کرنے سے بالکل ہاتھ روکا۔ شام کے
 وقت بادشاہ اخشوریش کو اس واقعہ کی رپورٹ ہوئی اور اس نے استیر سے مل کے کہا
 ”ناز آفریں ملکہ۔ خاص دارالسلطنت میں پانچ سو آدمی اسرائیلیوں کے ہاتھ سے قتل
 ہوئے۔ اور اضلاع میں جو کچھ ہوا ہو گا وہ اس کے علاوہ ہو۔ اس لئے اے میری پیاری
 ملکہ بتا کہ اب تیرا کیا سوال ہو؟ جو کچھ سو کروں گا اور جو مانگیں دوں گا“ استیر بولی ”میں
 چاہتی ہوں کہ ایسے ہی قتل عام کی اجازت شوش میں یہودیوں کو کل پھر دی جائے
 اور ہامان کے لڑکوں کی لاشیں مصلوب کی جائیں بادشاہ نے کہا ”منظور۔ اجازت ہو کہ ہر آبی
 پھر اپنے دشمنوں کو قتل کریں چنانچہ دوسرے دن بھی قتل عام شروع ہوا اور شوش نے
 اس دن یہود نے ۳۰ آدمی قتل کئے۔ مگر دیگر مقامات اور اضلاع میں فقط پہلے ہی دن

خوبی رہی تھی جہاں ۵۰ ہزار آدمیوں کو یہودیوں نے قتل کیا
 انصرضلاع میں دوسرے دن اسرائیلیوں نے اپنے دشمنوں کو قتل کر کے خوشیاں
 کیں اور عید منائی۔ اور شہر شوش میں دو دن قتل کرنے کے بعد تیسرے دن ازہری
 کی یادگار دھانے کے اشارے سے یہودیوں میں رواج پالیا کہ ہر سال ان دنوں میں
 بڑی بہاری عید منائی جاتی۔ ساری قوم کے زن و مرد اور بوڑھے بچے اچھے اور بُرے

پہننے فیاضیاں کرتے باہم دعوتیں کرتے اور اپنی اس قومی کامرانی کی یاد ہمیشہ تازہ رکھتے
پتی ایک یہود حسینہ کے حسن کی ہولناک کرشمہ سازی جو ظاہر کرتی ہو کہ مدتوں کی اسیری
و مظلومی نے یہود کی ہوس میں اور راز و نیس اور ان کی خوشیاں کس درجہ ذلیل کر دی تھیں
اور جوش انتقام نے انہیں کیسا ناخدا ترس بنا دیا تھا ۛ

قلو بطبرہ

زیحاک کے بعد مصر میں قلو بطبرہ کے حسن کی کرشمہ سازیاں ہیں جس کا پایہ تاریخی حیثیت سو
بہت بڑا ہوا ہے وہ اس سرزمین کے کسی معزز گھرانے کی ہو بیٹی نہیں بلکہ خود ملکہ تھی اور
چونکہ وہ اپنے حسن کی کمند کسی ہمیر زادے پر نہیں ڈالتی تھی اس لئے اپنے اعراض میں
کامیاب بھی خوب ہوئی اور شہوت پرستی و حسن فروشی کے نشیب و فراز میں پڑنے کے آخر
کار خود اپنی ہی کرشمہ ساز یوں اور ناز آفرینیوں پر قربان ہو گئی ۔

سکندر کے ماتھے سے جب مصر کا پڑا خاندان فراغ نہ پامال ہوا اور وطنی سلطنت کا
خاتمہ ہو چکا تو اس کے بعد بطلمیوس لاغوس کے فرمانروائے مصر بنے وہاں بطلمیوس
کا ایک نیا یونانی خاندان شاہی شروع ہوا جس کے تاجدار بڑے بڑے حامیانِ علم و فن
گزرے ہیں اور ان میں وہ بڑا نانی گرانی ریاضی داں بطلمیوس یا بطلمیوس جیسے اکثر لوگ
جائے بادشاہ کے ایک عالی مرتبہ حکیم و مهندس جانتے ہیں اور جو پرانے نظامِ فلکی کا پہلا ماہر تھوڑے
اسی خاندان کے پچھلے تاجدار بطلمیوس اولیٰ علیس کی دوا دلا دیں تھیں ایک لڑکا
بطلمیوس اور ایک اُس سے چھوٹی لڑکی قلو بطبرہ کے حسن و جمال اور اُس کی ذہانت
و قابلیت کے باعث باپ کو اُس سے ایسی محبت تھی کہ مرتے وقت وصیت کر گیا کہ میری
بعد قلو بطبرہ اور بطلمیوس دونوں مل کے سلطنت کریں مگر افسوس دولت و سلطنت
وہ چیز ہے جو محبت و قرابت کے تمام رشتوں کو قطع کر دیا کرتی ہے نیز عم بطلمیوس سریر
شہر بارہی پر قدم رکھتے ہی بہن کے حق میں ایک نامہ پڑاں بہائی بن گیا اور اسے اس کے

حقوق وراثت سے محروم کر کے گھر سے نکال دیا مگر قلوبطرہ بھی کوئی دینے والی شہزادی نہ تھی
مقابلہ کو اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے جہنڈے کے نیچے ایک بڑا لشکر جمع کر لیا۔

یہ سلسلہ قبل محمد یعنی ولادت مسیح سے اڑتالیس سال پیش کا زمانہ تھا۔ دولت روم اپنے
شباب پر تھی۔ اور وہ دور شروع ہو گیا تھا جب کہ جمہوریت کا زور توڑ کے یولیوس قیصر
(جولیس سیزر) سلطنت روم کے سیاہ و سفید کا مالک ہو گیا تھا یولیوس اپنے حریف فامضی
(پامپی) کے تعاقب میں وار دمصر ہوا۔ اور ساحل اسکندریہ پر قدم رکھتے ہی فامضی کا
سراسر کے سامنے لاکے پیش کر دیا گیا۔ اب وہ واپس چلا جاتا مگر دولت روم کا چونکہ یہ پہلا
تھا کہ قرب و جوار بلکہ ممالک دور و دراز میں بھی جہاں تک بے سلطنتوں کے معاملات میں
داخل دینی کر کے اپنی قوت بڑھائی جائے لہذا یولیوس قیصر مصر کے خاندان شامی کا
جہگڑا چکانے کے لئے اسکندریہ میں ٹہر گیا اس کی آمد کی خبر سنتے ہی قلوبطرہ بھی اسکندریہ
پہنچی اور کوشش کرنے لگی کہ کسی صورت سے قیصر کے دربار میں پہنچے۔ اسے اپنے
حسن و جمال پر ناز اور دعویٰ تھا اور سمجھتی تھی کہ ممکن نہیں کوئی شخص میری دلغریب صورت
دیکھے اور میرا طرف دار نہ بن جائے اس لئے وہ تو اس فکر میں تھی کہ کیسی طرح قیصر سے چار
آنکھیں ہو جائیں اور قیصر کی یہ حالت تھی کہ اس کی صحبت میں بار بار ناقرب قریب غیر
ممکن تھا۔ اور غالباً یہی قلوبطرہ کے بھائی بطلمیوس کی سازش کا نتیجہ تھا جو قلوبطرہ کی کسی
صورت سے قیصر تک رسائی نہیں ہو سکتی تھی۔

آخر قلوبطرہ نے قیمتی کپڑوں کے ایک گٹھ میں اپنے آپ کو بندھوایا۔ اور وہ گھٹایا جاوے
حیثیت سے قیصر کے سامنے پہنچا یا گیا جب اس کی نگاہ کے رو برو وہ گٹھ کھلا تو اس
میں قلوبطرہ نکلی جس کی صورت دیکھتے ہی یولیوس دنگ رہ گیا۔ اب مصر کی حسین شہزادی
نے اپنی مظلومی اور اپنی حالت و کیفیت ایسے ناز و انداز سے بیان کی اور اس کے
نالہ آشوب سن۔ اس کی سر ملی آواز اور اس کے دلغریب لہجے نے یولیوس پر ایسا
جادو کر دیا کہ وہ نظر ہی و دماغ طاقت نہ تھی۔ اس کا دم ہر نے لگا۔ اور جو جگہ پر پیش نظر
تھا اس میں بھی مشہور فیصلہ کر دیا کہ رشتہ لیلیٰ بود۔

ابقیصر یہاں تمام دنیا دیا فیہا کو بھول گیا۔ نہ روم کی سلطنت یا دھتی اور نہ چند وہ باقی
مانندہ حریف جو ادھر ادھر مارے مارے پہرتے تھے۔ دو سال تک اسکندریہ ہی میں ٹرا رہا
دن عید تھا اور رات شب برات قلو بطرہ ہر وقت پہلو میں تھی اور اس کے تمام ارادوں
اور حوصلوں پر حکومت کر رہی تھی۔ غریب بطلیموس کی قسمت کا فیصلہ ہوا کہ وہ بچا رہ دیا
نیل میں لو کے لڑا لایا اور شہت فرائعہ کی لکائی قلو بطرہ تھی جو شنب روز یولیوس نے اسے بخش دیا
دو سال کی عیش پرستی کے بعد قیصر کو اپنے مقاصد سلطنت یاد آئے۔ ایشیا اور
افریقہ کے دیگر صوبجات کی راہی۔ اور قلو بطرہ امن و امان اور آزادی و خود مختاری کو
مصر میں حکومت کرنے لگی۔ یولیوس بڑی فتوحات حاصل کر کے نہایت ہی دہوم و ہام
سے رومہ الکبریٰ میں داخل ہوا اور اس کے بعد چند ہی روز وہاں ٹہرا تھا کہ طرفداران
جمہوریت کے ایک سازشی گروہ نے اسے سرور با قتل کر ڈالا اور اس کے بعد روم میں
سخت جھگڑے اٹھ کھڑے ہوئے۔ فقرو (مسرو) جمہوریت کے طرفداروں کے ساتھ
الک خوشیاں منا رہا تھا۔ یولیوس کی بہن کا پوتا قطا دیا نوس جس نے یولیوس کو
گھر اور اسی کے اسخوش میں لٹو دینا پایا تھا۔ جو چند روز بعد اسطس کا لقب اختیار
کر کے دوسرا شہنشاہ روم بنا۔ اور جس کے ہاتھوں وہاں کی جمہوریت ہمیشہ کیلئے
پامال ہو گئی اس نے ایک حق دار وراثت کی حیثیت سے سلطنت کا دعویٰ کیا۔ اور
تیسری طرف یولیوس کے نامی گرامی افسر انطونی نے عوام الناس کے ایک بڑے بھاری
گروہ کو جمع کر کے یولیوس کے خون کا انتقام لینا چاہا۔ چند روزیں قطا دیا نوس اور
انطونی باہم مل گئے۔ اور اتفاق کی برکت سے اپنے سب حریفوں اور یولیوس کے
دشمنوں اور قاتلوں پر کامیاب ہوئے۔

اس کامیابی کے بعد قطا دیا نوس تو رومہ الکبریٰ میں چلا گیا۔ اور انطونی نے
مالک مشرق کی راہی کہ وہاں کی سلطنت کو سنبھالے۔ چونکہ ملکہ مصر یہ الزام تھا
کیا گیا تھا کہ اس نے روم کے غالب گروہ کی کوئی مدد نہیں کی۔ لہذا ایشیائے کوچک میں
پہنچتے ہی انطونی نے نہایت درشتی کے الفاظ میں قلو بطرہ کو لکھا کہ فوراً شہر طبریا

میں حاضر ہو کے جواب دہی کرے جن سخت الفاظ میں یہ فرمان بھیجا گیا تھا اُس سے دولت مصر کی بے شک تو بین ہوتی تھی مگر قلوب طرہ عورت تھی۔ اور بہت ہی رُکی تھی ہر شیا اور پُر فن عورت اُس نے دل میں کہا اگر تھے جو مرے تو زہر کیوں دو؟ جانتی تھی کہ میں کس خوبی اور کیسے دعویٰ کے ساتھ الطوفانی کوشیدہ میں اتار سکتی ہوں۔ ان الفاظ کا زرا لہجی بُر نہ مانا۔ اور فوراً جواب دہی کیلئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

اسکندر یہ سے تولپے معمولی جہازوں پر بیٹھ کے گئی۔ مگر طرطوس میں داخل ہوئی
 شان ایسی عجیب غریب تھی کہ ہر طرف ہل چل پڑ گئی۔ اور جس کسی نے دیکھا مہوت و
 بدحواس رہ گیا۔ کہ یہ کوئی شاہزادی ہے۔ یہ آسمان کی پریاں اور دیویاں زمین پر
 اُتر آئی ہیں۔ شہر طرطوس سمندر سے تھوڑے فاصلہ پر ہے۔ اور اس کے نیچے سے
 دریائے قدوس بہتے قدوس دہانے سے وہ اس طرح چلی کہ اس کی کشتی نہایت ہی پر تکلف
 خوبصورت توشما اور زنگار تھی کیونکہ اُس پر جابجا سونے چاندی کا پانی پہرا ہوا تھا
 اور نظر غریب نقش نگار اور گل بوٹے بنے ہوئے تھے۔ پتو اور ٹھینے کی بلیاں چاندی
 کی تھیں۔ اور ایک ارغوانی رنگ کا نہایت ہی خوش رنگ پال چڑھا ہوا تھا جو کہ بہرے
 سے عجیب بہار دکھاتا تھا کسی کے اوپر ایک زلفیت کا شامیانہ بڑی نفاس سے پہنچا ہوا
 تھا جس کی مفیش کی جہاں شرع آفتاب پر چٹک نکلتی تھی۔ اس کے نیچے نو ہونی
 کا مرصع تاج سر پر رکھے۔ سر سے پاؤں تک مرصع زیور اور معرق کپڑے پہنے اور جواہرات
 سے لدی ہوئی دیویوں کی شان سے بیٹھی تھی۔

اُن دنوں چونکہ سارے ملک کا مذہب یونانی اور رومی بت پرستی تھی اور اہل روم
 یونان کے عقیدے میں جن و جمال کی دیوی و تیس (زہرہ) تھی جبکی خوبصورتی و
 رعنائی کی شہرت تھی جس کی نہایت ہی حسین موت مین ایک خاص وضع اور ادا میں
 ہنر کے مندرون میں رکھی اور پوجی جاتی تھیں۔ اور انہیں مندرون میں عشق کا
 دیوتا کیو پٹر ایک مخصوص صفت پر دار پج کی وضع میں بنایا جاتا تھا جس کے ہاتھوں
 میں تیر کمان ہوتے۔ یعنی وہ دلوں پر عشق کے تیر بربسا یا کر تار ہو۔

اسی عالم خیال کے مطابق قلوب بطرہ و نیش کا بہرہ و پ نہر کے اور اسی کی نائز آفرینی کی
نشست میں عجیب آن بان اور ٹکنت و وقار سے اس شامیانہ کے نیچے طاکار اور مص
کا و تکیہ سے پیچھے لگا کے بیٹھی خوبصورت خوبصورت لڑکے جو عشق کے دیوتا کیو پڈ کے روپ
میں تھے اور تیرہ کمان لگائے ہوئے تھے اس پاس کھڑے ہنگہا چلتے اور کس رانی کر رہے
تھے صدہا حسین و پری جمال دوشیزہ لڑکیاں جو آسمانی پریوں کے بھیس میں تھیں خدمت
کو حاضر تھیں کچھ تو دست بستہ مودب ساکھٹے کھڑی تھیں کچھ اس کے اشاروں پر کام کاج کر
لیے تو ڈر ہی تھیں اور بت سی حوروش اور بہ پارہ لڑکیاں چل پریوں کے بھیس میں تھیں
جو بانی میں اتری ہوئی کشتی کو چڑھا کر ڈھکیل ڈھکیل کے بڑبائی اور کھینچتے لیے جاتی تھیں
بس یہ معلوم ہوتا تھا کہ اصلی و نیش آسمان سے اتر آئی ہو اور اس کو تخت کو پریاں اڑتے
لیے جاتی ہیں۔

ایسا دل فریب اور ہوش ربا منظر آج تک کبھی کسی کی نظر سے کاسے کو گزر رہا تھا جو دیکھتا
ساتھ ہولیتا اور دریا کے کنارے ہی گناہے بد جو اس کشتی کے ساتھ دوڑنے لگتا اور
دین و دنیا بھول جاتا۔ اس شان سے جب کشتی طرطوس داخل ہوئی تو دونوں طرف
دریا کے کنارے ہزار ہا خلقت کا ہجوم تھا اور سارے شہر میں ہلچل مچ گئی کہ آسمان سے پریان
اُتر آئیں انطونی اسوقت بیٹھا اور بار کر رہا تھا اس خبر کے اڑتے ہی تمام لوگوں نے اٹھتے
چھوڑ دیا۔ تا شا دیکھنے کے لیے دریا کے کنارے چلے گئے اور وہ اپنی کرسی پر اکیلا بیٹھا
رہ گیا اتنے میں اسے خبر ہو چکی کہ ملکہ صر قلوب بطرہ اپنے ملنے کو آئی ہو انطونی نے اپنی شاہانہ
مناست کے قائم رکھنے کے لیے ضبط سے کام لیا اور کہا ہاں ہاں کہ ”وہ ہمیں چلی آئیں اور
انکی دعوت ہے قلوب بطرہ نے یہ پیام سکے دل میں کہا اگر انطونی نے میرے اپنی یہ شان نہ دیکھی
تو کچھ نہ ہوا یہ جواب میں کہا ”اُن سے جا کے عرض کرو کہ پہلے آپ میری دعوت قبول کریں
پھر میں بھی حاضر ہو جاؤں گی“ انطونی کو خود ہی اس شان رعنائی کے دیکھنے کا شوق
تھا جس پر ایک زمانہ عیش و عشر کر رہا تھا ہے ظاہر ہے دریا کنارے چلا گیا۔
وہاں جا کے ایک ایسا عالم نظر آیا کہ ہوش و حواس جاتے رہے اور ایک جان چھوڑ

ہزار جہان سے ملکہ قلوبطرہ کا شیدا ہو گیا۔ اس آراستگی و نمائش حسن و عشق کو اس کامل ہر وہیپ اور پھر اس کے ساتھ ملکہ مصر کے دل بہانے والی باتوں نے ایسا فریفتہ کیا کہ نہ روم کی سلطنت ہی یا دہری اور نہ اپنی محبت والی بی بی "فلویا" جو روم میں بیٹھی اُس کے نام پر جی رہی تھی۔ اب انطونی کی چوٹی قلوبطرہ کے ہاتھ میں تھی چنانچہ اُسے لے کے اُس نے اسکندریہ کی راہ لی جہاں بیٹھ کے انطونی عیش و عشرت میں پڑ گیا اور رات دن جشن منانے لگا۔

ان دونوں نے اپنے اس عیش و نشاط کے زمانہ میں جیسے جیسے لطف اٹھائے ہیں اور اپنی عشرت پرستی کے جوش میں جیسی جیسی فضول خرچیاں کیں ہیں دائرہ اعتدال سے باہر ہیں۔ اور ایسی ہیں کہ لوگوں کو مشکل سے انکا یقین آسکتا ہو ایک بار ایک دوسری کو حلیہ دینے میں باہمی مقابلہ ہوا کہ کون زیادہ فیاضی و بے جگری سے روپیہ لٹاتا اور سامان عیش فراہم کرتا ہے۔ انطونی نے کہا: "اس میں تم مجھ سے فوقیت نہیں لیجا سکتیں" قلوبطرہ بولی "میں تو ایک گھونٹ پر دس لاکھ روپیہ اڑا دوں گی تم کیا کر سکتی ہو؟" اور یہ کہہ کے اپنے کان کی ایک انٹی سے ایک بڑا بھاری موتی جس کی قیمت لاکھوں کی تھی سر کے کے جام میں ڈال دیا اور جب وہ گھل گیا تو اٹھا کے پی گئی دوسری انٹی کے دیکھے ہی اور اسی قیمت کے موتی کے اُس نے دو ٹکڑے کئے اور انہیں دینس دیہی سے سدا گار میں صرف کر دیا اس کی یہ بے جگری دیکھے انطونی عیش و عشرت کر گیا کہ میری محبت میں جو کچھ قلوبطرہ کر سکتی ہے میں نہیں کر سکتا۔

چند روز بعد انطونی کو روم میں جانا پڑا کیونکہ اس کی بی بی قلوبیا بیمار تھی۔ فلویا اسکے پہونچنے کے بعد دنیا سو خست ہوئی تو اُس نے قیصر کی بہن اقطاویہ سے شادی کر لی۔ یہ شاہزادی حسین و صاحب جمال ہونے کے ساتھ بڑی باعصمت خاتون تھی اور سچ یہ کہ انطونی اس قابل نہ تھا کہ ایک ایسی پاکدامن شاہزادی کی قسمت اُس کے ہاتھ میں دے کے بھڑی جائے انطونی کے دل و دماغ میں قلوبطرہ اس قدر بسی ہوئی تھی کہ اُسے اقطاویہ کو کسی طرح اُنس نہوا اور شادی کی رسوم سے فارغ ہوتے ہی اُس نے

ارض مشرق کی راہنی تاکہ قلوبطرہ کے آغوش شوق کے مزے لوٹے۔

دوبارہ مصر میں آئے الطوفانی ہمیش و عشرت میں پڑ گیا۔ اور قلوبطرہ کی صحبت میں روز بروز زائد ہوتا جاتا تھا اور نہ اپنے فرائض سے تعلق تھا اور نہ اپنے انجام کی پروا تھی قلوبطرہ کی محبت کے جوش میں ناعاقبت اندیشی کی دلیری اس حد تک بڑھی کہ شاہزادی اقطاعیہ کے پاس طلاق نامہ لکھ کے بھیج دیا اور کہلا بھیجا کہ ”تم سے پہلے میری شادی ملکہ مصر کے ساتھ ہو چکی تھی“ اس واقعہ سے شاہزادی کے بہائی قیصر اقطاعیہ یانوس کی نہایت ہی دلشکنی ہوئی۔

اقطاعیہ یانوس کو پہلے ہی سے اس بات کا خیال تھا کہ کسی طرح الطوفانی کو گروہ کے دوت روم کے کل سیاہ و سفید کا مالک ہو جائے اور اپنے چچا یولیوس قیصر کا سچا اور پورا جانشین بنے بہانہ ہی ڈھونڈ رہا تھا۔ بہن کی دل آزاری کی تاب نہ لایا سارے رومیوں کو اس بات پر پریم کر دیا کہ ظالم و غبار اور لوگوں کو بہانے اور لہائیوں کی ملکہ مشرق کے مقابلہ میں اقطاعیہ کی ایسی باعصمت اور پاک اس شاہزادی کی توہین کی گئی رومیوں کے دلوں میں جوش انتقام پیدا کر کے قیصر نے حملہ کے لیے جہازوں کا ایک زبردست بیڑا تیار کیا ابھر سے اپنے جہازوں کا بیڑا لیکے الطوفانی اور قلوبطرہ آئے اور علاقہ پائرس کی ایک راس کے پاس دونوں بیڑوں کا مقابلہ ہوا۔

زور شور سے لڑائی ہو رہی تھی۔ اور فتح اور شکست کے آثار کسب طوفانودار نہایت ہوئے پائے تھے کہ ناگهان قلوبطرہ لڑائی سے معویہ اور دہشت زدہ ہو کے بہاگی اور اس کے ساتھ ہی سارے مصری جہازوں نے بھی لڑائی سے رخ پھیر کے مصر کی راہ لی الطوفانی اگرچہ بڑی بہادری سے لڑ رہا تھا مگر اپنی معشوقہ کو واپس جاتے دیکھ کے اس نے بھی لڑائی کو ناتمام چھوڑا اور اس کے پیچھے چلا دونوں بہاگ کے اسکندریہ میں پہنچے اور ہمیش و طرب کے جشنوں میں اس خیال کو بھی بہلا دیا کہ دشمن قیصر تعاقب کرتا ہوا چلا آتا ہو اور غرق قریب یہاں پہنچا چاہتا ہو۔

اقطاعیہ یانوس قیصر بھی نہایت ہی چالاک تھا اس نے بھی دل میں ٹھان لی کہ

قلوبہ کو اسی کند میں پھانسا چاہیے جس میں کہ وہ اردوں کو بھانسا کرتی ہے اسکندریہ
 کی بندرگاہ کے قریب پہونچتے ہی اس نے مراسلت کر کے قلوبہ پر اپنا اشتیاق اور
 عشق ظاہر کیا۔ قلوبہ نے دل میں کہا یہ جانا کہاں ہو جس طرح میں نے انطونی کو اپنی
 زلف گرہ گیر میں بھانسا ہے اسے بھی بھانسون گی۔ اور ایسا کرتا کر دوں گی کہ ہمنے نہ
 دوں گی۔ یہ تو وہ سمجھ ہی گئی تھی کہ اب انطونی میں دم نہیں رہا یہ اس لئے اپنے تمام فوجی
 افسروں اور جہازوں کے جنگی کپتانوں کو حکم دے دیا کہ کسی قسم کی مزاحمت نہ کیجائے
 قیصر آتا ہو تو اسے بے تکلف آئے دور۔ مگر جب قیصر نے اسکندریہ پر قابض ہونے کے اس
 کی گرفتاری کا حکم دیا تو ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ آخر جب اس کا کچھ زور نہ چل سکا
 تو اپنی دو وفادار سہیلیوں کو ساتھ لیا۔ اور ایک برج میں جسے سلاطین مصر کے عام
 طریقہ کے موافق تعمیر کر کے اپنا مدفن قرار دیا تھا جاکے چھپ ہی۔ اور شہر میں مشہور ہو گیا
 کہ قلوبہ مر گئی۔ اس کے مرنے کی خبر سنتے ہی انطونی ایسا بیقرار ہوا کہ فراق معشوقہ کی
 تاب نہ لا سکتے کے باعث خود کشی پر آمادہ ہو گیا اور اپنی ہی تلوار سے اپنے آپ کو ایسا
 زخمی کر لیا کہ زندگی کی کوئی امید نہیں باقی رہی۔ وہ بستر مرگ پر تڑپ رہا تھا کہ خبر آئی
 "قلوبہ مری نہیں زندہ ہے اور آپ کو اپنے برج میں بلانی ہے۔" اس میں چلنے
 کی طاقت نہ تھی مگر پلنگ کو کندھوں پر اٹھا کے اس برج کے پاس لے گئے قلوبہ
 کو دشمنوں کے خوف سے برج کا دروازہ کھولنے کی جرأت نہ ہوئی مگر پلنگ کو سیدوں
 میں باندھ کے ایک کھڑکی کی طرف سے اوپر کھینچ لیا اور پہونچتے ہی انطونی قلوبہ
 کے سینہ سے لپٹ گیا اور اسی طرح لپٹے ہی لپٹے دم توڑ دیا۔

مگر اب بھی قلوبہ اپنی کوششوں سے باز نہیں آئی۔ اور قیصر کے پھانسنے اور
 اس کے مسخر کرنے میں اس نے کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا لیکن اقطاویا یونس
 بھی اس بلا کا مضبوط آدمی تھا کہ اس سے کسی طرح پیش نہ گئی۔ وہ برابر اسی کوشش
 میں لگا رہا کہ قلوبہ کو زندہ گرفتار کر لے اور اس سے اپنی بہن کا انتقام لے لے۔ اس نے
 قلوبہ کی کسی شرط کو منظور کیا اور نہ اسے کسی خمد و پیمان پر ایمان دی۔ آخر قلوبہ کو

باہر سی ہوئی اور ساتھ ہی اُس کی آنکھوں کے سامنے اس وقت کی تصویر پہ گئی جب وہ گرفتار کر کے رومۃ الکبریٰ میں لیجائی جائیگی اور وہاں قیصر کے جلوس میں اُس سے نکالی جائے گی کہ ہاتھ پاؤں میں سوئیگی نہ پھیریں ہوئی اور اپنی سواری کی مطلقاً دوسرے رتھ کے آگے آگے پایادہ جارہی ہوگی اس بے عزتی و ذلت پر اُس نے موت کو ترجیح دی۔

دوسری طرف اقطاع یا ندس کو بچہ شوق تھا کہ اس حسین اور شہرہ آفاق ملکہ کو اہل روم کے سامنے اپنے قیدی کی حیثیت سے پیش کرے لہذا اُس نے اس بات کا پورا بندوبست کیا کہ قلوبطرہ خودکشی نہ کرنے پائے جس برج میں قلوبطرہ تھی اُس کا چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا اور قطعی مانعت کر دی کہ کوئی شخص کسی قسم کا ہتھیار کوئی دوا یا کوئی چیز اندر نہ لے جائے پائے تاہم محاصرہ کرنے والوں نے ایک دن اخیروں کا ٹوکر اندر پہنچا دیا جس میں اُن کے نزدیک کسی بات کا اندیشہ نہ تھا۔

اس ٹوکرے کے اندر پہنچنے کے کھڑی ہی دیر بعد قیصر کو قلوبطرہ کا ایک خط ملا۔ جس میں لکھا تھا کہ میرے بچوں کو امان دیجائے اور اس کی اجازت دیجائے کہ میں اور اطمینی دونوں اسی مقبرہ میں دفن ہوں جس میں ہم دونوں ہیں قیصر یہ بھڑبھڑاتے ہی لبیک کے اُس برج کے پاس پہنچا تو دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اندر جا کے قلوبطرہ کے کمر کو دیکھا تو ہر طرف خاموشی تھی۔ ملکہ اپنے شاہی لباس اور زیور سے آراستہ اپنی شاہی سہری پر آرام کر رہی تھی۔ دونوں ہسیلیوں میں سے ایک اس کے پاؤں کے پاس پڑی ہوئی تھی اور دوسری سر ہانے کھڑی اپنے دونوں ہاتھوں کے ساتھ سر پر تاج پہنہائے ہوئے تھی کہ گرنے نہ پائے۔

قیصر کو یہاں کے سنائے میں موت کا سناٹا نظر آیا۔ پوچھا یہ کارروائی پوری طرح ہو گئی؟ خادمہ بولی جی ہاں ہو گئی۔ اور یہی بات ایسی عالی مرتبہ ملکہ کے شایاں تھی؟ اس پر اس نے سچے ہی وہ جی اپنی جگہ پر گرنے کے ارادے کیے۔

اب اسکی جستجو شروع ہوئی کہ قلوبطرہ نے کیونکر جان دی غور کرنے سے ایک چھوٹا نہایت ہی زہر بلاساپ جس کے کاٹتے ہی انسان مرجائے قلوبطرہ کے بازو میں لپٹا ہوا ملا جس سے کہنے آپ کو کٹوا کے ملک اور اس کی دونوں خادماؤں نے جان دی تھی قیصر کو افسوس ہوا کہ قلوبطرہ میرے ہاتھ سے اپنی جان کو بچا لیگی۔ مگر کبر و نخوت کے جوش میں اسے اب بھی ترس نہ آیا۔ کیونکہ جب رومۃ الکبریٰ میں گیا تو اس کے داخلہ کے باشان و شوکت جلوس میں ملکہ قلوبطرہ کی ایک مورت اسکی انگی شاہی مسہری پر سوتی ہوئی نکالی گئی جس کے پیچھے پیچھے قلوبطرہ کی دونوں اولادیں (یعنی بیٹا اسکندر اور اس کی بیٹی قلوبطرہ تھیں۔ یہ دونوں بچے تھے جن کو قلوبطرہ نے اپنے غور حسن اور عیش پرستی کے مذاق سے ڈالو (دیوتا) اور ڈیانا (ادیوی) کے خطاب دئے تھے۔

اب ملک مصر دولت روم کا ایک صوبہ تھا۔ اور ان دونوں بچوں کا کوئی والی وارث نہ تھا قیصر کو تو اپنے جلوس میں ان کی تشہیر کرائی گئی بعد اپنے تخت کی داہل گئی مگر اس کی بہن "اقطا دیا" کو جو واقعی بڑی شریف شاہزادی تھی یہ خیال کر کے ان بچوں پر ترس آگیا کہ میرے مرحوم شوہر الطوفانی کی یادگار ہیں۔ انہیں لے کے اپنی ہی اولاد کی طرح پالا۔ تربیت کی۔ اور جب چھوٹی قلوبطرہ بڑی ہوئی تو اس کا شادی مرا کیے ایک فرمانروا سے کر دی۔

مصر میں قلوبطرہ کی لاش وہاں کے دستور کے مطابق ممی بنا کے اور ایک نہایت تابوت میں بند کر کے اسی مقبرہ میں رکھی گئی جو اس نے اپنے لیے بنوایا تھا اور اب دو ہزار برس بعد قبر سے نکل کر لندن کے برٹش میوزیم میں پہنچی جہاں آج ہر شخص جا کے اس کے پر تکلف تابوت اور اس کے ابدی خواب تائی کیفیت دیکھ سکتے۔

ہند بنت نعمان

یہ عرب کی ایک صاحب جمال اور پاک نفس دہاک دل شاہزادی تھی جس کا

عہد خاص طلوع نیر اسلام کے زمانہ میں تھا۔ اُس کے شباب کا زمانہ جاہلیت میں تھا اور اُس نے وفاتِ اُسوقت پائی جبکہ اُس کے آبائی ملک پر صحابہ کا قبضہ ہو چکا تھا۔ عرب کا جو حصہ عراق سے ملا ہوا ہے جس سرزمین پر بصرہ و کوفہ آباد کئے گئے اور جس کے قریب میں اب کربلا اور نجف وغیرہ کی آبادیاں ہیں یہ ملک عہد جاہلیت میں عرب کی ایک متمدن سلطنت کے زیرِ فرمان تھا جو سلطنت ”حیرہ“ کہلاتی تھی۔ تاجدارِ ان حیرہ اگرچہ نوشیروان عجم کے ماتحت تھے مگر یہ ماتحتی صرف برائے نام تھی اس لئے کہ اُن کے نظم و نسق اور اُن کی آمدنی و محاصل سے دارائے عجم کو کوئی تعلق نہ تھا یہاں نعمان بن منذر کا خاندان حکمران تھا جس سے خسروان عجم سے پرانے تعلق چلے آتے تھے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ جو قوانین سلطنت عجم کے دستور العمل تھے وہ اگلے فرمانِ رویان حیرہ ہی کے مدوں کئے ہوئے تھے کیونکہ یہ لوگ کبھی سلطنت عجم کے زیرِ عظم ہوتے تھے کبھی شاہزادگان عجم کے استاد و اتالیق اور کبھی وہاں کے نابالغ تاجداروں کے اتالیق اور نگہبان۔ الغرض یہاں کے فرمانرواؤں نے سلطنت عجم سے خاص قسم کے تعلقات قائم کر لیے تھے جن کا بہت کچھ لحاظ کیا جاتا تھا خاصہً ان کے مورث اعلیٰ نعمان اول کا تو خسروانِ ایران بڑا ادب کرتے تھے یہ سلاطین حیرہ قبیلہ بنی لخم میں سے تھے۔ اور بڑی شان و شوکت اور رعب و تمکنت کے لوگ تھے عرب کے تمام حضری و بدوی قبائل میں اُن کی شان و شوکت کی دیوم بھی اور شرف و سربِ ان کی مدح میں برائے پر زور قصیدے کہتے تھے۔

انہیں میں کا آخری فرمانروا نعمان بن منذر بن امر القیس تھا جبکہ بیٹی ہند بنت نعمان عرب کی وہ مشہور و معروف شاہزادی تھی جس کے حالات ہم اس موقع پر بیان کرنا چاہتے ہیں ہند اپنے زمانہ کی حسین ترین عورتوں میں شمار کی جاتی تھی۔ اس کی ماں سوزنہ کے ایک دو سرے شاہی خاندان کی کنزہ کی شاہزادی ”سوزنہ“ تھی جو ذریعہ سب سے بھی کی پابند تھی اور اسی وجہ سے ہند بنت نعمان کا مذہب بھی عیسوی تھا۔ اسے مگر بچائے اس کے کہ ہند کا نکاح کسی شاہی خاندان میں ہو عرب کے عبادِ حق کیلئے

مشہور شاعر عدی بن زید کے ساتھ ہوا جو اس کے رخِ زیبا کا دیوانہ ہو گیا تھا اس عشق کی بنیادوں پر ہی کہ ہند اپنی عمر کے گیارہویں برس جبکہ جبرہ کے تخت پر اس کا دادا مندر حکمران تھا مسیحوں کی عیدِ فصح البیڑ کے موقع پر ایک کنیہ کی زیارت کو گئی بہت سی حنین و ہم عمر خالصیں اور لونڈیاں ہمراہ رکاب تھیں۔ اور انہیں خواصوں میں ماریہ نام ایک حبیبہ بھی تھی۔ ہندان سہیلیوں کے ساتھ گرجے کے ہر حصہ میں جاتی اور بے تکلفی و بے باکی سے ہر چیز کو دیکھتی تھی۔

التفا عدی بن زید بھی جو کسے گئے عجم کے دربار سے انہیں نوزِ بدیہ اور انعامِ مالکرم کی چیزیں لے کے مندر بن نغمان کے پاس آیا ہوا تھا اسی وقت اسی کنیہ کی زیارت کو آیا اور ہند کی بے تکلفیوں اور نازِ آفرینی کی حرکتوں کو شوق و محبت کی نگاہ سے دیکھنے لگا عدی بھی ایک بہت ہی سین خوش رویہ جوان رعنا تھا چنانچہ اس کے دل پر ہند کے حسن و جمال کا اتنا اثر ہو رہا تھا جتنا کہ اُسکی زیبائی و رعنائی کا اثر ہند کی سہیلی ماریہ کے دل پر ہو گیا۔ وہ بے اختیار ہی پر عاشق و فریفتہ ہو گئی۔ ورنہ یہ ہی کیفیت رہی کہ ماریہ عدی کو شوق کی نظر سے دیکھ رہی تھی۔ اور عدی ہند کی بھولے پن کی حرکتوں اور طفلانہ بے تکلفیوں کو ماریہ کا فرض تھا کہ ہند کو ہوشیار کر دینی کہ دیکھو تمہیں ایک غیر شخصِ شوق کی نگاہوں سے دیکھ رہا ہے مگر وہ عدی کے باغِ حسن سے آنکھوں ہی آنکھوں میں گھپنی کر رہی تھی۔ اُسے ہوش کہاں تھا کہ اپنی شاہنشاہی کو اس کی بے باکانہ حرکتوں سے روکے۔ ناگہاں خود ہند کی نظر عدی پر جا پڑی اور اُسے ہمہ تن اپنی طرف مصروف دیکھ کے شرمائی۔ پہر ساتھ والیوں کو ڈانٹا کہ ایک اجنبی شخص کی نظریں مجھ پر پڑ رہی ہیں۔ اور تم سے اتنا نہ ہوا کہ مجھے ہوشیار کر دیتیں بلکہ جھجھکا کے ایک دھڑ خاص کو بھی مارا۔ ان اداؤں نے عدی پر اور زیادہ اثر کیا۔

اگرچہ اس پہلے دیدار نے عدی کے دل پر ہند کے حسن کا نقش ڈال دیا تھا لیکن ابھی اس نقش کو زیادہ استقلال نہ تھا۔ اور ممکن تھا کہ چند روز بعد یہ خیال اس کے دل سے مٹ جاتا۔ مگر ماریہ عدی کی محبت کا جو نقش اپنے دل پر لے کے

آئی تھی وہ بہت گھرا تھا۔ وہ اس ہوس میں مبتلا تھی کہ اس جوان رعنا سے ملنے کا پھر کوئی
 اچھا موقع ہاتھ آئے۔ اس کا نام اور پتہ تو اس نے لوگوں سے دریافت کر لیا تھا۔ تعارف
 کے لیے کوئی بہانہ ڈھونڈ رہی تھی۔

اب اس موقع کو ایک سال گزر گیا اور شاہزادی ہند بالکل بھول گئی کہ فلاں کنسیہ
 میں کوئی مجھے گھور رہا تھا۔ اسے غافل پاکے ماریہ نے اس کے سامنے ایک اور بڑے
 رومی کنسیہ کی تعریف کی۔ کہا ”وہاں بڑے بڑے عابد و متراض رہیں۔ اس کی فکر و فطرت
 عابد و زاہد بندے اور بڑی بڑی خداس رہیں۔ عورتیں رہتی ہیں۔ اس کی فکر و فطرت
 عمارت کا مقابلہ کوئی شاہی قصر کر سکتا ہے اور نہ کوئی ایوان عالی شان حیرہ کی تمام
 عورتیں خصوصاً کنواری لڑکیاں اس کی زیارت کو جاتی ہیں۔ وہاں بڑا بھاری میلہ
 لگا رہتا ہے۔ اور ہر وقت بڑے لطف کا مجمع ہوتا ہے۔“ الغرض ایسا شوق دلایا کہ ہند
 اس کنسیہ کی زیارت کی بے حد مشتاق ہو گئی۔ اور اپنی ماں سے وہاں جانیبی اجازت
 چاہی۔ ماریہ نے اس کی ماں کو پہلے سے تیار کر رکھا تھا۔ لاڈلی بیٹی کی زبان سے
 شوق زیارت سننے ہی اس نے اجازت دیدی۔ اور قمر آباد گیا کہ فلاں تاریخ شاہزادی
 شان و شوکت سے فلاں گرجے کی زیارت کو جائے گی۔

یہاں کا بند و بست کرنے کے بعد ماریہ عدی کے پاس دوڑی گئی اور کہا اگر آپ شاہزادی
 ہند کے جمال جہاں آرا کی زیارت کرنا چاہتے ہیں تو فلاں تاریخ فلاں کنسیہ میں آئیے
 آپ کو اس روز شوق کی نگاہ سے دیکھتے دیکھا تھا۔ میں نے ترس کہا کہ بند و بست
 کر دیا کہ آپ پھر انہیں دیکھ لیں۔ مگر اتنا خیال رہے کہ درابن ہٹن کے امیرانہ شہارم سے
 آئیگا کہ ان کے دل پر بھی کچھ اثر پڑے۔ عدی نے احسان مندی کا اظہار کر کے وعدہ کیا
 اور پہلے دیدار کا مزہ اگلا بھول بھی گیا تھا تو پھر یاد آگیا۔ روز مقررہ پر اس نے ایک زینت
 کی بہت بھاری اعلیٰ درجہ شاہانہ قبا زیب بر کی جو ایران کے ایک شاہی خاندان کے
 معزز رکن رکیں فرخان شاہ مرد سے قلعہ کے طریقہ پر ملی تھی۔ یہاں ہی انیسویں
 روح افزا شہولگی۔ چند حسین خوب روڑ اور بڑے سن و شوخ طبع لڑکوں کو ہند پر مہمان

کے طریقہ سے ساتھ لیا۔ اور ٹھیک وقت پر کنیسہ میں آ پہنچا۔

لٹنے میں شانہزادی ہند بھی اپنی سہیلیوں کے ساتھ آئی۔ اس وقت عدی کو اس وضع میں دیکھنے کے ماریہ کے دل پر ایسا بے اختیار کر دینے والا اثر پڑا کہ اس کی طرف اشارہ کر کے شانہزادی سے کہا: "موجود دیکھئے وہ کیسا جوان رعنا ہے۔ یوں تو یہاں جتنی چیزیں ہیں سب ہی دلچسپ ہیں۔ مگر دیکھنے کے قابل اگر کوئی چیز ہو تو یہ تو یہ جوان ہے، ہند کی نظر جو اس پر پڑی تو وہ میں کی ہو گئی۔ مبہوت رہ گئی۔ اور کسی طرف نظر نہٹا نہ کیو جی چاہتا ہی نہ تھا۔ جہاں کھڑی تھی وہیں کھڑی رہ گئی۔ اور نظر عدی کے سینے زیبا پر جمی ہوئی تھی۔ جب شوق نے اور زیادہ بے قرار کیا تو ماریہ سے کہا: "سیراجی چاہتا ہے کہ اس جوان کو پاس سے جا کے دیکھوں۔ یہ مجھے پہچان تو نہ لیگا، ماریہ نے کہا: "پاس جا نہیں سنا لیتے ہی کیا ہے۔ اور وہ کیا جانے کہ آپ کون ہیں؟" اب ماریہ کے کہنے سے ہند عدی کے قریب گئی، اور اسکی حرکت کو دیکھنے اور اس کی باتوں کو سننے لگی۔ عدی نے مگر اس کی طرف سے نظر ہٹالی اور اپنے دوستوں سے مذاق اور شوخ طبعی کی باتیں کرنے لگا۔ ہند کی پرشوق آنکھوں کو نظر آیا کہ نہ اس سے زیادہ کوئی حسین و خوب رو ہے نہ کسی کی وضع و لباس میں ایسا باتنیں ہے نہ شوخ طبعی و خوش مزاجی میں کوئی اس سے بڑا ہوا ہے، اور نہ مضاحکہ و بلاغت میں کوئی اس کو جواب دے سکتا ہے۔ اس کے سارے دل پر ان باتوں کا ایسا اثر پڑا کہ ہوش جاتے رہے اور آنکھیں خود بخود ہونکھیں اور شوق دل کی باتیں قاریاں اس کے بھوپے چہرے سے نمایاں ہونے لگیں۔ ماریہ سمجھ گئی کہ اس کے دل پر پورا اثر پڑ گیا ہے، جہاں کہ کان میں کہتا: "آپ جا ہیں تو اس جوان بہری مثال سے باتیں ہی کر سکتی ہیں۔" ہند تو اس کی آرزو مند تھی ہی عدی سے دو چار باتیں ہی کہیں۔

الغرض اس ملاقات کا یہ اثر ہوا کہ عدی اور ہند دونوں گرجے سے واپس چلے تو منیہ و بے قرار تھے۔ اور ماریہ کا عشق تو اعتدال سے گزر کے بے شرمی و بے حیائی کے درجہ کو پہنچ گیا تھا۔ عدی اس سے پہلے ماریہ کو منہ نہ لگاتا تھا۔ لیکن اب اس کا بے حد گریوہ احسان نہا۔ اور در دل کا علاج سوا اس کے اور کسی سے ممکن ہی نہ نظر آتا تھا۔ جس کی

وجہ سے اُس کا دوست ہی نہیں بن گیا بلکہ اُس کے آنے اور اُس سے دو باتیں کر لینے کو اپنی خوش قسمتی تصور کرتا تھا۔ گرجے کی ملاقات کے دوسرے دن وہ اُس کے پاس گئی تو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اُس کا مزاج پوچھا۔ ماریہ نے کہا ”آپ سے میری ایک تمنا ہے“ عدی نے کہا ”تمہاری جو تمنا دآرزو ہوگی اُسے سرانگہوں سے بجا لاؤنگا تمہارے منہ سے نکلے تو سہی“ ماریہ آنکھوں پر ہجیائی کی ٹھیکری رکھ کر بولی ”میں تمہارے شوق میں بیتاب ہوں اور آتش فراق میں جل کے خاک ہوئی جاتی ہوں۔ اگر اتنا احسان کرو کہ مجھے اپنی خلوت میں جگہ دو تو وعدہ کرتی ہوں کہ زمین و آسمان کے قلا بے ملا دوں گی اور جس طرح بنے گاتھیں ہند سے ملا دوں گی۔ کوئی اور چارہ کار نہ دیکھ کے عدی نے اقرار کر لیا۔ اور جب یہ شرط پوری ہوگئی تو ماریہ کو اپنا اقرار پورا کرنے کی فکر نہ تھی۔

عدی سے رخصت ہو کر ماریہ حیرہ کے ایوان شہریاری میں آئی تو دیکھا کہ ہند نہایت ہی بے قرار ہے۔ اور اس درجہ بیتاب ہے کہ کسی حال میں قرار نہیں آتا۔ ماریہ کی صحت دیکھتے ہی حسرت کے ساتھ بولی ”اب مہینہ میں آگ تم نے لگائی ہے تو تمہیں اس کو بچھاؤ بھی۔ اگر تم نے کوئی تدبیر نہ کی تو میں تڑپ تڑپ کر مر جاؤں گی“ ماریہ بولی ”ہاں ہاں میں جہاں تک بنے گا آپ کی آرزو پوری کروں گی۔ آپ کے محل کے بچھوڑے فلاں مکان ہے۔ میں اُسی میں عدی کو لا کے بٹھا دوں گی۔ اور آپ کا جب تک جی چاہیگا کوٹھے پر کھڑی ہو کے اُس سے باتیں کر لیجیگا“ ہند نے شکر گزاری کی سیانہ پوچھا ”تو کب؟“ بولی ”اب جاتی ہوں اس کا بندوبست کروں گی“

دوسرے ہی دن اس نے عدی کو اسی وضع و لباس میں لا کے اُس مکان میں بٹھایا۔ اور محل میں آ کے ہند کے کان میں کہا ”لے جا کے اپنے عاشق سے مل آئیے وہ آپ کا منتظر ہے“ ہند فوراً کوٹھے پر دوڑی گئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور دیرینک اشاروں اشاروں ہی میں اپنا ذوق و شوق ظاہر کرتے رہے۔ اس ملاقات نے آتش عشق کو اور تیز کر دیا اور ہند کی یہ حالت ہو گئی کہ ماریہ سے کہا ”اب اگر تم مجھے عدی کے پاس نہ پہنچا دو گی تو دو ہی تین دن میں مر جاؤں گی“

ماریہ نے اب عدی کے پاس جا کے ہند کی یہ بیٹیابی ظاہر کی۔ اور کہا ”اگر آپ اس سے شادی نہ کر لیں گے تو وہ تڑپ کر مر جائے گی۔ اور آپ پر اس کا خون ہوگا“ عدی بولا ”کھلا میرے لیے اس سے بڑھ کے خوش نصیبی کی بات ہو سکتی ہے؟ لیکن کھلا میری مجال ہے کہ بادشاہ نعمان کو اس کی شادی کے لیے اپنا پیغام دوں؟“ ماریہ نے کہا ”اس نسبت کو منظور کرانا میرا کام ہے۔ تم پیغام تمہو۔ اور جس طرح میں بتاتی ہوں اُس طرح پیغام دو“

عدی ”تم جس طرح کہو گی پیغام دوں گا۔ مگر ڈرتا ہوں کہ وہ بگڑ نہ جائیں“ ماریہ نے کہا ”ایک کام کرو۔ تم ایک عام دعوت کرو۔ اور اُسی سلسلہ میں ایک دن نعمان کو بھی بلاؤ۔ اُسے کھلا پلا کے خوب شراب پلاؤ۔ اور جب نشہ سے بدست ہو اُس وقت پیغام دو۔ اور یقین جانو کہ وہ انکار نہ کرے گا“ عدی نے کہا ”خوب سوچ لو۔ یہ جان جو حکم کامیاب ہے۔ اگر یہ ہم ہو گیا تو مجھے اُسی وقت قتل کر ڈالے گا؟“ ماریہ نے کہا ”محل کے اندر میں نے اپنے طور پر پورا انتظام کر لیا ہے۔ تب تم سے کہا ہے۔ تم بے اندیشہ پیغام دو“ اس قرارداد کے مطابق عدی نے ایک فرضی تقریب قرار دے کے تمام اہل شہر کی دعوت کی۔ پھر بادشاہ نعمان کو مع اُس کے اہل دربار اور خدم و حشم کے مدعو کیا نفیس ترین کھانے پکانے کے شراب پلائی۔ اور جب دیکھا کہ نشہ سے چور ہو رہا ہے شادی کا پیغام دیا۔ مگر اُسے حیرت ہو گئی۔ جب دیکھا کہ نعمان نے فوراً شادی منظور کر لی۔ اُسی صحبت میں نکاح کر دیا۔ اور تیسرے دن بیٹی کو رخصت بھی کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد نعمان بن منذر نے جب بجائے خود سوچا تو اپنے کے پرچھتایا۔ دل میں خیال گزرا کہ عدی نے شراب پلا کے میرے ساتھ دغا بازی کی اور اُسے بیٹی دیتے سے میری بڑی توہین ہو گئی۔ مگر اس بغض کو دل میں سیٹھ رہا۔ اور موقع ڈھونڈتا رہا۔ اُس نے کبر و نخوت کے جوش میں یہ معمول مقرر کر لیا تھا کہ اپنے دربار میں ایک دن تو شفقت و رحمت کا دن قرار دیا تھا۔ اور ایک دن غیظ و غضب کا۔ اہل دربار تو ان دونوں دنوں سے واقف تھے غیظ و

غضب کے دن دُور ہی دور رہتے مگر دور دراز کے ملکوں سے جو شامت زدہ اُس
 دن آجاتا۔ نہایت بے رحمی سے قتل کر ڈالا جاتا۔ اتفاقاً شامت اعمال سے اُسی غیظ و
 غضب کے دن عدی اور نعمان کا سامنا ہو گیا۔ بس کیا تھا؟ نعمان کو موقع ہاتھ آ گیا
 فوراً اُسے گرفتار کر کے قتل کر ڈالا جس کا انتقام عدی کے ایک بیٹے زید بن عدی نے
 یوں لیا کہ خسرو عجم کو اُسکا دشمن بنا دیا۔ اور نعمان مدینوں تاجدار ایران کی قید میں رہ
 قتل کیا۔ اس واقعہ کی تفصیل دیکھنا ہو تو ناظرین ہمارے ناول ایام عرب کو ملاحظہ فرما
 شاہزادی ہند کو اپنے مظالم شوہر کے مارے جانے پر بڑا صدمہ ہوا۔ باپ سو تو کیا
 کہہ سکتی تھی؟ کس کی مجال تھی کہ اُس سر باخوت فرمانروا کے سامنے شکایت کا ایک
 لفظ بھی زبان سے نکال سکے۔ مگر ہند کچھ ایسی شکستہ دل ہو رہی تھی کہ بے صداق ”ع
 اُس پہ قابو نہیں دل پر تو ہے قابو اپنا“ تارک الدنیا ہو گئی اور عرب کی شریف زادیوں
 کے عام مذاق کے خلاف تمام لذتوں اور مسرتوں سے کنارہ کش ہو کے سچی رنج و
 کی ایک خانقاہ میں بیٹھ رہی جو اُسی کے نام سے منسوب ہو کے ”ہند“ مشہور ہو گئی
 ہند کی شاد کامی و کامرائی کی زندگی تو بہت ہی مختصر تھی مگر اسبہ عورتوں کے
 ساتھ بیٹھ کے عبادت کرنے کے لئے اُس نے بڑی طولانی عمر پائی۔ اس خانقاہ میں
 بیٹھے بیٹھے اُس نے کمال بے تعلقی کے ساتھ تقدیر کے بڑے بڑے فیصلہ اور دنیا کی
 سیرت انگیز انقلاب دیکھے۔ اُس نے دیکھا کہ اُس کے مرحوم شوہر عدی کے بیٹے زید نے
 خسرو پروریز کے دربار میں رسوخ پیدا کر کے اُسے نعمان بن منذر کے گھرانے کی عورتوں
 کا شوق دلایا۔ اور جب ایوان کسریٰ سے نعمان کی بیٹیاں طلب ہوئیں تو وہ اپنے کنبہ
 کی تمام عورتوں کو نبی شیبان کی حمایت میں چھوڑ کے خسرو کے دربار میں حاضر ہو گیا
 جہاں قید ہوا اور اسی قید میں رہ گیا۔ اب اس کے باپ کا تاج و تخت ایسا بن قیصر
 طائی کو ملا جو نبی نے کاسر عارت تھا۔ اور پروریز نے نبی شیبان سے نعمان کی عورتوں کو
 مانجا۔ انہوں نے انکار کیا۔ اور شیخ میں ”یوم فی قار“ کی عظیم الشان لڑائی ہوئی۔
 جس میں عربوں نے ایمانوں کو شکست دی۔ ایسا طائی کے اہل ہند کے باپ کی

قلمرو پر پیمانہ کا ایرانی سردار زادہ عجمی دلی ملک کی حیثیت سے حکومت کرنے لگا۔ جوبہ
 بھی ایک مدت دراز تک فرمانروائی کر چکا تو ہند کے بہائی مندر بن نعمان مندر کو آبائی حکومت ملی
 اب حضرت سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو چکے تھے۔ اور عرب کی اعلیٰ ایک
 روان کا نو زنی غارہ دنیا کے منور کرنے کے لئے کرہ ارض کے تاریک چہرے پر لگایا جا رہا
 تھا۔ سیف اللہ خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) علم اسلام کے پرچم ہدایت کے سایہ میں
 تھے۔ اب یہاں کی حکومت صحابہ رسول اللہ کے ہاتھ میں تھی۔ کبھی ابو موسیٰ اشعری
 حاکم تھے۔ اور کبھی ابو ہریرہ۔ کبھی شمشیر حکمرانی ابوبکر کے پنجہ قدرت میں تھی اور کبھی
 مغیرہ بن شعبہ کے ہاتھ میں۔

ہندوان سب حیرت انگیز انقلابوں اور تبدیلیوں کے کشمیں کو اپنی خالقہ کے حجرے
 سے خاموشی کے ساتھ دیکھتے دیکھتے بوڑھی بوگی مغیرہ بن شعبہ اپنی حکومت کے زمانہ
 میں ایک بار اُس دیر (خالقہ) کی طرف سے گذرے۔ اور اس کی عالیشان عمارت
 دیکھ کر لوگوں سے پوچھا ”یہ کونسی خالقہ ہے؟“ لوگوں نے کہا ”دیر ہند۔“ یہیں
 نعمان مندر کی تارک الدنیا شانزدہوی بند رہتی ہے اور وہی یہاں کی ساری راہبہ
 عورتوں کی سردار ہے۔ یہ سن کر مغیرہ خالقہ کے دروازہ پر گئے۔ اور اپنے آنے
 کی اطلاع کرائی۔ نام سن کر ہند نے اندر بلا لیا۔ خلاق سے ملی۔ ہرن کی ایک کھال
 اُن کے پیٹھے کے لیے بچھوادی۔ اور پوچھا ”آپ نے کیوں تکلیف کی؟“ مغیرہ نے
 کہا ”میں تمہیں نکاح کا پیام دینے آیا ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم میرے عقد میں
 آنا قبول کر لو۔“ یہ سن کر ہند نے فراتامل کیا۔ پھر بڑی متانت کے ساتھ صلیب کی طرف
 اشارہ کر کے کہا ”میں اسی کی قسم کھا کے کہتی ہوں کہ مجھے اگر ذرا بھی گمان ہوتا کہ صن
 جمال اور شباب کی زندہ دلیوں کا کچھ بھی حصہ مجھ میں باقی ہے تو آپ سے ضرور نکاح
 کر لیتی غالباً مجھ سے شادی کرنے کا خیال آپ کے دل میں ایسے پیدا ہوا ہو گا کہ میں
 نعمان بن مندر کے ملک پر قابض و متصرف ہوا ہوں۔ تو اس کی بیٹی کا شوہر بھی
 ہو جاؤں تاکہ اپنے اقران و امثال پر فخر کر سکوں۔ آپ جس خدا کو مانتے ہیں اسی قسم کی

لکھا کے کہیے کہ جو نہ یہی بات آپ کے دل میں ہے، مغیرہ نے کہا، بے شک یہی آرزو میرے دل میں ہے، اُن کی زبان سے تصدیق کے یہ الفاظ سننے ہی ہندو بی دنگر یہ قیامت تک نہ ہوگا، گو آپ کی آرزو کے خلاف ہو۔“

اپنے اس شوق میں مایوس ہو کے مغیرہ نے اُس سے بعض قبائل عرب کی شرافت اور اُن کی فوقیت کے بارے میں نعمان بن منذر کا خیال پوچھا جس میں ہند نے اُن کی مرضی کے موافق اطمینان بخش جواب دیئے۔ اور اُن کی تسفی کردی۔ آخر مغیرہ بن شعبہ اس سے رخصت ہو کر چلے آئے۔ اور اُس کی تعریف میں تین شعر پڑھے۔ جن کا مضمون یہ تھا کہ دولسل سلاطین میں جو خوبیاں سنی تھیں وہ بیشک صحیح ہیں۔“

پس پھر اس کے بعد سے پتہ نہیں چلا کہ ہند کتنے دنوں تک اس خانقاہ میں نہ رہی اور کب اور کس زمانہ میں اُس نے سفر آخرت کیا۔

اولغا ملکہ روس

روس کی ملکہ کیتھرائن کا نام بہت مشہور ہے جو شہنشاہ پطرس اعظم کی ملکہ تھی اور اُس کے بعد وراثت تاج و دیہیم ہوئی تھی اور جس کے حالات اسی کتاب میں سری جگہ درج ہیں۔ مگر اس سے بہت پہلے سلطنت مذکور کے ابتدائی عروج کے زمانے میں ایک اور ملکہ گزری ہے جس کے کارنامے کیتھرائن کے کارناموں سے زیادہ بڑے ہوئے ہیں اور دراصل اُسی کے زمانہ سے سلطنت روس کا ستارہ چمکا اس کا نام دتیا میں مشہور ہوا۔ اور تہذیب و تمدن کی بنیاد پڑی۔ یہ منذر جو عنوان ملکہ دولغا تھی جو تیسرے ملکہ دراصل درمیر سے تاجدار روس انحر کی ناز آفرین بی بی اور مالک کی محبوبہ حام ملکہ تھی۔

سلطنت روس کے آغاز کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ بحر اسود کے شمالی اور یورپ کے مشرقی و شمالی علاقہ میں قدیم الایام اور مشہور و نامور کی دنیا دہر نے سے تھی

پہلے سلاوی نام ایک قوم رہتی تھی۔ جن کی بہت پرستی سب سے جدا اور جن کی زبان یونانی سے ملتی جلتی تھی۔ اس قوم کے بہت سے غول اور گروہ دور دور تک پہیلے ہوئے تھے اور بہادری میں شہرت رکھتے تھے۔ ان لوگوں کے گروہوں کا سلسلہ شمالی حصہ دریج مسکوں میں ترکوں اور غلوں کے غلوں سے آتا تھا۔ انہیں میں سے ایک گروہ کے سردار سرگروہ رورک نے متعدد سلاوی گروہوں اور قبیلوں کو اپنے ماتحت کر کے ایک چھوٹی سلطنت قائم کی جو کہ سلطنت روس کے نام سے مشہور ہوئی۔ صحیح طور پر اس کا پتہ نہیں چلتا کہ اس قوم نے اپنی سلطنت کیلئے روس کا نام کیوں اختیار کیا اس کی کئی توجہیں کی گئی ہیں۔ مگر زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ ان لوگوں کے معبودوں میں "زوسالکی" نام حسین و نازک اندام پریاں تھیں۔ جو سمندر اور جنگل کی دیوایاں مانی جاتی ہیں۔ ان کی نہایت ہی خوبصورت اور دلنریب نیم برسنہ موتیں بنائے شوالوں میں رکھی جاتی تھیں۔ اور ان پر قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں۔ غالباً انہیں کے نام سے اس قوم نے اپنا نام ماخوذ کیا۔

رورک نے قوم کا بادشاہ قرار پاتے ہی شہر نوغز اوپر قبضہ کر لیا اور اسی کو اپنا مرکز فرمانروائی قرار دیا۔ ۸۲۹ء میں اس نئی سلطنت کی بنیاد پڑی تھی اور اسے سترہ برس بعد ۸۹۹ء میں پہلے فرمانروا رورک نے سفر آخرت کیا جبکہ بغداد کے سرخیلافت پر محمد علی الدین پرہواں خلیفہ عباسی جلوہ افروز ہوا اور یونانی قلمرو روم پر یووی سیج (لیوراسپ) کی حکومت تھی۔

رورک کے مرنے کے وقت چونکہ اسکا بیٹا اغورنا بالغ بچہ تھا اس نے اس کے ایک زبردست سردار اونغ نے اغور کو تخت پر بٹھا کے عمان حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ اونغ نے ایسے زور و شریعت سے حکومت کی اور رعایا اور نیر شاہی خاندان کو اس پر ایسا جبر و ستم کیا کہ ۳۳ سال تک حکومت کرتا رہا اور اغور نے بالغ ہونے پر بھی کسی قسم کی مخالفت یا سلطنت کی ہوس نہیں ظاہر کی یہاں تک کہ جب ۹۱۱ء میں وہ مراٹو اسلی تاجدار اغور نے عمان حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔

اسی اخور کی بی بی ملکہ اولعنا تھی۔ جو شہر سکوت کے قریب کسی گناہ گاروں
میں پیدا ہوئی تھی اور غریبے فلک زدہ ماں باپ کے آغوش میں فلاکت و مسکنت کے
ساتھ بلی تھی۔ مگر حسن و جمال اس بلا کا تھا کہ اونچے اونچے امیروں کی نظر پڑتی تھی جو
دیکھتا دیکھتا نظر گھائل ہو جاتا۔ یہاں تک کہ اُس کی چشمِ قنار اور زلفِ پچیاں نے
قوم کے سرتاج بادشاہ اخور کو اپنا اسگیر بنالیا۔ چنانچہ اخور نے معنان حکومت اپنے
ہاتھ میں لینے سے دس برس پہلے سلسلہ میں اس کے ساتھ شادی کر کے گت
اپنی ملکہ اور اپنا شریک سلطنت بنالیا۔

اخور اچھا بادشاہ نہ تھا۔ بڑے انتہا بخیل تھا۔ اور دولت کی ہوس اس قدر بڑھی
ہوئی تھی کہ قوم اور رعایا میں ہر دلعزیزہ رہ سکتا تھا۔ مگر اولعنا کے لچھے اخلاق
اُس کی نیک نفسی دنیا مٹی۔ اُس کی محبت بھری باتوں اور رعایا کے حال پرس
کی عنایتوں نے بی بی بیکہجہ سے شوہر کو بھی بہت کچھ نیک نام کر دیا۔ اور جب اُس نے
معنان فرمانروائی اپنے ہاتھ میں لے لی۔ تو اولعنا کی ذہانت و زکاوت اور انتظامی
قابلیت کے جوہر کھلتا شروع ہوئے اور ساری قوم کی محبوبہ بن گئی۔

اخور نے ایک سرکش قوم ”ڈریولیاں“ پر فوج کشی کر کے اُسے مطیع فرمان اور
باج گزار بنالیا۔ اس کو چند ہی روز گزرے تھے کہ پھر اسی قوم پر چڑھائی کی اور پہلے
سے دنیا خارج طلب کیا۔ جسے ان لوگوں نے تیرا قہر ادا کیا دولت سے لدا اپنا خاتم
وسالم شہر کیف میں آئے تھے۔ اور دل میں خیال کیا کہ میں نے ان لوگوں سے ابھی
کم رقم وصول کی ہے۔ اور دنیا چاہیے کھیراں مگر نہ غریبوں پر چڑھ گیا۔ اور جتنا ہوا
وصول کیا اتنا بروستیاں کر کے دوبارہ وصول کیا جب یہ رقم ہی ادا ہو گئی تو دیکھیں کہا الہی آنکے
پاس بہت کچھ باقی ہے مجھ اور کچھ لینا چاہیے، اور کہلا بھیجا کہ یہ کافی نہیں ہے اتنی ہی رقم اور دو۔
ان باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں میں یہ ظالم نواںکار کی عزالتی گول میں دشمن ہو گئے اور
دہواڑ بھنے لگے کہ اگر کس طرح اُس کے ظالم سے اپنی جان چھڑائیں۔ اخور نے اس موقع مل ہی گیا ایک بار
اخور نے فوج سے جدا چند خاص رفیقوں کے ساتھ تھا کہ ڈریولیاں کے لوگ ناگہان اچھوٹے

اُس کے چند رفقا کو چُن چُن کے مار ڈالا اور خود اُسے پکڑ کے ایسی بُری طرح سے مارا کہ اس کے قتل کا واقعہ عبرت روزگار ہو و درخوتوں کے جو قریب قریب تھے دو ہفتے پہنچ کر پہنچ کے قریب کے پھر ایک میں اس کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں۔ اور دوسرے میں دوسرا ہاتھ اور پاؤں مضبوط باندھ کے ان ہتھوں کو چھوڑا تو وہ اپنی اپنی طرف کھینچے اور اس کا جسم کے بیچ سے ہسٹ کے دو ٹکڑے ہو گئے جو الگ الگ دونوں درختوں میں جا ملے اس طرح جان لے کر اُسے جسم کے دونوں ٹکڑے زمین میں گاڑ دیئے اور اُن پر قبر کی حیثیت سے ایک تودہ بنا دیا۔

یوں ۳۲ سال حکومت کرنے کے بعد ۹۲۵ء میں اعز کی زندگی کا چرچا مغل ہوا۔ اس کا بیٹا چونکہ نابالغ تھا اس لیے ملکہ اولغا نے شوہر کا ماتم کرنے کے بعد سیریشہر یاری پر قدم رکھا۔ جبکہ بعد ازیں ۲۵ عباسی خلیفہ المظیع لندکی اور سلطانینہ میں سلطانین پور فیروز و خطوس الملقب بہ ریح کی حکومت تھی اولغا چونکہ بڑی ذہین و دانہ اور نیک نفس و نیک کردار عورت تھی اُس نے بڑی قابلیت اور شایستگی سے حکومت شروع کی۔ لیکن دل میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی اور بے قرار تھی کہ اپنے بھائی شوہر کے خون کا بدلہ کیونکر لوں اسی اور سیریشہ میں لگی تھی کہ ڈیویلیا لوگوں کے سردار کی طرف سے بیس منتخب معزز سفیروں کا ایک ڈیویشن آیا اور اُسے شادی کا پیام دیا۔

اعز کو قتل کرنے کے ڈیویلیا لوگوں کا حوصلہ بڑھ گیا تھا۔ چاہتے تھے کہ پوری قلمرو روس کے مالک بن جائیں جس کی مناسب ترین تدبیر ان کے سردار کے ذہن میں یہ آئی کہ میں ملکہ اولغا سے شادی کر لوں اگرچہ اولغا کی عمر بے بادہ ہو چکی تھی وہ دلیری و داناؤ آفرینی کا زمانہ گزر گیا تھا۔ تاہم گزشتہ جن کی چند کرنیں اب بھی اُس کے خواہمورت چہرے سے نمودار تھیں جنہوں نے سلطنت کی ہوس میں مل کر ڈیویلیا لوگوں کے سردار کو از خود رشتہ کر دیا۔ اور وہ اپنی حالت و حیثیت کو بالکل بھول گیا۔ اسی سفاک و شہسوار نے اولغا بہت ہی سہم ہوئی۔ مگر چونکہ عقلمند اور انجام پر خوب نظر

رکھتی تھی اپنے غیظ و غضب کو دل ہی میں دبایا۔ اور ان سے کہا "تمہارا پیام میں خوشی سے قبول کر دنگی مجھے تو خود ہی اس کی تمنا تھی۔ مگر جس کشتی میں آئے ہو اسی میں جا کے ٹہرو۔ میں اپنے امرا و وزراء سے مشورہ کر لوں۔ اور اس کے بعد انہیں کل صبح کو تمہارے پاس بھیجوں گی کہ تمہیں قذرو منزلت اور تعظیم و تکریم سے میرے قصر میں لائیں۔ اور میں باضابطہ طور پر تمہاری درخواست کو قبول کر دوں مگر اتنا خیال رہے کہ تم سوا ان کے کندھوں پر سوار ہو کے آنے کے اور کسی طرح اور.....
 کبھی سواری پر نہ آنا۔ تاکہ تمہارا خوب عیب ان پر بیٹھ جائے۔ اس جواب سے نہایت مغلوط ہو کے وہ لوگ اپنی کشتی میں واپس گئے۔

صبح کو انہیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا کہ امراء نے روس ان کے استقبال کو پہنچا اور کہا "بسم اللہ تشریف لے چلے۔ حضور ملکہ نے یاد فرمایا ہے، ان مسخروں نے کہا "مگر ہم نہ گھوڑوں پر سوار ہوں گے۔ اور نہ کسی اور سواری پر ہم تو خود تمہارے کندھوں پر بیٹھ کے چلیں گے۔" روسی امیروں نے کہا "اب آپ کو اس میں اصرار ہے تو ہمیں کیا عذر ہو سکتا ہے ہمیں تو آپ کی خاطر داشت اور اپنی ملکہ کے حکم کو پورا کرنا ہے۔" یہ کہہ کے سبوں نے پیٹھیں جھکا دیں۔ اور کہا "آئیے بیٹھیں یہ بیسیوں آدمی ان کے شانوں پر سوار ہوئے اور انہیں قصر شاہی کی طرف لیچے لیکن قصر کے پاس پہنچ کے بجائے اس کے کہ پھاٹک کے اندر داخل ہوں انہیں محل کے پھوڑے لے گئے۔ اور وہاں ایک غار میں جو اسی عرض کے لیے رات ہی ملکہ کے حکم سے کہو در کھا گیا تھا پہنک دیا۔ پھر اوپر سے مٹی ڈال کے انہیں زندہ دفن کر دیا۔

اب ملکہ اور نغا کو ان لوگوں سے انتقام لینے کا موقع مل گیا تھا۔ ان سفیروں کا کام تمام کرتے ہی ڈیر بولیاں لوگوں کے پاس اپنے چند ہوشیار افسر بھیجے جنہوں نے ان لوگوں کے سردار سے کہا "ہماری ملکہ کو آپ سے شادی کرنا خوشی سے منظور ہے آپ کے سفیر جو گئے ہیں قذرو منزلت سے وہاں مہمان رکھے گئے ہیں اور

ملکہ محترمہ جانتی ہیں کہ آپ اپنے تمام معزز سرداروں کو بھیجے تاکہ وہ انہیں دہم دہام اور ترک و احتشام سے یہاں لے آئیں۔ کیونکہ بغیر کروڑ اور اعلیٰ درجے کے جلیوس کے وہ اپنے شہر سے باہر قدم نہیں نکال سکتیں، ڈریولیان لوگوں کا سردار تو ہوس ملک گیری اور اولغا کے عشق میں از خود رفتہ ہو ہی رہا تھا۔ فوراً اپنے کل معزز سرداران فوج کو حکم دیدیا کہ جاؤ ملکہ اولغا کو نہایت ہی قدر و منزلت اور شان شان و شوکت سے لے آؤ۔ یہ لوگ ان روسی سفیروں کے ساتھ نوغزاد میں پہنچے جہاں ان کا بہت کچھ استقبال کیا گیا۔ اور اس کے بعد وہ حمام میں بھیجے گئے۔ تاکہ غسل کر کے ملکہ اولغا کی خدمت میں باریاب ہوں۔ جیسے ہی حمام میں داخل ہوئے اس کے دروازے باہر سے بند کر دیئے گئے۔ اور آگ نیز کر دی گئی نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی لمحوں میں سب کے سب حمام کے اندر گہٹ گہٹ کے مر گئے۔ یوں بڑی سہولت کے ساتھ ان لوگوں کو نذر اجل کر کے اولغا نے خود روانہ ہونے کی تیاریاں کر دیں اور ایک قاصد کو آگے بھیجا جن نے تیزی کے ساتھ جا کے ڈریولیان کے سردار کو مرثیہ سنایا کہ ”ملکہ اولغا روانہ ہو چکیں آج ہی کل میں پہنچا جاسکتی ہیں۔ وہ پہلے اپنے شوہر کی قبر پر ماتم و نوحہ خوانی کریں گی۔ پھر آپ سب صاحبوں کو ایک دعوت دیں گی جس کے بعد شادی کے رسوم عمل میں آئیں گے۔“

یہ خوش خبری سننے ہی سردار ڈریولیان کی یہ حالت ہوئی کہ جابے میں بھولا نہ سماتا تھا۔ فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور ساری قوم کو لیے استقبال کے لیے شہر کے باہر آیا۔ بڑے ادب و تعظیم کے ساتھ ملکہ اولغا سے ملا۔ لیکن خلاف توقع اس کے ہمراہ اپنے ایک سردار کو بھی نہ دیکھ کے پوچھا ”میرے وہ سردار کہاں ہیں؟“ جواب ملا کہ ”وہ پورے لشکر روس کے ساتھ پیچھے پیچھے آ رہے ہیں۔“ اس جواب پر وہ مطمئن ہو گیا۔ اور اولغا نے اپنی قرار داو کے مطابق پہلے اپنے شوہر اور خورگی قبر پر نوحہ خوانی کی۔ ماتم کیا جی بہر کے روئی۔ اور اپنی قیام گاہ میں آ کے دعوت کا سامان کیا۔ یہ دعوت نہایت ہی بڑے کھٹ اور شاندار تھی۔ تمام ڈریولیان لوگ

حسب مرتبہ قدر و منزلت سے بھٹائے گئے۔ دسترخوان چنایا۔ سب نے لذیذ غذا میں
تناول کیا۔ بیہوش کئے گئے۔ اور شراب کے دور چلنے شروع ہوئے عمدہ قیمتی اور
تیز مشروبات میں مہیا کی گئی تھیں۔ جن کے زیادہ تیز کرنے کے لئے کیا عجیب کہ ان میں
اور بھی مختلف منشی اجزاء ملا دیئے گئے ہوں۔ کیونکہ دوہی چار جام میں جتنے تھے
سہوش و از خود درفتہ تھے اور شور مچا ہوا تھا کہ

دور چلے دور چلے ساقیا اور چلے اور چلے ساقیا

عین اسی حالت میں کہ کسی کو سرویا کا ہوش نہ تھا۔ اور ملکہ اولغا لوگوں کی
از خود رفتگیوں کا تماشا دیکھ رہی تھی۔ ناگہاں روسی سپاہی نیرے اور تلواریں
لئے ہوئے ان لوگوں پر جبک پڑے۔ ڈریولیان لوگوں کی یہ حالت ہوئی کہ بھاگنا
چاہتے تھے مگر بھاگنے کے قدم نہ تھے۔ اٹھ کئے گرتے تھے اور قتل ہوتے تھے جن
چند لوگوں کا لشکر ہرن ہو گیا تھا وہ اپنے سردار کے ساتھ بھاگ کھڑے ہوئے
باقی باغینزار آدمی اسی جگہ کاٹ کے ڈال دیئے گئے۔

اس طریقہ سے اولغا نے ڈریولیان لوگوں کی قوت بالکل توڑ دی اور انہیں
جیران و پریشان اور ترسان و لرزاں چہرے کے اپنے شہر میں واپس آئی۔ ایک برس
گزر گیا۔ اور ڈریولیان لوگوں کو سواخاناموش پڑے رہنے کے سر اٹھانے کی جرأت
نہیں ہوئی۔ اولغا نے سینیہ میں اپنی ٹکڑی تمام کی آگ بھڑک رہی تھی دوسرے
برس اپنے نفع نچے کو ساتھ لے کے سپاہ روس کی سپہ سالاری کرتی ہوئی۔

اولغا ڈریولیان پر چڑھ آئی ڈریولیان کو مقابلے کی جرأت نہ ہوئی۔ اپنے قلعہ
میں جا کے بیٹھ رہے۔ اور ہانگ بند کر دیئے۔ ملکہ اولغا نے فوراً قلعہ کا محاصرہ
کر لیا۔ اور بڑی بہادری سے اپنے لشکر کو لڑائی اور قلعے پر دباؤ اور چلے کرتی
رہی۔ مگر قلعہ نہایت ہی مضبوط تھا۔ ہزار کوشش کی کچھ بھی زور نہ چل سکا۔
اور ڈریولیان ختم کھا گئے تھے۔ کہ چاہے ہو کہ پیاسے مرجائیں مگر قلعے کا دروازہ
نہ کھولیں گے۔ خلاصہ یہ کہ محاصرے کو ایک مدت گزر گئی اور فوج روس کے

بنائے کچھ نہ بنی۔

اب ملکہ اولغائی تدبیروں میں مصروف ہوئی جو عورتوں ہی کے لئے خاص ہیں اور جن سے اکثر عورتوں نے بڑے بڑوں پر فتح پائی۔ اس نے قلعے والوں کے پاس ایک سفیر کے ذریعے سے کہلا بھیجا کہ کیا ارادہ ہے اب کیا تم نے دل میں ہی ٹھان لیا ہے کہ قلعے میں بڑے سڑا کرو؟ اور قلعے کو کر کے مرجاؤ۔ مانا کہ تم ہمارا قلعہ مضبوط ہے مگر رسد کا کیا انتظام کرو گے؟ اور یہ بھی سہی مگر کتبک میں نے بھی تم کھالی ہے کہ بے فتح کئے نہ جاؤں گی۔ ہاں اگر تم صلح پر آمادہ ہو تو میں نہایت ہی آسان شرطوں پر تمہارا قصور معاف کرنے کو تیار ہوں اور اسباب خراج قبول کر لوں گی جو محض برائے نام ہوگا۔ اور جس کا تم پر بار نہ پڑے گا۔ فقط اتنا چاہتی ہوں کہ تم میں سے ہر شخص اپنے گھر سے تین کبوتر اور تین گڑیاں (خانگی چڑیاں) پکڑ کے میرے پاس بھیجے۔ جن سے تمہاری اطاعت کا اظہار ہو جائے گا۔ اور میں اس معمولی اور بے آزار خراج کو پکڑ چلی جاؤں گی، ڈر یولیاں ان کے سرداروں نے یہ پیام سن کے کہا یہ کیونسی مشکل بات ہے؟ اگر ملکہ ایسی تیار آسان شرط پر صلح کرنے کو آمادہ ہیں تو ہم خوشی سے ان کی اطاعت قبول کرتے ہیں۔ اور عنقریب ہر گھر سے کبوتر اور چڑیاں پکڑا کے نذر کر دیں گے وہ ہی تین دن کے اندر کبوتر اور چڑیاں ملکہ اولغا کے ملا خطے میں پیش کر دی گئیں ملکہ نے اس عجب و غریب خراج کے وصول ہوتے ہی حکم دیا کہ جتنے کبوتر اور چڑیاں ہیں اتنے ہی گچھے اور گیند تیار کر کے تیل میں ڈبو دئے جائیں اور بہران کبوتروں اور چڑیوں کی دموں میں تاروں وغیرہ کے ذریعے سے باندھ دئے جائیں سپاہیوں نے فوراً اس حکم کی تعمیل کی۔ اور سر شام ہی وہ گچھے اور گیند مشعلوں کی طرح روشن کر دیے گئے اور ملکہ کے حکم سے وہ تمام کبوتر اور چڑیاں چوڑی گئی۔ جن کے اوڑتے ہی آسمان پر ایک عجیب قسم کی آتش بازی کا تماشا نظر آیا۔ اور معلوم ہوا کہ لشکر روس سے ہزار ہا ہوائیاں چوڑی گئی ہیں

رہی ہیں۔ اور آسمان پر آگ سی لگی ہوئی ہے جس تماشے کے دیکھنے کے لیے یہ
 ڈریولیان لوگ اپنے کوٹھوں اور قلعے کے برجوں پر چڑھ آئے لیکن مقوڑی دیر
 کے بعد جب وہ کپوتر اور چڑیاں اپنے گھروں اور آشیانوں کی تلاش میں قلعے
 کی طرف آئے اور اترنے لگیں تو جہاں بیٹھیں اور جس گہر میں آئیں اُس میں آگ
 لگادی۔ ڈریولیان مہوت و بدحواس کہڑے دیکھ رہے تھے کہ قلعے کے ہر
 کونے اور آبادی کے ہر گھر سے شعلے بلند ہونے لگے عورتیں اور بچے بلبلا بلبللا
 کے گھروں سے باہر نکل آئے۔ اور آخر آگ یہاں تک بڑھی کہ قلعے کے اندر
 کسی کو پناہ نہ مل سکتی تھی۔ اور سوا جگہ مر جانے کے کوئی مفر نہ تھا۔ گہرا گئے
 قلعے کے پھاٹک کھول کے باہر نکلے اور اوپر اوپر بھاگنے لگے۔

یہ دیکھ کے ملکہ اولغائے نور احمہ کر دیا۔ روسی سپاہی ہر طرف سی اُٹھ پڑے
 جو حد پر جانا مارا جاتا تھا۔ اس طرح ہزار ہا ڈریولیان لوگ مار گئے اور ان کی پوری
 قوم تباہ و برباد ہو گئی۔ اولغائے ان کا خوب اچھی طرح قلعے فتح کرنے کے بعد جب
 دیکھا کہ اب قلعہ میں جو کچھ تھا جل چکا اُس تباہ شدہ قلعہ کو اپنے قبضہ میں کیا
 اور اس سرکش گروہ میں ذرا بھی قوت نہیں باقی رہی کہ کبھی سر اٹھا سکے۔

اس کے بعد وہ غانم و سالم شہر کیف میں ہوائی ہوئی اپنے شہر نوغزاد میں پہونچی
 اور سپاہیوں کو انعام و اکرام تقسیم کیا۔ اولغائے اون لوگوں سے اگرچہ نہایت
 ہی سیرجی سفاکی اور مکاری کے ساتھ انتقام لیا مگر اس کے بعد پھر کسی امر میں
 اُس سے کسی قسم کی سنگدلی اور سیرجی نہیں ظاہر ہوئی دار السلطنت میں
 واپس آئیے بعد اُس نے بڑی عقلمندی اور عدالت گستری سے حکومت کی۔
 اور تمام رعایا کے دل اپنے ہاتھ میں لے لیے۔

اب اُس کی زندگی کا دوسرا رخ نمودار ہوا۔ کیونکہ وہ بہادر اور مدبر ہونے کے
 علاوہ دین کی بڑی پابند اور نہایت ہی عابد و زاہد بھی تھی۔ دین عیسوی سے
 یورپ میں پھیل چکا تھا۔ اپنی بت پرستی کو ملکہ اولغا اپنی قوم کی قدیم جہالت و

کا نتیجہ خیال کرتی تھی۔ اور قوم روس محسوس کر رہی تھی کہ متمدن بننے کے بعد
اُسے کسی اعلیٰ درجہ کے متمدن مذہب کے اختیار کرنیکی بھی ضرورت ہو۔ تاہم ابھی
اس کو تھوڑا زمانہ باقی تھا کہ قوم روس مذہب عیسوی کو اختیار کرے۔ مگر ملکہ
اونغا کو اپنی قدیم بت پرستی کے عیوب نظر آ گئے تھے اور ملت مسیحیہ کے قبول کرنے کو
لیے بیتاب تھی۔ مگر اُس کے خیال میں یہ مناسب نہ تھا کہ میں جو قوم کی حکمران
اور فرمانروا ہوں پرانے مذہب کو چھوڑ دوں۔ اور قوم اپنی قدیم حالت پر برقرار
رہے اس لئے شہسہ عین جب سلطنت کو اُس نے خوب مضبوط اور دشمنوں
اور خطروں سے صاف کر دیا تھا۔ عثمان حکومت اپنے بیٹے کے ہاتھ میں پڑی
اور خود تخت شاہی سے اتر کے گوشہ حافیت میں بیٹھ گئی۔ اب اس کا بیٹا تو اپنی
قومی مذہب کا پابند رہا مگر وہ خود آمادہ ہوئی کہ دین مسیحی اختیار کر کے باقی زندگی
ریاضت و نفس کشی میں صرف کر دے۔ چنانچہ سلطنت کو بیٹے کے سپرد کرتے
ہی اُس نے قسطنطنیہ کا سفر کیا جو کہ اُن دنوں مسیحی فرقوں میں سے کلیسائے
یونان والوں کا مرکز تھا۔ وہاں کے کشیش سینیٹ صوفیا کی عظمت و شوکت زوروں
پر تھی۔ اور اسی شان و شوکت نے اونغا کو اس مذہب کا گردیدہ بنا دیا تھا۔
یہاں کے مقتدا نے اعظم (پیٹر یارک) نے اسے سپتہما دے کے اس کا مسیحی نام
دوہلین، قرار دیا اور اُسے نہایت ہی عزت کے ساتھ تاجدار روم بوزیر و جی
طوس المقلب بہ مورخ کے دربار میں پیش کیا۔

قسطنطنیہ سے واپس جا کے وہ گوشہ عزلت میں بیٹھ گئی۔ اور عبادت ریاضت
میں اس قدر مصروف ہوئی کہ عیسائیوں نے اُسے سینیٹ دولیہ (کالقب دیا اس
زمانہ میں اُس نے اس بات کی بھی کوشش کی کہ اپنے پیٹے فرمانروائے روس
کو دین عیسوی کا پیرو بنالے۔ مگر اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ اور بیٹے نے
اپنے قدیم مذہب سے دست بردار ہونا نہیں گوارا کیا۔
آخر اسی عبادت و ریاضت اور رہبانیت و نفس کشی میں اُس نے ۹۶۸ء

میں دنیا کو رخصت کیا۔ اور سچیموں کے اصول کے مطابق دفن ہوئی۔

کیتھرائن ملکہ روس اول

ملکیت روس میں اس نام کی دو ملکہ گزری ہیں۔ مگر حسن کی کرشمہ ساز یونیکا سب سے زیادہ مکمل نمونہ پہلی کیتھرائن تھی جس کے دلچسپ حالات لکھنے کے لیے ہم نے قلم اٹھایا ہے جن لوگوں نے نورجہاں بیگم کے حالات پڑھے ہیں وہ تعجب کرتے ہیں کہ کس غریبہ مصیبت اور فلاکت و مسکنت کی حالت میں پیدا ہوئی اور محض اپنے حسن و جمال کی قوت سے کس اعلیٰ عروج اور کس شان و شوکت اور عظمت و جبروت کے درجہ کو پہنچ گئی لیکن مقابلہ کر کے دیکھئے تو کیتھرائن کے حالات نورجہاں سے زیادہ حیرت انگیز نظر آتے ہیں جو گمنامی میں پیدا ہوئی ایک معمولی سپاہی کے ساتھ نکاح ہوا لونڈیوں کی طرح گرفتار کر کے اپنے وطن سے لائی گئی۔ اور آخر اپنی خوشحالی کی قوت سے پطرس اعظم شہنشاہ روس کی ملکہ ہی نہیں بلکہ اُس کے جان و مال کی مالک ہو گئی ان دونوں مشرقی و مغربی شہنشاہ بیگموں میں یہ فرق بھی نظر آتا ہے کہ نورجہاں بیگم باوجود اعلیٰ اقتدارات اور اپنے نام کا سکتہ تک جاری کر دینے کے نہایت ہی پاکدامن و عصمت شعار تھی اور ہر حال میں اُس کا دامن بے عصمتی کے مضبوط رہا۔ پاکستان کے خلاف اس کے نظریات اپنے دامن کو بیکاری و بے عصمتی کی بنیاد سے نہ بچا سکی بلکہ عروج کا آغاز ہی بدکاری سے ہوا یورپ کے انتہائی شمال میں اور قطب شمالی سے قریب ایک جزیرہ نما ہے جو ہالک سویڈن اور ناروے پر حاوی ہے یہ جزیرہ نما نقشہ میں ایسا نظر آتا ہے کہ گویا براعظم کے درخت سے بید مجنوں کی سی ایک شاخ لٹک کے بائیں طرف جبک پڑی ہے اسی سرزمین میں ایک چھوٹا صوبہ لیونیو کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جو سویڈن کی قلمرو میں شامل ہے سلطنت سویڈن کی فوج کا ایک دنی درجہ کا افسر سبحان راب، نامی لیونیو میں رہتا تھا جسے گھر میں آج سے دو صدی پیشتر ۱۶۸۲ء میں ایک لڑکی پیدا ہوئی جو اس وقت عربیوں اور

ہم وطنوں کو نہایت ہی منحوس و سبر قدم نظر آتی۔ ہنوز زمان کے پیٹ ہی میں تھی کہ باب دنیا سے رخصت ہو گیا۔ غریب ماں نہایت ہی افلاس و فلاکت کی حالت میں تھی نہ کوئی خبر گراں تھا اور نہ کوئی پرسان حال۔ تاہم فقر و فاقہ کیساکھ لبس کر کے تین سال تک دودھ پلایا۔ مگر مشکل رضاعت کی مدت بھی پوری کرنے نہ پائی تھی کہ مصائب مانہ کو نہ برداشت کر سکی اور ایڑیاں گھر گھر کے مگرے۔

اسیاس تین برس کی ننھی سی جان کا کوئی دلی وارث نہ تھا۔ گاؤں کے ایک اور شخص کو ترس آگیا۔ اپنے گھر لے گیا۔ اور چند سال رکھ کے پالا۔ اس کے چند روز بعد ایک پرائسٹنٹ پادری نے اسے شہر دسبرن مرگ نہیں لیجا کے رکھا اور اپنے لڑکوں کی خدمت پر مامور کیا اب لڑکی ذرا ہوشیار ہو چکی تھی۔ پادری صاحب کے لڑکوں کی خدمت بڑی سرگرمی اور شوق سے بجالاتی۔ اور جہاں تک بنتا انہیں آرام ہو بچاتی۔ پادری صاحب کے لڑکے تعلیم پاتے تھے یہ لڑکی پاس بیٹھ کے ان کو سبق یاد کر لے کا شوق دلاتی۔ اور ساتھ ہی ساتھ ان سے سیکھ سیکھ کے خود بھی لکھتی پڑھتی۔ اور علم و فضل میں ترقی کرتی یہ لڑکی جیسی حسینہ و جمیلہ تھی ویسی ہی ذہین و طباع۔ پادری صاحب کے لڑکوں نے تو خیر کچھ نہ کچھ ترقی کی ہی ہوگی۔ مگر اس نوخیز اور ذہین لڑکی نے چپکے چپکے ہی لکھ پڑھ کے علم و فضل میں جو مرتبہ حاصل کر لیا۔ بہت غیر معمولی تھا۔ اب اس حسین و بھری جمال و دشیزہ کا عہد شباب تھا جو جوانی کی رائیں مرادوں کے دن۔ جوانی کی اداؤں نے حسن کی آفتاب کو چمکادیا اور شباب نے اس کی نظر نمان کے تیروں پلکوں کے خفروں اور ایروں کی تلواروں پر باڑہ رکھ دی سویدیں کے کسی سپاہی کی اس پر نظر پڑی اور پڑتے ہی کہاں ہو گیا اگرچہ اس کے حسن کا آفتاب حسینان عالم کے چراغ گل کئے دیتا تھا۔ مگر غربت و فلاکت کے باعث خود اسے اپنی اور اپنے اس زائد فریب حسن کی قدر نہ تھی اسی پہلے قدردان حسن کے ساتھ نسبت ٹھہر گئی اور اگلے میں نکاح ہو گیا۔

شادی کو مشکل سے پورا سال گزرا ہو گا کہ سلطنت روس نے سوڈن کی سرحد پر
 کر کے شہر مرین مرگ پر قبضہ کر لیا۔ اس موقع پر بھی یہی نظر آیا کہ مصیبت اور بُری
 قسمت نے ابھی تک اُس غریب لڑکی کا ساتھ نہیں چھوڑا کیونکہ اُس کا شوہر وطن
 کی حمایت میں مارا گیا۔ اور روسی جنرل باورزبردستی پکڑے گئے اپنے ساتھ روس
 میں لے آیا۔

یہی حسین لڑکی کیتھرائن تھی جو ایسی تباہیوں اور قید و بندوں کے ساتھ گرفتار ہو کر
 ملک روس میں آئی ہو۔ لیکن اُس کے یہاں آنے کی شان اگرچہ نہایت ہی بچاؤ
 و بے حرمتی اور بے کسی و بے بسی کی تھی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ نحوست و بد قسمتی کو وہ
 اپنے وطن ہی میں چھوڑتی آئی کیونکہ اسی وقت سے نصیبہ نے یاوری شروع کی
 اور اب اُسے سستی سے بلندی اور ذلت سے عزت کی طرف عروج حاصل ہونا شروع
 ہوا۔ اس گرفتاری و اسیری سے پیشتر اُس کی زندگی ایسی گمنامی کی حالت میں گزری
 تھی کہ اس وقت کے جو کچھ حالات ابھی بیان کئے گئے ہیں افسانے سے زیادہ
 وقت نہیں رکھتے۔ مختلف راوی مختلف حالات بیان کرتے ہیں اور اس زمانہ
 کے مورخوں کو ان کا بہت کم اعتبار ہے۔ تاہم جو کچھ واقعات ہم نے بیان کئے
 ہیں یہی سب میں زیادہ معتبر تصور کئے جاتے ہیں۔

الغرض جنرل باور نے کیتھرائن کو لا کے اپنے گھر میں رکھا چونکہ جنرل باور سے
 اور اس عہد کے روسی رئیس اعظم لارڈ میچی لفون سے دوستانہ تعلقات تھے لہذا
 کیتھرائن کی رسائی لیڈی میچی کو ف کے گھر میں ہوئی۔ یہ معزز خاتون ستم زدہ
 کیتھرائن کے حال پر مہربانی کرتی تھی۔ اور اُسے اپنے اوپر مہربان دیکھ کے
 کیتھرائن کبھی کبھی اُس کے وہاں چلی جاتی تھی۔ اتفاقاً ایک دن اُس لارڈ میچی
 کو ف کی نظر پڑ گئی۔ اور پہلی ہی نظر میں یہ عالم ہوا کہ یہ صبر رخصت ہوا اکا
 کے ساتھ۔ مگر یہ لارڈ صاحب ابھی اپنی آرزو میں داخل نہیں چھپائے ہوئے تھے
 کہ ایک دن ان کے گھر میں شہنشاہ پطرس اعظم آیا۔ اُسے جو کیتھرائن کی باہمی

چوتھیں دیکھیں تو بے اختیار دل ہاتھ سے نکل گیا۔ پاس ہلکے کچھ پوچھا گیا۔ جواب میں اُسکی بیٹھی باتوں اور سُرنی آواز نے اور زیادہ سحر آفرینی کی۔ اور شہنشاہ غمی دل کے ساتھ اپنے ایوان شہر یاری میں گیا۔ مگر دل کی یہ حالت تھی کہ کیتھرائن کی صورت ہر وقت نظر کے سامنے پھرتی رہتی۔ آخر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر شہنشاہ پٹس نے کیتھرائن سے راہ درسم پیدا کیا۔ تعلقات برپا ہو گئے۔ اور اب یہ حالت تھی کہ کیتھرائن کی شہنشاہ کی نگاہیں اور چلتی ادائیں روز بروز زیادہ اثر کرتی جاتی تھیں۔

پٹس اعظم چند ہی روز پہلے اپنی پہلی بی بی کو اختلاف مذاق اور باہمی نا اتفاقی کیوجہ سے طلاق دے چکا تھا۔ اور اس کا دل پیشتر ہی سے کسی ایسی حدیث کو دھونڈ رہا تھا جسے ہمد و مہراز بنا کے اپنے درد دکھ میں شریک کرے لیکن ایک ایسی ادنیٰ درجہ کی مجہول الحال عورت کو یک بیک اپنا شریک سلطنت بنانے کی جرأت نہ ہو سکی خفیہ طور پر کیتھرائن سے ناجائز تعلقات پیدا کر لیے کیتھرائن نے شہنشاہ کا دل اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد روز بروز ایسی جان ستان ادائیں اور لرزائی کے ناز و انداز سے کام لیا کہ چند ہی روز میں بادشاہ اُس کا دم ناخزیدہ غلام بنا کر آخر پٹس کو اس میں بھی چین نہ پڑا کہ اپنے دل کی مالک محشوقہ سے مخفی تعلقات رکھے اور ظاہر میں نہ مل سکے پوشیدہ طور پر رومی گرجہ میں ایجا کے اور پادریوں سے ساز کر کے اس کے ساتھ بالکل مخفی طور پر نکاح پڑھا لیا اور کیتھرائن کو دنیا اس کا لقب قرار دیا۔ خفیہ طور پر تمام امرا میں اس نکاح کی بابت سرگوشیاں ہو رہی تھیں۔ جن کا اثر یہ تھا کہ مخالفت کا سنگامہ و بے ہی و بے سرد پڑ گیا اور سب لوگ اس خبر سے مالوم ہو گئے۔ کہ شہنشاہ کی بیوی ایک ادنیٰ درجہ کی مجہول الحال عورت ہے۔ لیکن شہنشاہ کے دل کو ابھی تک چین نہ تھا وہ اس بات کو بھی گوارا نہ کر سکتا تھا کہ میں تخت سلطنت پر بیٹھ کے دربار کروں اور میرے پہلو میں شہنشاہ بیگم کی حیثیت سے کیتھرائن نہ بیٹھی ہو۔ آخر جب کسید طرح

صبر نہ آیا تو اسلئے میں اپنے اس نکاح کا اعلان کر دیا اسوقت کیہ تھران کی عمر پورے
 بہ سال کی تھی جبکہ وہ نہ ایک اہل طرے دس چار دہ سالہ تھی اور نہ ایسی سن رسیدہ کہ جس جہاں
 کا احتیاط شروع ہو گیا ہو۔ خلاصہ یہ کہ اس زمانہ میں وہ ایک ایسی معشوقہ شیریں ادابتی جو دلربائی
 و دلبری کے فن میں پورا کمال رکھتی ہو۔ اب کیا تھا جلوت و خلوت میں ہر جگہ کھتران شہنشاہ کے ہمراہ تھی
 تمام مہات سلطنت میں مشورہ دیتی تھی اور ملک پر جیسی حکومت کھتران کر رہی تھی خود پیرس بھی کر سکتا تھا
 انظار نکاح کی فکر یہ بات ہوئی کہ اسلئے میں قسطنطنیہ اور سلطنت روس میں
 لڑائی چھڑ گئی۔ فوج کشی کی ضرورت سے پیرس کو میدان جنگ میں جانا ضروری تھا مگر
 سیاری کیہ تھران کو چھوڑ کے جانا اس کے امکان سے باہر تھا۔ کیونکہ بغیر اسکے ایک دم کیسے
 اسی جہاں نہ اسکتا تھا اور بہت کچھ غورو فکر کے بعد جب اسے یقین ہو گیا کہ کھتران کے فراق کو میں
 اسبطر برداشت نہ کر سکتا گا اپنے تعلقات آشکارا کر دئے اور بے تکلف نکاح کا اعلان کر دیا گیا
 امرائے ملک کو اسوقت اپنے ملک اور اپنی آزادی پر اپنی فکر میں تھیں کسی نے اس نکاح کو شک
 جسکی سن گن پہلے ہی پانچکھ تھے ناماخصی نہیں ظاہر کی اور پیرس عظم کنیھتران کو ایک عالی مرتبہ شہنشاہ
 بیگم کی شاہ سے پہلے کے خوش و خروش کے ساتھ میدان جنگ کی طرف روانہ ہوا۔

اس سفر پر کیہ تھران کو پیرس کی نظر میں زیادہ عزیز بنا دیا۔ اپنے طرز عمل سے
 اس نے خوب اچھی طرح ثابت کر دیا کہ وہ فقط ایک ناز آفرین مہ جبین معشوقہ نہیں
 بلکہ ایکائیں و ہمدردی بی۔ بلند حوصلہ والو العزم ملکہ اور صاحب الرائے مشیر و مدبر
 بھی ہو وہ ہر معاملہ میں شہنشاہ کو اچھی اور صاحب رائے سے مشورہ دیتی تھی افکارہ الام
 میں اسکی دلداری کتنی۔ بیماری میں اعلیٰ درجہ کی تیماردار بن جاتی۔ میدان جنگ
 میں اس کے گھوڑے سے گھوڑا ملاتے رہتی۔ اور خطروں میں کبھی اس کے پاس سے
 جدا نہ ہوتی۔ یہی نہیں نیکی اور ہلائی کے کاموں پر بادشاہ کو آمادہ کر کے اس سے
 ایسے کام کرائی کہ فوج اور رعایا کے دل و نیراس کی محبت کا نقش روز بروز زیادہ گہرا پڑتا
 جاتا سپاہیوں کے ساتھ وہ نہایت ہی لطیف و محبت سے پیش آتی۔ اور خود جاکے
 غریب سپاہیوں کی خدمت کرتی۔ اور تسلی و تسنی کیساتھ ان کے حوصلے بڑھاتی۔

مگر اس لڑائی میں ترک رزبروز غالب ہی آتے جاتے تھے عثمانی عساکر بڑھتے چلے آتے تھے۔ اور روک تھام کی کوئی تدبیر نہ بن پڑتی تھی۔ ترکی لشکروں نے شہنشاہ پیرس کو ہنایت عاجز کر دیا اور اسے شکست و ناکامی کا بالکل یقین ہو گیا۔ ایسی نازک حالت میں وہ طول و خرین متفکر و پریشان اپنے خیمہ میں تنہا جا کے بیٹھ رہا اور روسیوں کو حکم دیدیا کہ خبردار کوئی شخص چاہے کوئی ہو میرے خیمہ کے اندر قدم نہ رکھنے یا گھس گھسٹنے لے اس کی یہ حالت تھی تو بیانی کے ساتھ دوڑی گئی۔ سپاہیوں نے منع کیا مگر اس پر روانہ کی اور بے تکلف خیمہ کے اندر گسی چلی گئی۔ شہنشاہ اس کی صورت دیکھ کے خوش ہو گیا یہ پیاری محبت بھری صورت دیکھتے ہی دل کو تسلی ہو گئی۔ اور بولا خوب آئیں! اسوقت تمہاری ہی ضرورت تھی۔ تمہاری رائے اکثر صاحب ہو کرتی ہو اب بتاؤ کہ اس معاملہ میں کیا کروں؟ کیتھرائن نے غور کر کے کہا۔ تم میرے نزدیک تو یہ ثابت ہے کہ آپ ترکوں سے صلح کر لیں اور حکم دیدیں کہ ان کے جن جن شہروں پر روسیوں قبضہ کیا ہو چھوڑ دئے جائیں۔ رہا یہ امر کہ آپ سمجھتے ہیں اب ترک صلح پر راضی نہ ہوں گی اسکی میں ذمہ دار ہوں اور وعدہ کرتی ہوں کہ آپ کا اشارہ پاتے ہی محمد پاشا سپہ سالار روم کو راضی کر لوں گی، اس کی یہ تجویز سنکے پیرس خوش ہوا۔ اور اسے صلح کی تحریک کرنے کی اجازت دی کیتھرائن نے شہنشاہ کا اشارہ پاتے ہی ایک معتبر ہوشیار اور عقلمند روسی سردار کو بہت سے زرد جو اہر اور قیمتی... تحفوں اور ہدیوں کے ساتھ محمد پاشا کے پاس روانہ کیا۔ یہ سفارت شہنشاہ کی مرضی کے موافق کامیاب ہوئی۔ شرائط صلح طے ہو گئے۔ اور دونوں طرف کے لشکر و اسلحہ روانہ ہوئے۔ بعض متاخر مورخین کا بیان ہے کہ اس صلح میں کیتھرائن کو دخل نہ تھا بلکہ اسے دخل نہ ہونا یہ ہو لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ خود پیرس اعظم کو اس بات کا پورا پورا یقین تھا کہ ترکی سپاہیوں کی دست برد سے بچے اور میرے لشکر کو ملکہ ہی نے اپنے حسن کارگزاری سے نجات دلانی چنانچہ اسی زمانہ میں کیتھرائن کے احسانات کے ادا کئے شکر یہ کے طور پر پیرس اعظم نے مغرور کارگزاری جاقوتوں کی

متر لیں طے کر کے اُس سے جا ملی۔

اب پطرس اعظم کو دنیا میں ملکہ کیتھرائن سے زیادہ محبت کسی سے نہ تھی۔ محبت ہی نہیں اپنے آرام اور اپنی زندگی اُسکی زندگی سے وابستہ سمجھتا تھا۔ بد نصیبی سے خدائے اُسے کوئی وارث تلج و تخت بیٹا نہیں دیا تھا جس کے دم سے آئندہ کی امیدیں وابستہ ہوتیں ان مجموعی باتوں نے دل پر اثر کر کے اُسے اس بات پر آمادہ کر دیا تھا کہ جان سے زیادہ پیاری بی بی کو باضابطہ طور پر تلج شہنشاہی پہنائے اور اُس کو اپنا وارث سلطنت قرار دے۔ چنانچہ اُس نے ایک نیا عالیشان گرجا تعمیر کرایا جسکا اپنی شہنشاہ بیگم کے نام سے نام رکھ دیا۔ اُسی کینسہ میں ۱۶۲۲ء میں کیتھرائن کو بڑے جلوس اور نہایت تزک و احتشام سے لے جا کے تلج شاہی پہنایا۔ ملکہ کے جلوس میں خود شہنشاہ ایک فوجی افسر کی طرح پایادہ گرے تک گیا وہاں اپنے ہی ہاتھ سے اُسے تلج قیصری پہنایا۔ اور ملکہ کی تلج پوشی کے بعد اپنی طرف سے ایک اعلان پڑھ کے سنایا جس کا مضمون یہ تھا۔

”از جانب شہنشاہ اعظم مالک دولت روس بنام جملہ مقتدران دین و دالیان ممالک و سرداران فوج و رعایائے ممالک بحر و سر روس جو لوگ دیانت و امانت کی صفت سے متصف ہیں۔ تم سب جانتے ہو کہ تمام ممالک سچی میں قدیم الا پیام سے رواج چلا آتا ہے کہ سلاطین اپنی شریک زندگی ملکاؤں کو تلج شاہی پہناتے ہیں جس طرح یہ دستور آج جاری ہے۔ اُسی طرح از منہ ماضیہ میں بھی سچی المذہب مشرقی شہنشاہ روم میں بھی جاری تھا قیصر یاز لیندر نے اپنی ملکہ زوہیمہ کو قیصر خستہ میں اپنے اپنی ملکہ لوئی سینا کو قیصر سرقل نے اپنی بی بی قتر تھیمہ کو اور قیصر لیمون فلسفی نے اپنی بی بی ماریہ کو اور دیگر قیصرہ روم نے اپنی شہنشاہ بیگم کو تلج شہنشاہی پہنائے جن کی فہرست بتانے کی ضرورت نہیں۔ اس کے ساتھ اس بات بھی سب لوگ بخوبی واقف ہیں کہ اس سچی لڑائی میں جو مسلسل ۱۲ سال تک جاری رہی ہم نے مالک میں راجہ امان قائم رکھنے کے لیے سخت سے سخت مصیبتوں کا سامنا

کیا اور بڑی دشواریوں سے لڑتے رہے بفضلہ تعالیٰ ان لڑائیوں کا خاتمہ پوری گلیا بی
 پر ہوا اور جیسی یا وقت صلح اس موقع پر حاصل ہوئی ہو اس سے پہلے کبھی سلطنت
 روس کو نہیں نصیب ہوئی تھی اور نہ ہماری قوم کو کبھی ایسا فخر حاصل ہوا تھا جیسا
 کہ فی الحال اس موقع پر حاصل ہوا۔ ان مہموں میں ہماری بی بی ملکہ کیتھرائن نے
 نہایت خلوص دل اور مستعدی و دانائی سے ہماری مدد کی۔ اور بارہا نازک موقعوں
 پر اس نے ہمارے لیے زندگی خطروں میں ڈال دی خصوصاً اس نازک موقع پر
 جبکہ دریائے پرت کے کنارے عساکر عثمانیہ کے مقابل ہماری فوج کجالت بہت اتر
 ہو گئی تھی اور ہمارے سپاہیوں کو بہت اضطراب تھا۔ اس موقع پر ہمارے پاس
 صرف بائیس ہزار سپاہی رہ گئے تھے۔ اور عثمانی لشکر کی تعداد دو لاکھ ستر ہزار تھی
 ان مواقع پر اس سے بڑی ہماری حمیت اور اعلیٰ درجہ کی شجاعت ظاہر ہوئی
 جس سے ہمارے تمام سپاہی واقف ہیں۔ اس کے ان خدمات کا لحاظ کر کے
 اور نیز ان اقتدارات کی بنا پر جو ہمیں خدا کی عنایت سے حاصل ہیں اسکی تاج پوشی
 کی رسم شہر ماسکو میں اس سال کے موسم سرما میں ادا کیا جاتا ہے جس کا اعلان
 ہمارے اور ہماری ملکہ کے بھی خواہ دوستوں میں اس سے پہلے ہی ہو چکا تھا
 لیکن تعجب معلوم ہوتا ہے کہ درجہ کمال تک پہنچنے اور کیتھرائن کے وار شٹلج
 و تخت قرار پا جانے کے بعد یکایک پٹرس عظیم کو اس کی جانب بدگمانی پیدا ہوئی
 دونوں کی باہمی محبت نفرت و حسرت سے بدل گئی جس کا ظہور یوں ہوا۔ کہ
 اسی تاج پوشی کے برس یعنی ۱۸۲۷ء کے آخر میں پٹرس کو یقین ہو گیا کہ اسکی
 ملکہ کو ایک شخص سے ناجائز تعلق ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ کی عظمت و سطوت
 کو حد سے زیادہ بڑھ جاتے دیکھ کے بعض امراءے روس کو حسد معلوم ہوا اور
 ان کی سازشوں نے شہنشاہ بیگم کو اپنے شوہر ارکی نظر میں مہتمم کر دیا۔ وہ شخص
 جس کی نسبت خیال تھا کہ ملکہ کا منظور نظر ہے۔ اسے تو پٹرس نے قتل کر ڈالا
 مگر ملکہ کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ اس لیے کہ اسے اس بلند درجہ سے گرا نا جس پر وہ پہنچ

پہلی بھٹی آسان نہ تھا۔ شاید زار روس اس پر بھی آباد ہو جاتا کیونکہ اس کے حکم سے سرتابی کرنے کی کسی میں جرأت نہ تھی۔ مگر زندگی نے وفانہ کی اور ۱۷۵۷ء کے ابتداء ہی میں وہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔

پطرس اعظم کی موت کی نسبت لوگوں میں بڑا اختلاف ہو بعض لوگ کہتے ہیں کہ ملکہ کیتھرین ہی نے اسے زہر دے کے مار ڈالا۔ اسکا کوئی ثبوت نہیں ہے اور نہ کوئی باوقعت شہادت موجود ہے کہ ملکہ کو الزام دیا جاسکے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ ایسا خیال کرنے کے قرائن موجود تھے۔ چونکہ اب زار اپنی اس ملکہ سے نہایت ناراض تھا لہذا ممکن نہیں کہ اسکو آزار پہنچانے کی فکر میں نہ کر رہا ہو۔ اور کیا عجیب کہ اگر زندہ رہتا تو اپنے شہنشاہی اقتدارات سے جسطرح پہلی بی بی کو طلاق دی تھی اسے بھی دے دیتا۔ اور کیتھرین کو جو کچھ عزتیں حاصل ہو گئی تھیں آٹا فائیس خاک میں مل جاتیں۔ مگر باوجود ایسے قرائن کے ہیں بغیر کسی کافی ثبوت کے کیتھرین کو مستہم کر نیکیا حق حاصل نہیں ہو۔

پطرس کے مرنے کے بعد کیتھرین نے اس کی موت کو کچھ زمانہ تک مخفی رکھا کیونکہ وہ چاہتی تھی کہ اپنے مقاصد کے مطابق تداریک انجام دے لینے اور اپنے طرفداروں کی پارٹی تیار کر لینے کے بعد شہنشاہ کی وفات کو عوام پر ظاہر کرے۔ اس مقصد میں وہ پوری طرح کامیاب ہوئی۔ پطرس اعظم کے مرنے کی خبر مشہور ہوتے ہی تخت نشینی کے متعلق لوگوں میں اختلاف پڑا۔ مگر نادر میسچی کوف اور دیگر امرا جو ملک اعلیٰ عہدہ داران سلطنت پرچ بشپ بلہ سکوزیر جنگ اور بہت سے صاحبانہ لوگوں کی ایک زبردست جماعت نے بالاتفاق کہا کہ ”پطرس اعظم اپنی ملکہ کیتھرین کے لئے تخت نشینی کی وصیت کر گیا ہے۔ اور صاف الفاظ میں بتا گیا ہے کہ اس کی جانشینی کے لئے ملکہ سے زیادہ کوئی اہل نہیں ہے۔“ اس جماعت میں اتواتوٹریڈ لوگ شامل تھے کہ تمام مخالفوں کے حوصلے پست ہو گئے اور کسی کو علم مخالفت بلند کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ سب ملکہ کی اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار کیا اور اسطرح یہ

سے لیوونیا کی وہی بد نصیب لڑکی جو اپنی ولادت کے وقت نہ طرح اور بہرات میں
بد قسمت نظر آتی تھی اور انتہا درجہ کی مفلوک الحال تھی ۱۸۲۵ء میں سلطنت
روس کے سریشا ہنشاہی پر جلوہ افروز ہوئی اور دنیا کا ایک بڑا بہاری حصہ
اُس کے زیر فرمان تھا۔

عنان فرمانروائی با تہ میں لیتے ہی اُس نے نظم و نسق سلطنت کی طرف توجہ
کی اور اُسکے عہد کے اہم واقعات میں سے یہ امور ہیں کہ مجلس اعیان دیاؤسوف
لارڈ کو اُس نے توڑ دیا جس کی مملکت روس میں بھی ضرورت تھی کیونکہ روس
میں امراء کا اثر بہت بڑا ہوا تھا اور غریبوں کی فریاد بہت کم سنی جاتی تھی، مذہبی
لوگوں کا اثر اس سے پہلے حکومت پر غالب تھا۔ اس میں بھی اس نے مناسب
اصلاحیں کیں۔ مقتدایان دین کے خطاب القاب بیکار کر دیے۔ اور ان کی
حکومت دائرہ کتب مقدسہ ہی تک محدود کر دی۔

پادریوں کا زور کم کر نیچے ساتھ اُس نے مجلس تعلیمات کو تقویت دی۔ اور
کوشش کی کہ ملک میں آزادانہ تعلیم اور علم و فضل کو ترقی ہو۔ اُس نے
اپنے مشیروں کی ایک مخفی مجلس شوریٰ مقرر کی تھی جو اس کی ذات تک محدود
تھی۔ اور رعایا پر اُس کے ارکان کا اثر نہ پڑ سکتا تھا۔

لیکن افسوس کہ اُس کی زندگی نے بہت جلد بے وفائی کی۔ اور اپنے شوہر
کے بعد کچھ کم تین ہی سال حکومت کرنے پائی تھی کہ بادشاہ کے جوانوں نے
۱۸۲۵ء میں اُس کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔ جبکہ اُس کی عمر ۴۲ سال
سے زیادہ نہ تھی۔

اس روسی سمیر ایس کی زندگی کے کارناموں کے دیکھنے سے معلوم ہوگا
کہ وہ جیسی صاحبِ جن و جمال تھی ویسی ہی عاقل و ہوشیار بھی تھی۔ اپنے حسن و
قوت سے اُس نے ایک زبردست ترین شہنشاہی اپنا غلام ہی نہیں بنالیا
تھا بلکہ اپنی ہمدردی و محبت سے رعایا کے ہزاروں دل بھی اپنے ہاتھ میں لے

ہلسا (قسطین عظم کی نان)

اسکی ابتدائی زندگی بالکل تاریکی میں ہے کسی کو یہ بھی نہیں معلوم کہ اسکے مان باپ کون تھے بلور کس درجہ کے لوگ تھے لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ نہایت ہی حسین و نازنین پر ہی جمال و مد طلعتی اور ایسی حسینہ تھی کہ جس کی نظر پڑ جاتی فریقہ ہو جانا۔ ایشیائے کوچک کے مشرقیہ میں جسے ہل عرب شہر رہا کہتے ہیں۔ شہر کے قریب پیدا ہوئی۔

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ قباہرہ روم عیسائیوں پر ظلم کرتے کرتے شک گئے تھے اور نظر آتا تھا کہ اس نئے دین کی جس قدر روک کی جاتی ہے اسی قدر بڑھتا جاتا ہے۔ اکثر غز با حضرت مسیح پر ایمان لاتے جاتے تھے۔ اور اندری اندر ان کی تعداد بڑھتی جاتی تھی۔ اس کے ساتھ مسیحیوں میں جو دشمنی بھی پیدا ہوئی اور بلکا تھا۔ جن کے مقابل تمام پڑاتے بت پرستان روم کا جوش بھڑکا پڑ گیا تھا وہی جوش مسیحیوں کی تعداد بڑھا رہی تھی اس نے اس حسین لڑکی کو بھی مسیحیت کا شیدائہ بنا دیا۔ اور مشرق کے افسقہ کے پاس جا کے اسکے ہاتھ پر ایمان لائی اور نہایت ہی کتابوں کی تعلیم پائے ایک تعلیم یافتہ لڑکی کی قسطین مملور وں جو قیصر قسطنطینوس کا معتد علیہ فسر تھا حملہ آوری کے سلسلہ میں روہل گیا اور نفاٹا اسکی نظر پلینا پر پڑ گئی۔ اور دیکھتے ہی سو جان سے عاشق ہو گیا۔ نارت کو ایک مضبوط شہر کی لڑکی پرورہ چاہے کسی ہی حسینہ ہو و سترس پانا کون مشکل تھا اسے ساتھ لے کے زین تان (سوڈو) قسطینہ میں گیا اور اپنی ناز افزائی پر پور بنا کے رکھنے لگا۔ پلینا مسیحیہ ہو چکی تھی مگر اس کے رومی نژاد شہر کا مذہب وہی پرانا مشرک کا مذہب بت پرستی تھا وہاں اس کے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوا جسکی ولادت کے ساتھ بخومیوں نے قسطنطینوس قیصر سے کہا کہ "تیرا کاغذ قریب سارے روم کا مالک ہو جائیگا۔ اور ہل روم کے مذہب کو بھی ہل دیگا" یہ سنتے ہی قسطنطینوس اسکی خوں کا پیاسا ہو گیا۔ باپ سے سوا اسکی اور کچھ نہ تھا بڑا کہ بی بی کو مع بچہ کے اسکے میکے میں بھیج دیا۔ پلینا اگرچہ اپنے مذہب پر مستقل تھی مگر اس کی جرأت اسے مشکل سے ہو سکتی تھی کہ بیٹے کو بھی اپنے مذہب کی تعلیم سے محروم نہ کرے اور اس کے وطن میں رہنے سے اور کچھ نہیں تو انسانانہ ضرور رہا

کہ اس کے دل میں اگر مسیحیت نہیں تو مسیحیوں کی ایک گروہ محبت ضرور پیدا ہو گئی۔ چند روز بعد جب وقایہ انوس قیصر گرگ ان وقت بالندہ بیٹا پاپے کے پاس جا کے سنا۔

قسطنطین کلووس نے ملینا کو یا تو اس کی مسیحیت کی وجہ سے یا اور کسی بنا پر طلاق دیدی۔ اور قسطنطین انوس ہتل کی بیٹی سے عقد کر لیا جس سے ملینا مصیبت اور تنہائی میں پڑ گئی مگر اپنے بچہ کی امید پر مصیبت کے ایام صبر و سکون سے کاٹتی رہی اب بہرہ کار و فیروزہ کے مطابق اپنے باپ کے نام قسطنطین کا وارث ہوا۔ اور اپنے کارناموں اور اپنی بہ نظیر کامیابیوں اور اقبالہ مشاہیروں کی بدولت قسطنطین اعظم کے لقب سے مشہور ہوا۔ اس کا باپ آخر زمانہ میں مغربی قلمرو و روم کا حاکم تھا۔ اور اس کے سر پر برومی اسلی حکومت کا بانی ٹھہرا۔

ان دونوں روم میں ایک ہی زمانہ میں دو شہنشاہ راکرتے تھے چنانچہ مغربی قلمرو و روم کا حاکم قسطنطین تھا جو علاقہ گالیا (فرانس و جینی) میں رہتا۔ اور دوسرا فرانز و قسطنطینوس تھا جو اس روم قہر کی میں تھا۔ دونوں میں رقابت و عداوت برپا رہتی تھی۔ اور قسطنطین اپنے لشکر کو روز بروز باوہ زبردست اور مشہور بنا تا رہا۔ لیکن جس طرح خلافت عباسیہ میں امین اور مامون کے جھگڑوں میں عرب اور بنی عباس میں کے طرقدار تھے اور عجمی مامون کو چاہتے تھے اور اسے اپنا بھائی جانتے تھے کیونکہ اس کی ماں مر اعلیٰ عجمی تھی اسی طرح روم میں عجمی بیت پرست قسطنطینوس کے طرقدار تھے اور عجمی لوگوں کو قسطنطین سے زیادہ محبت تھی۔ جسے وہ اپنا بھائی جانتے کیونکہ مسیحی عورت کا لڑکا تھا۔ قسطنطین نے ویکہا کہ جیسا سچا جوش اور حبیبی، مستعدی و جان بازی آج کل عیسائیوں میں ہے بت پرستوں میں نہیں مسیحیوں کی استقامت شروع کی۔ اور آسمان پر ایک نورانی صلیب دکھانے کے صلے میں جھنڈا بنایا جس کے آگے مسیحی، دوڑ دوڑ کے سر جھکا دیتے تھے اس سے پیشتر مسیحیوں نے صلیب کو اپنا دینی شعار نہیں قرار دیا تھا۔ مگر قسطنطین کی روحانی آنکھوں نے رومیوں ہی کے مذاق ایک بت آسمان پر دکھانے کے عیسائیوں کو دکھایا انہیں دیکھتے ہی حضرت مسیح کی شہادت و مصلوبی یاد آ گئی اور دوڑ دوڑ کر آگے آگے جوش و خروش سے سر جھکانے لگے۔ یہ سلسلہ ۳۱۲ء کا واقعہ ہے،

آخر قسطنطین صلیب پر اُٹھایا اور پانچ سو مسیحیوں کا زبردست لشکر لے کر ہونے والی کیرسٹیا پر

چوڑھ آیا جریضہ کو شکست دے کر قتل کیا۔ اور لڑکھڑکے رومہ الگبری میں داخل ہوا اگر ہوائے
لوگوں نے جو اپنے قدیم مذہب کے لئے ادا تھے اس کا استقبال نہایت سرد مزاجی سے کیا۔ اور اسے
وہ گرجوئی نہیں ظاہر ہوئی جس کو قسطنطین چاہتا تھا۔ یہ دیکھ کے اسے رومہ الگبری سے نفرت
ہو گئی۔ اور مشرق کا سفر کر کے پڑانے شہر نسطیم میں آیا۔ اور اسے خوب آداب و کرامت شروع کی جس کا
نام اس کی یادگار میں قسطنطین قرار پایا۔

اب قسطنطین ساری مملکت روم کا شہنشاہ تھا۔ اور کسی کی مجال نہ تھی۔ کہ اس کی پری
کا دعویٰ کر سکے اس کی مان جو باب کے زمانہ سے نکالی ہوئی تھی قسطنطین شاہ میں آئے والو سلطان
بھی جس کو قسطنطین نہایت ہی ادب و لحاظ کرتا تھا۔ اور قسطنطین میں جو جنگ جو یہ طریقہ جاری ہے
کہ شہنشاہ کی مان اصلی الگ سلطنت اور مالک اچھے میں سب سے زیادہ واجب التعمیم تسلیم کی جاتی ہے
غالباً پلینا ہی کے زمانہ کی سنت ہے اس میں شک نہیں کہ دین اسلام کے روم سے ہی مان کی سی
ہی تعظیم ہونی چاہیے جیسی کہ قسطنطین میں کی جاتی ہے۔ لیکن کسی اور اسلامی سلطنت و مملکت
میں بادشاہ کی یاد کو ویسا امتیاز نہیں حاصل ہوتا جیسا کہ وہاں دیکھا جاتا ہے۔

اب تخت و تاج حاصل کرنے کے بعد قسطنطین کو اپنا سب سے بڑا فرض یہ نظر آتا تھا کہ عیسائیوں
احسان کا معاوضہ کرے جنکی جان بازی سے اسے سلطنت ملی تھی۔ اس بارے میں اس کی
مشیر اس کی مان پلینا ہی تھی جو کلی مسیحیت تھی۔

قسطنطین عظیم کی نسبت بعض لوگوں نے لکھ دیا ہے کہ وہ عیسائی ہو گیا تھا۔ مگر اس کا
کوئی ثبوت نہیں موجود ہے بے شک اس نے عیسائیوں کی جو طر فزاری کی بہت المقدس میں
جگہ لگائے لئے کیسے اور عبادت خانے تعمیر کرائے۔ سلطنت روم کے قوانین میں عیسائیوں کے
متعلق جو سختیاں تھیں دور کردیں۔ اس سے بھی بڑھ کے یہ کیا کہ عیسائیوں کی حالت اتنی تک
بالکل غیر منتظم تھی ان کے عقائد و مسائل میں اہم سخت اختلافات پڑ گئے تھے قسطنطین نے نتیجہ
میں عیسائیوں کی سب سے پہلی دینی کونسل منعقد کی جس میں تمام ملکوں کے اسقف اور پوپ
شریک ہوئے اور قرار دیا گیا کہ اب سچے مسیحی کے کیا عقائد ہونے چاہئیں اور تثلیث کا مسئلہ بھی
کونسل میں لایا گیا اور یہ اسقف موجود تھے اور تثلیث کے مخالف تھے پھر وہ دین قرار دینے لگے

اس کونسل میں قسطنطین خود بھی شریک ہوا۔ مگر اسی طرح جیسے محمد بن ابی کبشہل کا نفرین میں کبھی
لفطنت گورنر بہادر آجائے ہیں۔ باوجود عیسائیوں کی ایسی طرفداری کے اُس نے رومیوں سے اپنی
تعلقات منقطع نہیں کیے تھے۔ سینٹ صوفیا جو آج کل مسجد ہے۔ اور اس سے پہلے کیسہ تھی اسی قسطنطین
کی بنائی ہوئی ہے جسے اُس نے مسیحیوں کے لئے نہیں بلکہ علم کی دیوی کے مندر کی حیثیت سے
تعمیر کرایا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیوں نے تو قسطنطین کا نام اپنے سینٹوں (ولیدوں) کی فہرست
میں درج کر لیا اور بت پرستوں نے اسی خوشی سے اپنا ایک دیوتا تسلیم کر لیا۔

بیت المقدس اور ارض فلسطین میں مسیحیوں کے خوش کرنے کے لئے ہنسنے جو کچھ کیا اپنی ماں بلینا
کے ذریعہ سے کیا۔ وہ ایک عقیدت کیش زائرہ کی وضع سے ادب و تعظیم کے ساتھ ہاں آئی۔ جہاں
جہاں حضرت مسیح کے تشریف لے جانے کا حال سنایا جن جن مقامات سے آپ کا کچھ بھی تعلق،
ثابت ہوا وہاں خود گئی۔ اور مناسب مقامات پر گرہ بنوائے۔ بیت اللحم میں آپ کے مولد پر
کالوری کی پہاڑی پر یعنی آپ کے مقتل پر سیز اُس مقام پر جسے عیسائی آپ کا مدفن بتاتے
تھے۔ بڑی بڑی عالیشان عمارتیں بنوائیں اور جس قدر اُن زیارت گاہوں کی طرف اُس نے
توجہ کی اسی قدر اصلی حرم یعنی مسجد قسطنطنیہ کی جانب سے بے پروائی کی گئی۔ اس لئے کہ ارض یہود
کے اصلی عیسائی جو اس کی قدر کرتے تھے فلاکت زدہ تھے اور رومی دیوانی عیسائیوں کو اس سے
سمجھنا، عداوت تھی کہونکہ جیسی آزادی وہ چاہتے تھے وہ اُس وقت تک نصیب ہی نہ ہو سکتی
تھی جب تک کہ یہودی پرانی شریعت اور قدیم چیزوں کو کھینٹ ترک نہ کر دیا جاتا۔

بلینا یہاں بڑی خوش اعتقادوں کے ساتھ آئی تھی۔ صاحبزادہ نے آسمان پر نورانی صلیب
دیکھی تھی۔ اب والدہ محترمہ نے یہاں پہونچے خواب میں زمین کے نیچے وہ اصلی صلیب دیکھ لی
جس پر حضرت مسیح مصلوب کئے گئے تھے۔ چنانچہ اُس کے اشارہ سے کالوری کی پہاڑی پر کھودا گیا
تو زمین کے اندر سے تین صلیبیں برآمد ہوئیں۔ حضرت مسیح کے ساتھ دو ڈاکو بھی مصلوب کئے گئے
تھے لہذا اس بات کا تو یقین ہو گیا کہ یہ وہی تینوں صلیبیں ہیں مگر اس امر کا فیصلہ کرنا باقی تھا کہ
ان میں سے کون صلیب حضرت عیسیٰ والی ہے اور کون ڈاکوؤں والی ہیں آخر خوش اعتقادوں
نے اس کا بھی تصفیہ کر دیا۔ ان تینوں صلیبوں میں سے ہر صلیب پر ایک ہزار ایک ہزار پانچ سو

رہی گئی اور جس صلیب کی باری میں وہ مرنے اچھا ہو گیا۔ سمجھ لیا گیا کہ وہ اصلی صلیب جس پر حضرت مسیحؑ رہا کرتے تھے یہی ہے۔ یورپ میں اس صلیب کی بڑی ٹھہرت ہوئی اور اس کے لئے بڑی بڑی خوزیریاں بنیں۔ اسکے ٹکڑے کاٹ کاٹ کر بعض معزز اشراف کو دیئے جاتے جو یورپ کے اکثر گرجوں میں اصلی صلیب کے نام سے قائم کئے جاتے۔ اور ان کے سامنے لوگ جا جا کر سجدہ کرتے آخر یورپ میں اتنی صلیبیں بن گئیں کہ اگر وہ ایک ایک جگہ جمع کی جائیں تو پورے جتنگل کی لکڑیوں سے بھی ان کی تعداد زیادہ ہوتی۔

الغرض یہ یلینا ہی کسٹن کا کرشمہ تھا جس نے قلمرو روم میں مسیحیوں کو امن و امان دلوائی۔ اور چند روز بعد دولت روم کو مسیحی دور تہا دیا۔ بیت المقدس میں صدیوں کا عالیشان گرجے تعمیر کرائے اور آخر یورپ سے ہمارے دین کو بالکل مٹا دیا۔ وہ جیسا ہم بیان کر چکے ہیں مسیحیوں کے قریب پیدا ہوئی تھی۔ مسیحیوں میں جبکہ اس کی عمر ۲۷ برس کی تھی۔ اس کے بطن سے قسطنطین اعظم پیدا ہوا۔ ۳۱۳ء میں جبکہ اس کی عمر ۶ سال کی تھی قسطنطین تخت و تاج روم کا مالک ہوا۔ ۳۲۵ء میں جبکہ وہ ۱۲ برس کی تھی بیت المقدس کی زیارت کو آئی۔ اور یہاں کے گرجے بنوائے۔ اور ۳۳۷ء میں ۸۰ برس کی ہو کر میناسے رخصت ہو گئی۔

وہ عیسائیوں کی ملکہ استیہ تھی جس طرح یہود کو ایک یہودیہ لڑکی کے ملکہ بن جانے سے پہلے عروج حاصل ہو گیا تھا ویسے ہی یلینا کے ملکہ بن جانے سے مسیحیت کے دن بھرے دن ہی نہیں پھرے ملکہ عقیلی ہی درست ہوئی۔ کیونکہ عیسائیوں کے مذاق کی اصلی مسیحیت وہی ہے جو نقیہ کی کونسل میں اصلی مسیحیت اور ذریعہ جات قرار پائی اور ظاہر ہے کہ اگر یلینا نہ ہوتی تو وہ کونسل ہی نہ ہوتی اور کونسل نہ ہوتی تو شاید عیسائیوں کو اس کے تسلیم کرنے میں عذر نہ ہو گا کہ سچا دین اور سچی صراط مسیحیت فنا ہو گئی تھی۔ لیکن ہمیں امنوس ہے کہ مسیحی اسی کونسل اور اسی ملکہ کی وجہ سے سچی توحید کی برکتوں سے محروم ہوئے۔

سجّاح

جی اسرائیل میں صد ہا پیغمبر پیدا ہوئے مگر کوئی ایسی عورت نہیں نظر آتی جس نے کبھی جھوٹوں کی جنت کا دعویٰ کیا ہو۔ بت پرست اقوام میں دیویاں تو ہزاروں بن گئیں مگر نتیجہ کوئی نہیں بنی۔ بابل میں سیرامیس ماکا تھی جو ظہر الہی قرار پائے قوم کی قابل تعظیم و پرستش دیوی بن گئی۔ یورپ میں ہزار ہا بتوں

اور ولیدہ عورتوں میں سے کسی ایک جون آٹ ارب ایسی عورت تھیں جس پر الکہبات کا افتادہ اور ایسا کہلاؤ پڑا کہ اس سے پیبری کی شان ہی نمایاں ہونے لگی۔ مگر صاف الفاظ میں نبوت کا دعویٰ اس نے ہی نہیں کیا۔ لیکن عرب کے خصائص میں ایک یہ بات بھی ہے کہ اس میں ایک ایسی عورت ہی پیدا ہوئی جو صریح الفاظ میں نبوت کی دعوت دیتی اور جس کا نام سجاح ہے،

یہ حارث بن سعید بن عقیفان کی بیٹی تھی۔ ہوازن کے مختلف قبائل میں سے بنی تمیم میں پیدا ہوئی تھی۔ اور قبیلہ بنی تغلب سے ناہنہائی قرینت رکھتی تھی۔ عرب کے شمال و مشرق میں اس سرزمین میں اس کا نشو و نما ہوا تھا جو میان دو آب یعنی دجلہ اور فرات کے بیچ میں واقع ہے جسے یونانی اگلے دنوں مسوپوٹامیا کہتے تھے اور فی الحال دریاؤں کے وسط میں ہونے کے باعث البحر الہند کہلاتی ہے۔ سجاح بڑی عاقلہ حکیمہ عالمہ۔ اور صبر و پختہ تھی۔ اور اسی کے ساتھ اللہ عز و جل اور نبی ہی مستقل مزاج تھی۔ اس کے حسن و جمال کے متعلق ہمارے پاس کوئی خاص شہادت موجود نہیں ہے لیکن اس کی باتوں میں اگلے زمانے کی کاہنہ عورتوں کے ایسے حکم کی شان پائی جاتی ہے اور ایسے خوبصورت حملے سے نکلتے تھے کہ معلوم ہونا پھول جھڑنے میں جو لوگوں کو گروہ کر لینے۔ اور جو شخص اس کی گفتگو سننا مطیع و متقاد ہو جاتا۔ اور اس کے ساتھ یہ تھا کہ ابھی شباب کا زمانہ تھا جبکہ الفاظ کو دلیری اور دلربائی میں اس کے ناز و انداز اور چشم و ابرو سے ہی مدد مل جاتی۔

ان دنوں عرب کی حالت نہایت نازک ہو رہی تھی۔ جناب سرور کائنات صلعم سفر آخرت فرما چکے تھے تمام صحوہات عرب اور تقریباً کل قبائل دہن اسلام قبول کر چکے تھے اور ایک روحانی تہذیب کے ساتھ سارے عربوں میں اتحاد و اتفاق پیدا ہو چکا تھا جن کے ذمہ یہ فزع عالم کیا گیا تھا۔ کہ جائے کسی قسم کے خراج کے زکوٰۃ کی رقم مدینہ طیبہ میں بھیجا کریں تاکہ وہ رقم ملی مصالح اور تمدنی ضرورتوں میں خرچ ہو کرے۔ جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سوئے۔ تو مختلف قبائل عرب میں یہ شک پیدا ہوا کہ اب حضرت رسالت کے بعد یہی زکوٰۃ کی رقم مدینہ میں بھیجی جائے یا نہ بھیجی جائے۔

اس شک کے ساتھ ہی مختلف مقامات میں کئی شخص پیدا ہو گئے جنہوں نے بجا یہ خبر دی کہ زکوٰۃ کا دعویٰ کیا۔ اور جو لوگ رقم زکوٰۃ کے بھیجے میں تامل کر رہے تھے انہیں جہاں سے رو

اور سارے عرب میں بغاوت کی آگ سی لگ گئی۔ صرف ایک مکہ معظمہ تو سرطاعت جھکائے با
جو مخالفین کا پورا جوش ابتدائے بعثت ہی میں دکھایا تھا۔ باقی تمام بلاد عرب بغاوت پر آمادہ
ہو گئے صاف صاف کہنے لگے کہ ہم زکوٰۃ نہیں دے گے اور پھر وہ ایمان نبوت نے اس آتش فساد
پر اور تیل ڈالنا شروع کیا۔

یہاں مدینہ کی یہ حالت تھی کہ اس عام شورش اور ہر طرف پھیلی ہوئی بغاوت کو خطرناک
نظر کر کے تمام صحابہ اور بڑے بڑے صاحب الرائے لوگ وہ جاے پر آمادہ تھے حضرت عمر کا سا سخت
مزان شخص بھی ابوبکر صدیق کو ہی مستنہور دنیا تھا کہ فی الحال ہی مصلحت ہے کہ جو لوگ ادائے زکوٰۃ
میں غدر کرتے ہیں۔ ان سے تعرض نہ کیا جائے مگر ابوبکر صدیق اپنی ضد پر اڑے ہوئے تھے کہ خدا کی قسم
لو جوئے کا ایسا قسم بھی جیسے یہ لوگ آنحضرت صلعم کی زندگی میں دیتے ہوں اور اب نہ دین گے ہرگز نہ چھوڑ
اور اس کے لئے ان سے لڑو تاکہ تم اگر ساتھ نہ دو گے تو اکیلا جا کے مقابلہ کروں گا۔ مگر اسے گوارا نہ کروں گا
کہ اسلام کا ایک رکن ٹوٹ جائے۔

جبکہ مدینہ میں یہ حالت تھی طلحہ ایک طرف۔ اسود عنسی ایک طرف۔ اور مسکبہ کہ زابلہ بکطرف
نبوت کے دعوے کر کے اپنے اپنے ہم وطنوں اور قبیلوں کو توڑ توڑ کے مدینہ کے مخالف بنا رہے تھے سچا
ہی اپنے وطن الجزیرہ سے تیس سیم دو گئے قبائل ہوا زن اور اپنے ناہمالی قرابت داروں بنی تغلب کا
ایک لشکر عظیم لے کے روانہ ہوئی کہ حجاز کے پیغمبر اپنی صلعم کے مقابلہ میں اپنی نبوت کا آواز دہند اور
ابوبکر صدیق سے مقابلہ کرے۔ ہزبل بن عمران جو بنی تغلب کا ایک نامور سردار اور عبید بن جراح کا
دین مسمیٰ کو چھوڑ کے سچا پر ایمان لے آیا اور اس کے ساتھ ہی دیگر قبائل کے اور بھی بہت سے صاحب اثر
سردار اس کے مطیع و متقاؤں کے اس کا کلمہ پڑھنے لگے زیاد بن ہلال بنی اباد کے لوگوں کے ساتھ عقد
بن ہلال بنی نمر کے ساتھ سیلیل بن قیس بنی شیبان کے ساتھ آگے اس کے لشکر میں مل گئے اور سچا کے
چھوڑے کے پیچھے ایک بڑا بھاری لشکر جمع ہو گیا۔ لیکن ان لوگوں میں باہمی رقابت و عداوت ایسی تھی
کہ سب کا ساتھ آخر تک نہ ہو سکا۔ اور یہ حال تھی کہ اگر اس کے کہنے پر عمل کیا گیا۔ تو وہ بکھڑ گیا۔ اور اسکی
بات ماننی لگی۔ تو یہ بگڑ گیا۔

آخر ان کے درمیان جو جنگ ہوئی اس کے نتیجے میں انہیں اجباراً کہ بنی ربیعہ

حملہ کریں۔ بنی رباب بھی مقابلہ کو تیار ہو گئے۔ اور ایک سخت لڑائی ہوئی جس میں دونوں طرف کے بہت لوگ مارے گئے۔ مگر قتل و خون کے بعد ان لوگوں سے صلح ہو گئی۔ اور سحاح اپنے لشکر کو لے کے مقام بناج میں پہنچی۔ یہاں یہ مصیبت پڑی کہ اُس میں خود یہ بھی نے اُس کے لشکر پر ناگہان حملہ کر کے اُس کے کمر ذبردست اور اعلیٰ درجہ کے افسروں کو گرفتار کر لیا۔ لیکن سحاح کی حکمت عملی اب بھی کامیاب ہوئی اس کے قیدیوں کو رہائی ملی اور اس شرط پر صلح ہو گئی کہ سحاح اس سرزمین کو چھوڑے کسی اور طرف کا قصد کرے اب سحاح اپنے غلام نشان لشکر کو لے کے اُنکے گھر بھی تو ارض یا میر میں پہنچی۔

یہاں میں قبیلہ بنی حنیفہ آباد تھا جن لوگوں کو مسیلہ کذاب نے بہکا کے اپنی نبوت کا معتقد بنا لیا تھا۔ انہیں وہ عجیب عجیب چیمیں سنا تھا۔ اور نئے نئے احکام جاری کرتا تھا۔ اور نبوت کی نقل کر رہیں اپنے تمام معاصروں و عیان رسالت پر فوقی لے گیا۔ چنانچہ اُس کی شریعت کا ایک حکم یہ تھا کہ جس کسی کا کوئی جینا جاگتا بیٹا موجود ہو اسے دوسری شادی نہ کرنا اور کنارا اپنی منکوحہ بی بی سے تھارہتا کرنا ہر اسے۔ ہاں اگر بیٹا مر جائے۔ تو اُس وقت تک جائز ہے کہ جب تک دوسرے بیٹا نہ پیدا کرے۔ مسیلہ نے جب سحاح کی نبوت اور اُس کے لشکر عظیم کے سر پر پہنچنے کی خبر سنی تو بہتہ انگڑیاں

اور ڈرا کہ ایسا نہ ہو میرے گرد و پیش کے قبائل اس سے جا ملین۔ اور میری کرکری ہو۔ اپنی قوت کو سحاح کے مقابلہ میں کم پاتا تھا۔ اور مقابلہ کے جرأت نہ ہوتی تھی لیکن چونکہ کیا دی و مکانی میں کمال رکھتا تھا۔ اس لئے دوسری وضع پر چلا سحاح کے کلبں تحفہ اور ہدیہ بھیج کے اُس کی استقامت کی۔ اور اُس سے دوستی پیدا کرنے کا ڈھنگ ڈالا۔ اور جب اُسے بون راہی کر چکا تو پیام بھیجا کہ دو بجے تم سے ملنے کی بڑی آرزو ہے اگر اجازت دو تو حاضر ہوں۔ سحاح نے اجازت دی اور وہی حنیفہ میں کے چالیس ہوں۔ چوتھارہ آدمیوں کو ساتھ لے کے سحاح کے پاس گیا۔ اُس سے محبت کے ساتھ ملا۔ اُس کی صورت و سیرت پر غور کیا۔ اُس کی حالت کا اندازہ کیا۔ اور دلمین سمجھ گیا۔ کہ یہ عورت اس بلا کی ہے اور اپنے پیڑوں ایسا اثر رکھتی ہے کہ فوج کشی کے ذریعہ سے پیش پانا و مشاور ہے یہ ظالم فوج کشی سے نہیں۔ بلکہ حسن و عشق کے کھیل میں زیر ہونے والی ہے اُس کی اس کمزوری کا راز دریافت کر کے مسیلہ نے خواہش کی کہ وہ آپ میری دعوت قبول کریں۔ اور میرے خیمہ میں تشریف لا کے مجھے سر فرما د فرما بن۔ اگر شرط یہ ہے کہ میرے آپ کے دونوں کے ادنیٰ خیمہ سے دور رہیں۔ سحاح نے وعدہ کیا

اور مسیلمہ وعدہ لے کے چلا آیا۔

اب یہاں آئے اُس نے ذرا ہنوں کا سا ایک پرتکلف سُرخ خیمہ کھڑا کر لیا اپنے مذاق اور امکان کے مطابق اُسے اسی طرح بٹھا چلائے اب عروسی بنایا جس طرح زلیخانے حضرت یوسف کے دل پر فتح پانے کے لئے اپنا کمرہ آراستہ کیا تھا۔

مسیلمہ نے اپنے خیمہ کو خوب سجایا اس میں خوشبو میں سدا گامین عطر لگایا اور اس خیمہ کو ایسا بنا دیا کہ پاس ہی کھڑے ہو جائیے تو خوشبودار لپٹیں چلی آتی تھیں۔

یہ جگہ عروسی تیار تھا کہ سچا چلنے کو آئی۔ اُسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ نہایت نرم اور گدگد سے فرش پر بٹھا دیا۔ اور اپنی نبوت سے عشق بازی کا کام لینے لگا کہا "بتا بیٹے آپ پر کیا وحی اتری ہے؟" یہ سچ بولی کہ نہیں پہلے آپ اپنی وحی سنائیں میں پھر عورت ہوں، اور آپ مرد ہیں، اس جواب سے مسیلمہ کھجکھجکا کہ سچا اپنی نبوت میں کمزور ہے اور میرے کچھ نہ کچھ دباؤ ضرور مانتی ہے، بولا "مجھ پر تو وحی اتری ہے" الم تر کیف فعل ربک بما جعلی۔ اخرج منہا مستمتمۃ ففشی من میں صفاق وہ شفا چونکہ یہ وحی کسی حد تک سچا کے مذاق کے مطابق تھی بولی "اور کوئی وحی بھی سنائی ہے" مسیلمہ نے جب دیکھا کہ سچا نے اتنی بڑی کھجکھک کو گوارا کر لیا تو حوصلہ ٹھٹھا۔ اور بولا "اور خدا نے مجھ پر یہ آیتیں بھی نازل کی ہیں" الم تر انما یظہر خلق النصار انوا جائوا حمل الرجال من ازواجہ ففتنہ لہ فیہن ایلہ اجا ثم تخرج ناشیبا اخرجا فافتحون لہا انتاجا" اس بے تکلف سورۃ اور ول کو جہان میں اسنے والی وحی نے سچا پر پورا اثر کیا۔ بولی "اشہد انک مذنی اللہ" (میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ پیغمبر ہیں) اب کہا تھا مسیلمہ کو منہ مانگی سر بولی۔ بولا "سنو خدا تعالیٰ نے آدمی زمین، نیچے دی، تہی اور آدمی قریش کو۔ مگر قریش نے نا انصافی کی جس کی وجہ سے خراسان کا وہ نصف حصہ ان سے چھین کے نہیں عطا کیا اور اب میں کہاں اشتیاق سے کہتا ہوں کہ کیا مناسب نہ ہو لاکھ ہم تم دونوں شادی کر لیں؟

مسیلمہ نے کہا تو خدا کو نہیں دیکھنا کہ غول کے غول عورتوں کے پہاڑ کے مردوں کو ان کا جوڑا بنایا جو ان میں دخول کرتے ہیں پھر ان سے چلتے پھرتے نکالتا ہے۔ اور ہمارے لئے نتیجہ قریش ثابت ہوتی ہے۔

لکھا یہاں تو نہیں دیکھنا کہ میرے پروردگار نے حاملہ کے ساتھ کیا کیا؟ اُس نے اسے ایک زندہ جان تعالیٰ جو دروٹی دے رہا ہے۔ اور جہلی اور غشا میں سے نکل کے آتی ہے،

اگر ہماری یہ دونوں فوجیں مل گئیں تو ہم سارے عرب پر قبضہ کر لیں گے؟“

سجاح کے دل پر مسیلمہ کا چادو پورا چل چکا تھا بولی ”مجھے منظور ہے“ مسیلمہ نے مارے خوشی کے آپس سے باہر ہو کے کہا ”تو پھر دیر کا ہے کی ہے۔ آؤ“ اور اب گسٹناخی کا حوصلہ اس قدر بڑھ گیا تھا کہ اس نے چند نہایت ہی غشش شعر پڑھے۔ جنہوں نے سجاح کو بھی اس کی طرح بالکل مست و دیوانہ بنا دیا۔ الغرض دونوں کی رضامندی نے رچھٹا، مٹکئی، سیٹ بیاہ کی مثل پوری کر دکھائی۔ اور بغیر کسی سے پوچھے چھپے اکیلے ہی اکیلے عقد نکاح کر لیا۔ ان دونوں چیمبرنگی امتین ملاقات کے فیصلہ کا انتظار کر رہی تھیں۔ اور ہمارے دونوں پیر شوق صاحبان امتین ملے گئے۔ وہیں بنے حمید عروسی کے مرنے نوٹا رہے تھے اور شوق وصال الہیا بڑھا ہوا تھا کہ تین دن تک خیمہ سے باہر نہ نکلے۔ تیسرے دن سجاح رخصت ہو کے اپنے معتقدوں میں گئی۔ اذان لوگوں نے جو انتظار کرتے کرتے بے صبر ہو رہے تھے۔ سورت دیکھتے ہی پوچھا ”مسیلمہ سے کیا ٹھہری؟“ بولی ”وہ بنی برحق ہے لہذا میں نے اس کی نبوت تسلیم کر کے اس سے شادی کر لی۔“ لوگوں نے جرت زدہ ہو کے پوچھا ”اور مہر کیا قرار پایا؟“ گھبرا کے بولی ”یہ پوچھنا تو میں بھول گئی“ سافیلو نے کہا ”تو اسی وقت جا کے اپنے مہر کا فیصلہ لیجئے“ سب کے مجبور کرنے سے اسی وقت بٹٹی لیکن یہاں آ کے دیکھا تو مسیلمہ بھاگ کے اپنے قلعہ میں ہو رہا تھا۔ اور دروازہ بند کر لیا تھا۔ وہ دل میں ہما ہوا تھا کہ ایسا نہ ہو میرے اس فعل کو سجاح کے ساتھ اپنی تختہ و توبین خیال کر کے مہر پر یوش کرین سجاح نے طلوع کرائی اور بلوایا تو اس کو اس قدر خوف غالب تھا کہ باہر آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ کوٹھ پر آ کے سامنے کھڑا ہوا اور پوچھا؟ ”اب کس لیے آئی ہو؟“ سجاح نے کہا ”میرا مہر تو نہ بتاؤ۔“ آخر مہر میں کچھ دو گے یا نہیں؟“ بولار ہاں مہر ضرور ملے گا۔ مہر ناموذن کہاں ہے اسے بلواؤ۔“ فوراً سجاح کا موذن شہبث بن ربیعہ حاضری ہوا جس سے مسیلمہ نے کہا ”جاؤ تمام مومنین میں پکارو کہ محمد صلعم خدا کے پاس سے جو پانچ نازین لائے تھے ان میں سے دو عشنا اور خیر کی خدا نے سجاح کے مہر میں مومنین پر سے معاف کر دیں“

یہ مہر یا کسے سجاح واپس چلی تو اس کے اصحاب کبار میں سے عطار و بن حاجب عمر و بن ابیہم غیلان بن خرنشہ اور وہی اس کا موذن شہبث بن ربیعہ ہمراہ رکاب تھے اور خاموش تھے

عطار نے اپنی حالت پر غور کیا تو استعجاب سا معلوم ہوا۔ اور یہ شعر پڑھا۔

استعجت نبیثنا انی انطوف ہبسا و اجمعت اہلبیار الناس ذکرنا

اب مسیلہ سے صلح تو ہو ہی گئی تھی۔ صلح کے شرائط میں گفتگو شروع ہوئی۔ مسیلہ نے کہا کہ

تم علاقہ یمامہ کا ایک سال کا محصول لو اور چلی جاؤ۔ اس میں سے نصف میں اسی وقت دنیا ہوں

اور نصف کیلئے تم اپنا کوئی غنما چھوڑ جاؤ چند روز میں وہ بھی دے دیا جائے گا۔

سبحان نے یہ شرط قبول کی۔ اپنے معتمد علیہ لوگوں میں سے بذیل عقدہ اور زیادہ کو بائیس چھوڑا

اور خود اپنے تمام لشکر کے ساتھ ارض حبشہ کی طرف واپس روانہ ہوئی۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب

وہ مدینہ پر چڑھائی کرنے اور حضرت صدیق سے ٹھٹھکے لئے آئی تھی تو مسیلہ سے شادی کر کے واپس

کیوں چلی گئی۔ حالانکہ خود مسیلہ ہی اسی دھن میں تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ شادی کے بعد اسے یہ

خیال ہوا کہ اب ساری ذمہ داریاں مسیلہ کے سر میں۔ اور اسی کا کام ہے کہ سارے عرب پر قبضہ

کر کے جو ملک میرے نامزد کیا ہے میرے حوالہ کرے۔

مگر وہ ادھر گئی ہی تھی کہ حضرت صدیق کی جانب سے خالد بن ولید علم اسلام لیے ہوئے۔

یمامہ میں آ پہنچے۔ اور اگرچہ نہایت ہی سخت لڑائی ہوئی جس میں بعض وقت صحابہ رسول لشکر

کونالامی کی جھلک نظر آئے لگتی تھی۔ لیکن آخر میں اسلام کی فتح ہوئی۔ مسیلہ کذاب مارا گیا اور جن

لوگوں کو سبوح ملک کی نصف آمدنی لینے کیلئے چھوڑ گئی تھی وہ لڑائی شروع ہوئی۔ یہی پہلی جھلک نظر آئے

مسیلہ کے بعد ہی باقی تمام قرآن اور مدعیان نبوت کا خاتمہ ہوا اور پھر سارے عرب پر ویسی ہی،

حکومت قائم ہو گئی جیسی کہ جناب سرور کائنات صلعم ذات کے وقت چھوڑ گئے تھے،

سبحان کو چھوڑ بھی فوج جمع کرنے یا کشتی کر نیکی جرات نہیں ہوئی۔ بنی تغلب میں ٹھہر کے

نہایت ہی امن وامان اور خوشی کی زندگی بسر کرنے لگی۔ یہاں تک کہ جناب معاویہ کا زمانہ آبا

اور ایک سال تخطا پڑا جس میں معاویہ نے بنی تغلب کو بصرے میں آباد کرایا جن کے ہمراہ کھجور

بھی بصرہ میں آکے مقیم ہوئی۔ اور اس نے اور اس کی ساری قوم نے دین اسلام قبول کر لیا۔

مسلمان ہونے کے بعد سبحان سے پوری و بیداری ظاہر ہوئی۔ اور خاتمہ بالآخر ہوا۔ امیر بنی تغلب

عہ ہمارے بہنہ ایک عورت ہے جسے ہم لینے پہرتے ہیں۔ حالانکہ وہ سب لوگوں کے پیغمبر مرد ہیں۔

جو صحابہ رسول اللہ میں تھے۔ اور ان دنوں بصرے کے حاکم تھے اُس کی ناز جنازہ پڑھائی۔
بہر حال سجاد تو دہری لکڑیوں میں نام کر گئی اور وہ کام کیا جو آج تک دنیا کی اس ساری عمر میں
کسی عورت سے نہ ہو سکا تھا۔

میدم ڈی اسٹائل

اس خاتون کا پورا نام ”این جرمین ڈی اسٹائل“ تھا ”این“ جو اصل عبرانی نام ہے جس کا تلفظ
اس زبان میں توجہ تھا مگر فرنگستان کے مغربی تصورات نے اسے بگاڑ کے ”این“ بنا دیا ہے۔ یہ
خاتون ملک فرانس کی ایک معزز اور صاحب اثر عالمہ اور مصنفہ گران پایرتھی۔ اُس کا باپ ”ٹیکر“
شاہ فرانس لوئی شانزدهم کے دربار میں وزیر خزانہ کی معزز خدمت پر سرفراز تھا شہر پیرس
میں سلاطین میں وہ پیدا ہوئی۔ باپ کی امارت اور خوش ذاتی سے اسے نہایت اعلیٰ درجہ کی تعلیم
پانے اور بہت ہی نکھر افشاہیت سے مزین حاصل کرنے کا موقع مل گیا جسکی بدولت تعلیم سے فارغ
ہوتے ہی اُس نے قابلیت کے ساتھ تصنیف و تالیف کا مشغلہ اختیار کیا۔ کئی ڈراما اور ناول تصنیف
کیے جو ملک میں قدر کے ہاتھوں سے لئے اور واپسی کے ساتھ پڑھے گئے۔

آخر اُس کے عقول ان شباب حسن و جمال اور اُس کے ساتھ اُس کے علمی مذاق نے سوٹر لینڈ
کے رفیع متعینہ دربار فرانس میں ڈی اسٹائل ہولسین، کو اُس کے جمال و کمال کا ایسا دیوانہ
بنا دیا کہ باوجود بہت سن رسیدہ اور عمر ہونے کے اُس نے خوشا مار در آمد کر کے ورا طاعت و
وفائیشی کے لیے جوڑے وعدے کر کے آخر کار این کا سادہ اور بھولا دل جیت ہی لیا۔ اور شادی
ہو گئی۔ جس میں دو لہما جس قدر عمر تھا۔ اُسی قدر دو لہن کسین اوز چہ تھی۔

شادی کے بعد سلاطین میں جبکہ این کی عمر بارہ ہی برس کی ہونی چاہیے اُس کی کتاب
موسون کی تحریروں اور اسکے خصوصیات پر چند خطوط، شائع ہوئی جس نے فرانس کی سلیک
پر بے انتہا اثر ڈالا۔ یہاں تک کہ اسی کتاب کی وجہ سے وہ فرانس کی ایک مقبول عام مصنفہ بن گئی
اس کے بعد حزب حکومت فرانس میں انقلاب ہوا۔ اور آزادی کی دلدادہ رعایا نے اپنے
ناچار اور حکمران کے مخالف ہونے کے ستر پائی و بغاوت کا جھنڈا بلند کیا اور دیگر کمزور عہدہ داران سلطنت

کی طرح اس شایستہ خاؤن کے سفیر کی بی بی تھی جس سے آزادی پسند اور مدعی جمہوریت
فرانسس بیڈوں سے دوستانہ تعلقات تھے اس لئے اسے پیرس میں رہنے کی اجازت دی گئی
اس انقلاب میں وہ انڈرا آزادی کے دعویداروں کی دل سے ہمدردی تھی۔ اور اس انقلاب
و بغاوت کو نہایت پسند کرتی تھی۔ لیکن جب اسے فرانس کے شاہی خاندان کی تباہی و بربادی
دیکھی۔ اور یہ نظر آیا کہ شاہزادوں اور ان کے اعمو اقارب کے ساتھ کیسا بہیمانہ سلوک کیا جاتا
ہے تو اس کے دل میں خوفِ خدا پیدا ہوا۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ مدعیانِ آزادی کی بے غلطیوں
اور دست درازیوں کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھنے لگی۔ اب شاہی خاندان کی ہمدردی کا
خیال اس کے دل میں اس قدر جوش زن تھا کہ نہایت جرات سے کام لے کے اپنی کتاب "ملکہ کے مقدمہ
پر نظر" کمالِ آزادی اور دنیا کی کے ساتھ چھپوا کے شائع کر دی۔ جس میں ملکہ میری انٹوائسٹ کی
جانبداری کی نفی۔ اور اسکی بے گناہیوں کا ثبوت دیا تھا۔ اس کی اشاعت سے لوگ اس قدر
برافروختہ ہوئے۔ اور اس خوفان بنے سمیری کے دور میں اسے اپنے متعلق ایسے خطرے اور
اندیشے معلوم ہوئے کہ سوا اجلا وطنی اختیار کرنے کے بچاؤ کی اور کوئی صورتِ نظر آتی تھی پہنا پیچ
فرانس کو چھوڑ کے باہر چلی گئی۔

اس کے بعد جب "ٹاکسٹری" (مجلسِ حکومت) قائم ہو گئی۔ اور فرانس کا بائیں کا زمانہ ختم
ہوا تو وہ پھر پیرس میں آئی۔ اب اسے پالنگس سے بڑا شوق تھا۔ پوری پوری اسٹیٹس میں بی بی تھی
نئی حکومت و تمدن کے حلقوں میں اسکا بے حد اثر تھا۔ اور مجلسِ حکومت کے ارکان میں جیسے خیالات با
جو بالیسی چاہتی پھیلا دیتی۔ اپنی دانائی و ذہانت سے وہ پینولین کے اصلی مقاصد و اغراض کو پہلے ہی
سمجھ گئی تھی اور ملک میں اسے سب سے زیادہ خطرناک شخص خیال کرتی تھی جس کی وجہ سے پینولین
بوٹا پارٹ اپنی الوالعزیز بلند جو صلی کے راستہ میں اسے ہمیشہ مزاحم آتا۔ اپنے مقاصد حاصل کرنے
کے لئے وہ خفیہ بائین کرتا اور جو تدبیریں سوچتا انکو وہ سخت نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتی
اور لوگوں کو مخالفت پر آمادہ کرتی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کامیاب سپہ سالار فرانس پینولین بوٹا
پارٹ جیسے ہی کوئٹل اول یعنی دارالہمام سلطنت منقرض ہوا۔ عہدہ کا چارج ہاتھ میں لیتے ہی اسے
سب سے پہلے جو احکام جاری کیے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ "میڈم ڈی اسٹائل" (راین) سہر پیرس

خارج البلد کو بجائے اس حکم میں بیولین نے اس خاتون کی نسبت کمال تہذیب سے یہ الفاظ لکھے تھے: "اس حوصلہ مند اور جادو بیان خاتون کے لیے ساری دنیا گلی پڑی ہے۔ صرف ایک دار السلطنت فرانس کو میں اپنے واسطے رکھے لیتا ہوں" بیولین کے یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ اس خاتون کی فصاحت و بلاغت کا وہ کس قدر قابل تھا۔ اور اس کے اثر سے کس قدر ڈرنا تھا اس حکم کے بعد اس کا پیرس میں ٹھہرنا غیر ممکن تھا۔ چنانچہ دوبارہ وطن کو خیر باد کہہ کے اُس نے سوئٹزرلینڈ اور ایلٹالیا کا سفر شروع کیا۔ مختلف شہروں اور علاقوں میں گئی وہاں کے دلربا مناظر دیکھے۔ وہاں کی دلچسپیوں سے لطف اٹھایا۔ اور وہاں کے عادات و اطوار سے واقف ہوئی جن چیزوں کا ثبوت اُس کے مشہور ناولوں "ڈیفین" "کورس" سے ملتا ہے،

اس کے بعد ۱۸۷۱ء میں یکایک اس کی مشہور و معروف کتاب "جرمن" پیرس میں شائع ہوئی۔ جہاں خود اُسے آنے کی اجازت نہ تھی۔ اس کتاب میں اُس نے جرمن والوں کے اطوار و عادات، علم و فضل، اور اُن کے پولیٹیکل ارادوں کی مکمل تصویر دکھائی ہے۔ حکومت فرانس نے یہ کتاب اپنے مقاصد و اغراض کے بالکل خلاف نظر آئی اشاعت کے ساتھ ہی بیولین کے وزیر پولیس نے اُس کی دس ہزار جلدیں پکڑ لیں۔ میڈم ڈی اسٹائل اُن دنوں شہر "کوپٹ" میں تھیں جو جنوبی اکیلیں کے کنارے ہے۔ پیرس سے نکلنے کے بعد اسی مقام کو اس نے اپنا مقصد قرار دیا تھا اپنی کتابوں کے پکڑے جانے کا حال سنتے ہی اُس نے زور و شور سے اعتراض کیا کہ کیا یہ کارروائی بالکل خلاف ضابطہ ہے۔ اس کا جواب وزیر پولیس نے یہ دیا کہ آپ کی یہ کتاب کوئی فرانس کی قومی تصنیف نہیں ہے۔ اور اسی لیے میں نے اس کی اشاعت کوکری ہے۔ سابق میں آپ کا جو طرز عمل رہا اُس کا نتیجہ آپ کی جلاوطنی ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ فرانس کی آپ وہو آپ کے مزاج کے موافق نہیں۔ اس لیے کہ ہم لوگ ابھی اتنے ذلیل نہیں ہوئے کہ جن قوموں کی آپ مدح خوان ہیں ان سے اپنے لیے نظیریں تلاش کریں۔

اب چونکہ فرانس کی پولیس نے سختی کے ساتھ اس کے حرکات و سکنات کی نگرانی شروع کر دی تھی۔ اس لیے اُس نے مملکت فرانس کو چھوڑ دیا۔ اور اُن کی ریشہ دواہیوں کے حلقہ سے بھاگ کے ملک روس میں پہنچی۔ اور وہاں سے جیل کے انگلستان میں آئی۔

اس کے بعد اس کی جو کتاب شائع ہوئی اس کا نام ”وہ سارا جلاوطنی“ ہے اس میں نہایت ہی جوش کے ساتھ نیپولین اور اس کی حکومت کی مخالفت کی ہے، اور اسے دہمکیاں دی ہیں پھر سال ۱۸۱۷ء میں نیپولین کی علیحدگی کے بعد وہ پیرس میں واپس آئی۔ اور جب شاہنشاہ ”لوڈوگ“ سے واپس آیا تب بھی اسے پیرس میں رہنے کی اجازت نہ دی۔ اس کے بعد جب مجلس ”ممبروں“، قائم ہوئی تو وہ فرانس چھوڑ کے سوئٹزرلینڈ میں چلی گئی۔ اور یہی زمانہ ہے جب سے اس نے پالٹکس میں دخل دینا چھوڑ دیا۔

سوئٹزرلینڈ میں عزت گزین ہونے کے چند روز بعد اس کے شوہر ”میرٹن ڈی اسٹائل“ نے سفر آخرت کیا۔ اور اس نے خفی طور پر ”مسیور کا“ نام ایک شخص کے ساتھ عہد کر لیا اور اسی طرح سوئٹزرلینڈ کے گوشہ عافیت میں عزت گزین رہی اس عزت گزینی کا زمانہ اس نے اپنی مشہور کتاب ”انقلاب فرانس پر نظر“ کی تصنیف و تدوین میں صرف کیا۔ مگر وہ اس کی زندگی میں نہیں شائع ہو سکی۔ اس آخری تصنیف میں اس نے فرانس کی پر لٹلی اور طوائف الملوکی کے زمانہ کی نفسی بر بڑی چابکدستی سے دکھائی ہے اور اس دور کے جن جن لوگوں سے اسے سابقہ پڑا تھا ان کے اوصاف و اطوار کا موقع بنا کے ناظر کی نظر کے سامنے پیش کر دیا ہے مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ یہ کتابیں بھی اس کی تصنیف ہیں ”تجربات کا اثر“ ”نقد کشی“ ”پیشیاں آفرینی“، یہ تینوں کتابیں دراصل عالمانہ مضامین ہیں۔ جو ان سب کا ٹون پر قلمبند کیے گئے ہیں۔ انھیں میڈم ڈی اسٹائل اپنے عہد کی نہایت ہی قابل مصنفہ اور مدبرہ تھی جس کی کتابیں ہمیشہ نڈوہریں آخراً اسی سوئٹزرلینڈ کی خلوت گزینی میں سال ۱۸۳۱ء میں اس نے دنیا سے فانی کو خیرت کیا اور ان خوش نصیبوں میں جا ملی جنہوں نے اس ناموری کی زندگی کے شوق میں اس میں نبوی زندگی کو چھوڑ دیا ہے،

جون آف آرک

(فرانس کی مظلوم حامیہ وطن)

یوں تو ہر ملک اور ہر قوم میں صد ہا نامور عورتیں گھری ہیں جنہوں نے اپنے حسن و جمال

کی قوت سے نازک کو مسخر کر لیا۔ اور بڑے بڑے کارہائے نمایاں دکھائیے مگر جون آف آرک کی
 شان و شوخ کی عورت چراغ لے کے ڈھونڈھیں تو یہی ساری دنیا میں نظر نہ آئے گی۔ اس کی
 سرگزشت جیسی دلچسپ اور حیرت خیز ہے وہی ہی جگر خراش اور خون رولانے والی بھی ہے،
 پندرہویں عیسوی صدی کے آغاز میں مملکت فرانس کی حالت نہایت ہی نازک ہو رہی
 تھی۔ شاہ چارلس ششم بالکل فاخر العقل اور بخون تھا۔ نہ اس کے سبب نمائے نظام مملکت بہت بھگنا
 تھا۔ اور نہ بیرونی حملہ آوروں کی روک تھام ہو سکتی تھی۔ اس کا اکلوتا بیٹا ڈوفین، نالائق،
 خوشامدیوں میں گھرا ہوا تھا۔ اور اس پر طرہ یہ کہ لوگوں کو اس کی نسبت باپ کے حملی بیٹے
 ہونے میں شبہ تھا۔ کیونکہ ایک معاہدے کی رو سے سارے حقوق شاہی انگلستان کے بادشاہ
 ہنری پنجم کو دے دیئے گئے۔ اور وہ جان وراثت سے محروم کر دیا گیا۔ ادھر ڈوفین یعنی چارلس
 ہشتم کے نبی اعام اور بھائیوں نے اپنے جیتے باندہ کے ارادہ کیا کہ خود ہی ملک کے مالک بن جائیں
 خصوصاً ڈیوک آف برگنڈی جو انگریزوں سے ملا ہوا تھا۔ سلطنت کی ہوس کے ساتھ بعض
 غامضی تر احوال کا انتظام بھی لینا چاہتا تھا۔ مگر امرائے سوا عام رعایا چارلس ششم کے بیٹے
 ڈوفین ہی کی طرف واسطی اور اسی کو حقیقی وارث سلطنت تصور کرتی تھی۔ ان سب امور کا
 نتیجہ یہ تھا کہ فرانس کے امر اور شاہزادوں میں جھگڑے چمڑے ہوئے تھے۔ دوسری طرف سے
 انگریزوں کے لشکر نے فرانس کی فوجوں کو شکستیں دیں۔ اور یکے بعد دیگرے پڑھوں پر قبضہ
 کرتے چلے جاتے تھے۔ آخر کار انگریزوں نے شہر اور لبان کا محاصرہ کر لیا۔ محصورین کی حالت
 نازک ہو رہی تھی۔ اور سلطنت کے بنائے کچھ نہ بھٹتا تھا۔

ایسے نازک وقت میں ان تمام دشواریوں کے دور کرنے اور فرانس کو تباہی سے بچانے
 کیلئے خدائے عجیب و غریب ارشاد کی جون آف آرک پیدا کی جو ساری دنیا میں اپنی نظیر ہے،
 یہ ایک فرانس کی نوعمر وادخیز عورت تھی۔ وراثت کا کام وہیم تن ووشیرہ لڑتی تھی۔
 زلفیں مشرقی حسینوں کی طرح سیاہ تاب اور مشکین تھیں۔ اور آنکھیں بھی بجائے نیلا
 اور نیلہ فری ہونے کے جاو ونگاہ مرد و شان مشرق کی طرح خوب کالی اور نہایت چمکدار
 تھیں۔ اس کے پیشانی میں (جمال سے دلبری کا پورا کمال نمایاں تھا۔ اور اس کی اندر آتھیں

اپنی درباری کی قوت سے سارے عالم کے مسخر کرنے کا دعویٰ رکھتی تھیں۔

ملک فرانس میں دریائے لورین کے کنارے ڈومنی نام ایک چھوٹا سا گاؤں ہے اس میں جبکہ ایک آرک نام ایک گسان رہتا تھا جو اپنی بی بی ازابو کے ساتھ جمنی کے دوسرے لوگوں کے دیکھنے کسی قدر معزز و ممتاز خیال کیا جاتا تھا۔ کیونکہ اس کے پاس مختصر سا عریبا منہ سوراہ تھا۔

موشیوں کے نو ایک لگ گئے۔ اور اس کے ساتھ خانے میں بیٹے دیئے گئے۔ اور دو بیٹیاں۔ اور بعض دو بیٹیوں میں سے ایک جون آف آرک تھی جسے لوگ چھوٹی بہن بتاتے ہیں۔ اور بعض بڑی۔

جون آف آرک ۱۲ سالہ کو پیدا ہوئی تھی۔ جب تھی پنی اپنی اکثر باپ کی بجایاں چرانے کو گاؤں کے اطراف و جوانب میں چلی جاتی۔ اس کی ماں ازابو نے کسی خانقاہ میں تعلیم پائی تھی جس کی وجہ سے اس پر مذہبی رنگ غالب تھا۔ اور وہی تعلیم اسے اپنی بیٹیوں کو بھی دی۔

سینا۔ پروٹا۔ کاٹھنا۔ چرنیکا تناسکھائے کیساتھ ساتھ اسے انہیں دعا و عبادت۔ زہد و تقویٰ۔ اور پاکدامنی و عفت شعاہی کی اعلیٰ تعلیم دی۔ خود صراحتاً اندازے غیب کی پیشیاں اسکے پاس اپنا سینا پروٹا ایک بیٹھتی تھیں تو وہ انہیں سچی دلیوں اور شہیدوں کے روبرو کان دین کی داستانیں سنایا کرتی۔

یہ باتیں دوسری بہن پر تو معمولی اثر کرتی تھیں۔ مگر جون کے دل پر طبری استعداد کے باعث عجیب قسم کا اثر ہوا۔ پانچ ہی برس کی تھی کہ ان واقعات کی نگاہیں اس پر ایک مستغرق اور مراقبہ کا سا عالم طاری ہو جاتا۔ اور کبھی کبھی ان بزرگوں کی صورتیں متشکل ہو کے اسے خیال کی آنکھوں کے سامنے آ کے کھڑی ہو جاتیں۔ اور چند ہی روز میں اسے بار بار نظر آنے لگانا عالم خیال میں فرشتے اور روحیں آ کے اس سے ملتی اور باتیں کرتی ہیں مگر ان کیفیتوں کو اس نے اپنے پراسرار سینہ میں مخفی رکھا اور ماں ابی پاسی پر بھی کوئی بات نہ ظاہر ہونے دی۔

اب وہ تیرہ برس کی نوخیز و سرور قامت و شیرازی تھی۔ ایک دن گاؤں کے گرجے کے قریب اپنے گاؤں کی گھربانی کرتی۔ اور باغ میں کوئی گڑا لپٹے کاٹھ رہی تھی کہ ناگہان آنکھوں کے سامنے نور چمکا پھر ایک نورانی بیکہ آسمان سے اترنا نظر آیا جس نے قریب آ کے کہا "جون! اچھی لڑکی بن! اس میں واقعہ سے وہ ہم گئی اور نہایت حیران و پریشان اور بے حس و سمیت زدہ تھی۔ مگر ان روحانی فیضان سے اس کا دل بے حد متاثر ہوا اور بار بار یہی چیزیں نظر آتیں جن کے شریعہ سے اسے ہرابت کیونے لگی۔

کہ ”اٹھ اجڑائے جس کام کیلئے تجھے پیدا کیا ہے اُسے پورا کر جا۔ اور بادشاہ فرانس کی مدد کر اور کبوتر
قوی ملک کی پشت و پناہی کو لگی۔ یہ باتیں سن کے وہ اور زیادہ سہم گئی۔ بعض اوقات کانپتی،
گھبراتی اور اپنی بے بسی پر روتے لگتی۔ اور سہم لٹان سے آنسو پونچھ کے کہتی ”مجھ سی عزیز
ماتران و ناکارہ لڑکی کیا کر سکتی ہے؟ میں نہ گھوڑے پر سوار ہونا جانتی ہوں۔ نہ تلوار چلانا
جانتی ہوں۔ پھر فرانس کی کیا خاک مدد کروں گی؟“۔

اب اُس میں ضبط کا بارہ نہ تھا۔ ولی جذبات کے ظاہر کرنے کیلئے بیتاب تھی مگر کسی سے
کچھ کہتے ہی نہ بنتی تھی۔ آخر نہ رہا گیا۔ اور اپنے ایک عزیز زہم سن لڑکے سے جس کا نام جبرائیل تھا اور
ایک ایسے گاؤں کا رہنے والا تھا۔ جہاں کے لوگ شاہ فرانس کے خلاف اور ڈیوک آف برگنڈی
کے طرفدار تھے اُسے دینی زبان میں کہا ”اگر تم برگنڈی کے طرفدار نہ ہوتے تو میں تم سے ایک بات
کہتی ”جبرائیل ہی دلی میں جون کے شخ زیا کا فریفتہ ہو رہا تھا یہ کلمات سننے خوش ہوا اور
سمجھا کہ ”غالبا میری طرح یہی میری طرف مائل ہے شادی کا تذکرہ چھڑے گی“ مگر ہزار
پوچھتا رہا جون نے کچھ نہ بتایا۔ اور لب تک آئی ہوئی بات کو بھردا دیا۔

وہ نورانی صورتیں جو اسکے پاس آیا کرتیں انہوں نے اُسے یہ بھی بتایا تھا کہ مقام دوکولر کے کپتان
کے فریفتہ تو بادشاہ فرانس چارلس ہفتم مل۔ اسی جاہلین تھی کہ اس کپتان سے کیونکر ملوں کہ اتفاقاً ڈیوک
لکزارٹ نام اس کا ایک رشتہ دار اسکے والدین سے ملنے کو آیا جو مقام دوکولر کے قریب ہی رہتا تھا جو کچھ
تنہائی میں موقع پائے اس سے التجا کی کہ چند روز کیلئے آپ مجھے اپنے ساتھ لیتے چلیے۔ اور راجان سے یہ مان
کر دیجئے۔ کچھ امان راہ کی بی بی نے مجھے باایا ہے ڈیوک نے جون کی درخواست پروری کر دی اور
اُسے اپنے ہمراہ اپنے گھر لے گیا۔ وہاں پہونچنے کے ایک دن جون نے جی کرا کر کے ڈیوک سے کہا ”آپ
دوکولر کے کپتان کے پاس میرا اتنا پیغام پہونچا دیجئے کہ مجھے بادشاہ چارلس ہفتم کے پاس پہونچا دین
اسی لئے کہ میں اُنکی مدد کرنے اور انگریزوں کو فرانس سے مار کے نکال دینے کی اہم خدمت پر مامور ہوں گی
ڈیوک نے یہ باتیں سننے حیرت زدہ ہو گیا۔ پھر اُس کی حالت اور کیفیت دریافت کی۔ اور گویہ باتیں اُسے
نہایت لغو نظر آتی تھیں۔ مگر اس کا پیغام لے کے کپتان کے پاس چلا گیا۔ کپتان نے سنتے ہی ایک فہم
لگایا اور کہا ”فہم داری عقل جاتی رہی ہے اُس چھوڑ کر کے دو دھولیں لگاؤ۔ اور اسکے گھر پہونچو۔“

انگریزوں کا مقابلہ اور ایک کنواری لڑکی اچھلا کوئی سمجھ میں آنے کے قابل بات ہے، طرہ پر مٹا نام ہوئے
واپس آیا۔ اور کپتان کا جواب صاف صاف جواب سے بیان کر دیا۔

اب جون بظاہر تو خاموش رہی مگر گول کو کسی طرح قرار نہ آتا تھا۔ تاکام و نامراد باب کے گھر میں
واپس آئی۔ اب اس کا راز فاش ہو چکا تھا۔ باب کو یہی خبر ہو گئی اور اسکے دل میں خیال گذر کہ معلوم ہوتا
ہے جون کو دل میں انگریزوں کے خیالات پیدا ہوئے ہیں اور بدکار و بد اخلاق فوجی سپاہیوں میں جا کے
رہنا چاہتی ہے۔ یہ خیال آتے ہی اسے حیرت کے سپینہ سپینہ ہو گیا۔ اور یہ حالت تھی کہ کبھی خود کو مٹا
پرانا وہ ہو جاتا۔ اور کبھی بیٹی کی جان لینے پر۔ مگر جون نے ان باتوں کی ذرا ہی پروا نہ کی۔ کیونکہ اسے تھا
وطن کی دھن بندھی ہوئی تھی۔ اور روحانی قوت نے اس میں ہمت۔ حوصلہ۔ جرأت۔ شجاعت۔

سیپہگرمی ہتھسوار سی ملک گیری اور علم و فضل کے تمام کمالات پیدا کر دئے تھے آنحضرت ایسے نوعمر ساتھی
بھی مل گئے جو اسکے طرفدار اور حلی و مددگار بنے۔ اور انہیں ساتھ لے کے ۳۳ فروری ۱۸۵۷ء
کو جب اسکی عمر ہتھوڑا بچہ اب اس کی تھی۔ وہ گھر سے نکل کھڑی ہوئی۔ اہل وطن نے روکا کر استہ
دشوار اور اچکل ملک میں انگریزی لشکروں کے پھیلے ہونے کے باعث خطرناک ہو رہا ہے مگر اسے

ہر ایک کو یہی جواب دیا کہ میں ایسے خطروں کی برداشت کر رہی ہوں۔ اس سفر پر قدم
رکھتے وقت مردانے کپڑے پہن لیے ہتھوڑا لگا رہے۔ گھوڑے کی پیڑہ سوار ہوئی۔ اور وطن کو خیر باد کہہ دی
چارلس ہنٹنم ان دنوں شہر شیون میں تھا۔ جہاں اسکے گرو فضول مصاحبوں صد ہا عورتوں

اور بہت سے تنہا کرنے والے ناواقبت انڈیش افسر نکاح جو تمہارے راستہ میں طرح طرح کے خطرے لگے
جون رائون کو سفر کرتی۔ اور دن کو سنی کی جگہ ٹھہراتی۔ گیارہ دن کی دشت نوردی کے بعد پھر
ختم ہوا۔ اور وہ شیون کے قریب فیبر بو نام ایک گاؤں میں ٹھہر گئی۔ جہاں سے اس نے بادشاہ چارلس

کو اپنے آنے کی خبر کی اور کہلا بھیجا کہ میں آپ کے تخت کو بچاؤں گی۔ سنہ اور لیان پر سے انگریزوں کا
محاصرہ اٹھاؤں گی۔ اور مقام رائن میں آپ کو تاج شاہی پہناؤں گی جس سے وہ محروم ہو گیا تھا۔

جون کے ناصر نے بادشاہ کی باریابی حاصل کر کے جیسے ہی یہ پیغام پہنچا اسے بادشاہ کو
غصہ ہوا کہ ایک کم سن چھوٹی اور میری امداد کا دعویٰ۔ پھر ایک دھوکہ دے ساتھ بولا "اچھا بہن
اس بار میں ویریوں سے مشورہ کر لوں تو جواب دوں" وزیروں اور مشیروں کے سامنے یہ معاملہ

پیش کیا گیا تو ایک گروہ نے اس درخواست کا مضحکہ اڑایا اور ایک گروہ کی رائے قرار پائی کہ اسے اپنی
 تدریس پر عمل میں لانے کا موقع دیا جائے۔ کیونکہ اس میں کوئی مشافہت نہیں نظر آتا۔ تین دن تک ان
 لوگوں میں کبتلیاں ہوتی رہیں۔ اور کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ غنیمت یہ ہوا کہ خود بادشاہ موافق و مخالف
 گروہوں کے تین بین میں تھا۔ آخر اس کے دلیں آئی کہ اچھا کوئی امر طے کرنے سے پہلے میں اس سے مل سکے
 اسے آزمائشوں۔ فوراً قاصد واپس گئے کہ جون کو لے آئیں۔ اور ان کے جانے کے بعد اس عجیب
 غریب حسینہ نے اس سے ملنے کے لئے اس نے درمیان مرتب کیا تو اپنی جگہ اپنے کسی افسر کو اپنے کمرے
 بٹھانے کے صدر میں بٹھا دیا اور خود نہایت ہی عام وضع کے کپڑے پہنے کے درباریوں میں مل گیا۔ جون
 حاضرین و دربار کی صفیں چھتی چھتی ہوئی صدر میں آئی صدر نشین کو دیکھا۔ پھر تمام حاضرین کے چہروں پر
 ایک جہلی نظر ڈالی اور لپک کے خود چارلس ہفتم کے سامنے پہنچی۔ ادب سے سر جھکا دیا۔ اور بولی
 ”برادر بادشاہ کی عمر دراز“ چارلس نے کہا ”میں بادشاہ نہیں بادشاہ وہ صدر میں بیٹھے ہیں
 جون نے ادب سے عرض کیا ”مبادشاہ تو آپ ہی ہیں اور میں ایک غریب لڑکی ہوں جو روح القدس
 کی جانب سے اس قدر مت پر مامور ہوئی ہوں کہ آپ کی سلطنت کی بنیاد مضبوط کروں“
 جون کی سادگی خوبصورتی۔ اور اس کی باتوں نے چارلس کو دل پر بڑا اثر کیا۔ امرائے دربار
 الگ کھلبلی میں جاکے اس سے ملا۔ اس موقع پر جون نے ایسی باتیں بتا دیں جو چارلس کے خیال میں
 اسکے سوا دنیا میں کسی کو نہیں معلوم تھیں۔ اس ملاقات کے بعد بادشاہ دربار میں برآمد ہوا
 اور تمام وزراء امرائے کہا ”مجھے تو اس پاکدل لڑکی کی سچائی کا پورا یقین ہو گیا تاہم تم لوگوں
 کے اطمینان کے لئے میں اس کا اور امتحان کرتا ہوں“ یہ کہہ کے اس نے شہر کے بڑے بڑے عقیداتی
 دین استحقول۔ عالموں۔ اور مختلف علوم کے بالکالوں کو جمع کر کے جون کو ان کے سامنے پیش کیا کہ جس
 مسئلہ کو بتائیں اس سے پہچانیں۔ عالموں نے مشکل سے مشکل مسئلے چھڑے اور سب کے ایسے صحیح
 و جریبہ جواب دیں انہوں نے ایسے صحیح و بلیغ الفاظ اور دلکش لہجہ میں دیئے کہ سب اس کے علم و فضل
 کے سامنے عاجز آ گئے اور سارا دربار عشر عشر ہر گز

اب کسی کو اعتراض نہ کیا گیا۔ اور چارلس نے اس کا عنایت کیش، سریری بن
 ان کے اندر پذیر آجائے۔ اس کے جواب دہ کر دیا۔ اور کہا ”آپ کا جیسا چاہے فوج کشی کے لئے روانہ

ہو جائیے۔ اور جون اس کی افسوس کے فوراً روانہ ہو گئی۔ اب جون کی عجیب شان فنی ایک ہاتھ میں
بیزہ تھا اور دوسرے ہاتھ میں شاہی علم۔ زردہ بکتر سے آراستہ۔ آبدار خود پہنے اور زلف مشکین کو پیٹھ اور
شاہانوں پر کھڑے گھوڑے پر سوار فوج کے اگلے اگلے جا رہی تھی۔ سپاہیوں کے دلوں میں شہزادہ خیال
کو دیکھ کر یہ گھوڑے ناک پر بھی سوار ہو گئی تھیں دشمنوں سے کیا مقابلہ کرے گی۔ مگر اس نے غلطی ہی نہ کیا
چاہا کہ سواری کے ایسے کمالات دکھا دیئے کہ کل ہمرہی سوار سپہوت و حیرت زدہ رہ گئے۔

شہر اور دیہات کی حالت نہایت نازک ہو رہی تھی۔ انگریز بہت ہی سختی سے محاصرہ کئے ہوئے
تھے شہر والوں میں ذرا بھی دم نہیں باقی رہا تھا اور جو فرانسیسی لشکر انگریزوں سے مقابلہ کر رہا تھا
اس کے جوڑا بے دست تھے۔ اور کچھ بنائے نہ تھے تھے۔ اور سلطنت میں اتنی قوت نہیں باقی رہی تھی کہ
محصورین کی کتاب کر سکے ایسی حالت میں جون آف آرک شاہی کار کو لئے ہوئے جوش و خروش ہی
پہنچی۔ یہاں پہنچے لڑائی کا آغاز اس نے اس طور سے کیا کہ اپنی فوج میں سے تمام زامیہ عورتوں کو
نکلوا دیا۔ سپاہیوں کو زناکاری سے روک کر اس کے دل پاک و صاف کئے پھر ان کے دلوں میں
امید ورجائے شمعیں روشن کیں۔ اور سب سے کہا: بس خدا پر بھروسہ رکھنا، اس کے بعد آئے
ایسی سختی سے حملہ کیا کہ پہلے ہی دن کی لڑائی میں اہل شہر کی امیورین مضبوط ہو گئیں۔ انگریزوں
میں گھبراہٹ پیدا ہوئی اور لڑائی کا رنگ بدل گیا۔

لیکن سچ یہ ہے کہ ان دنوں فرانس والے نہایت ہی نالائق ہو رہے تھے۔ اور اس قابل
نہ تھے کہ خدا ان کی دستگیری کیلئے جون آف آرک کے ایسے فرشتہ رحمت کو بھیجتا۔ انگریزوں میں
تو یہ خیال مشہور ہوا کہ یہ عورت جادوگر ہے جس سے وہ ہمت کھانے لگے مگر فرانسیسی افسروں
نا شکری کا پہلا اظہار یہ کیا کہ ایک عورت کی مانتی اور اس کے مشوروں پر عمل کرنے کو حقارت و
ذلت سمجھے۔ اور خود بادشاہ کے شاکہ ہوئے کہ ایک گنوار چوہہ کی کوہم پر سردار مقرر کیا ہے۔ اور
انہدامی ہے۔ ان کی وضع یہ بھی کہ جون کی مخالفت کرتے۔ اس کے احکام کے خلاف کارروائیاں کرتے
جس کی تہذیب و حقیر کے لئے سازشیں کرتے اور جنس اس کی عداوت کے خیال سے لڑائی کا رنگ بدلنے
اور قومی سلطنت کے ذلیل کرانے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھتے جون ان سب باتوں کو دیکھتی اور
سمجھتی تھی مگر جہالت وطن میں اس کے قدم کو ذرا بھی لرزش نہ ہوتی۔

بہر حال جون نے انگریزوں سے مقابلہ شروع کیا تو ان کے حواس جاتے رہے اور ہاتھ پیر
 ہی میں اٹھیں اپنی کامیابی مشتبہ نظر آنے لگی۔ سب کو یقین ہو گیا کہ اگر جادو گرئی نہیں تو کوئی
 فرشتہ ہے جو دشمنوں کی مادر کیلئے آسمان پر سے اتر آیا ہے۔ اب جون نے خود حملہ کا قصد کیا سفید
 برقع پہنے زنجیر بدن کیے۔ کالی کالی زلفیں پیٹ پر پھیلا رہیں۔ نعرہ گھوڑے پر سوار ہوئی۔ ایک
 ہاتھ میں نیو اور ایک میں علم لیا۔ اور شاہی گارو کو لے کے نین لول دیا۔ یہ ایسا زبردست حملہ تھا
 کہ انگریزوں کے قدم اکھڑ گئے۔ اور پریشان و بدحواس بھاگے۔ اس کے بعد اور لیاں میں اس
 نے انگریزوں کو تار تار شکستیں دیں۔ یہاں تک کہ انگریزوں نے بہت نقصان اٹھا
 محاصروں چھوڑ دیا۔ اور واپس گئے۔

اس کی اس کامیابی پر فرانسیسی افسران فوج کے دل میں آتش حسد اور بھڑکیاں
 اٹھ گئیں کہ ان کی مخالفت نے ہی جون کی فتمندی میں فرق نہ آنے دیا جو فوج حاصل کر کے شہر
 دہلی میں گئی کہ بادشاہ مژدہ فتح سنائے اب اس کی استعداد شہرت ہو گئی تھی کہ عام اہل
 فرانس اس کے نام پر فریفتہ اور اس کی زیارت کے مشتاق تھے۔ جدھر سے اس کا گزر ہوتا ہزار ہا خلقت کا
 انبواہ اس کی صورت زیبا دیکھنے کے لئے جمع ہو جاتا۔ جوش و خروش سے اس کی تعظیم کے لئے جھکتے
 اس کے قدم چومتے۔ جو خاک اس کے پاؤں سے چھو جاتی۔ اسے چومتے اور جنزک خیال کرتے شہر
 بلواؤں نے بڑی ہی گرم جوش سے اس کا استقبال کیا۔ اور بادشاہ نے مژدہ فتح سننے کے بعد لکھا
 شکر گزاری کیلئے اسے اپنے ساتھ کھانے پر بلایا۔ مگر جون نے قطعاً انکار کیا اور کہا وہ یہ وقت
 کوشش اور جان کھپانے کا ہے۔ نہ مزے اترانے اور دتوین کھانے کا۔

روح القدس نے مجھے یقین دلایا ہے کہ میرے سفر آخرت کے لئے کا وقت قریب آگیا ہے اور
 دو سال سے زیادہ زندگی نہیں باقی ہے، اس لئے فوراً شہر راتن میں چلیے تاکہ میں آپ کو اپنے
 ہاتھ سے تاج شاہی پہنا دوں۔ اس کے بعد ٹھہرا جو چاہے کرے۔ اس طریقہ سے اس نے
 چارلس ہفتم کو مجبور کر دیا کہ بہت جلد اس کے ساتھ شہر راتن کی طرف کوچ کرے۔
 آخر چارلس ہفتم کے ساتھ لے کے وہ بڑے کروفر سے اور عجیب شان و شوکت کیساتھ
 روانہ ہوئی۔ بادشاہ کے آگے آگے سفید کپڑے پہنے۔ زلفیں بکھرائے سفید گھوڑے پر سوار

اور فرانس کا علم ہاتھ میں لئے ہوئے وہ تھی۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ اکیس سالانہ نہیں کوئی فرشتہ ہے جو ملکات
فرانس کی حمایت اور شاہ چارلس کی پشت پناہی کیلئے آسمان سے اتر آیا ہے یہ شاہی لشکر ایک قسم کی
روحانی عظمت کی نشان دکھاتا ہو۔ شہر جارج کے قریب پہنچا جیسے انگلستان والوں کا قبضہ تھا انگریز
پہلے تو اس قدر غالب آچکے تھے کہ اپنے آپ کو سارے ملک فرانس کا مالک تصور کرتے تھے اور انہیں اپنی
فتح میں ذرا ہی شک و شبہ نہ تھا۔ مگر اب جون کی کارروائیوں نے ان کی اس کامیابی کی رفتار میں
ایک نوری انقلاب پیدا کر کے انہیں پسپا کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور ان کے دلوں پر جون کی بہت بیٹھ
گئی تھی تاہم انگریزوں کی حیثیت نے اس بات کو گوارا نہ کیا تھا کہ وہ بساطے فرانس میں بیٹھنے کے حوالہ دیں وہ
مزاحمت کے لئے تیار ہوئے اور جون نے ان پر بلا تامل جوش و خروش سے دھاوا کیا اس کی جان
بازی نے فرسیمیسی سپاہیوں کے مردہ دلوں میں نئی زندگی پیدا کی۔ خصوصاً جب انہوں نے دیکھا
کہ جون آف آرک بغیر اسکے کہ وہ ابھی بچکاپے اور اسکے قدم کو کچھ لمبی لغزش ہو چھوڑے کو ہلاتی ہوئی
سیڑھی لگائے شہر شاہ پر چڑھ گئی تو سب نے جان پر کھیل کے چاروں طرف سے یورش کر دی۔
لیکن خود جون جب سیڑھی کے اوپر کے زمین تک پہنچی اور شہر شاہ پر قدم جمائے کوئی
کہ ناگہاں سیڑھی ٹھک کے پٹخے آ رہی۔ اور اس کے ساتھ ہی جون آف آرک بھی کھائی کے اندر پڑی
گرنے میں کچھ ایسی چوٹ آئی کہ جون کو غش لگیا۔ مگر ہوش آتے ہی اپنے آپ کو سنبھالا۔ اٹھ کھڑی ہوئی
گرو چھڑکے اوپر آئی۔ اور فوج کو لگا لگا "سہا درو" اسی جملہ پر لڑائی ختم ہے۔ اور فتح منہا رے ہاتھ پر
ان بحر الین الفاظ نے سب میں کچھ ایسا ہلاکا جوش پیدا کر دیا کہ سر تھیلیوں پر رے کے بڑھے اور
آٹا ٹانیاں انگریزوں کو مفلوب کر دیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد شہر انگریزوں کے قبضہ میں نہ تھا۔
اس سفر کے بعد انگریزوں کے حوصلے ہست ہو گئے۔ اور انہیں کلیئہ بابوسی ہو گئی چنانچہ
ان کے سپہ سالار اعظم ابوٹ نے خود ہی مصالحت دیکھ کے فرانس کے نام شہر ولن بریسے اپنا قبضہ اٹھا
لیا۔ اور سارے انگریزی لشکروں کو جو مختلف اطراف اور شہروں میں پھیلے ہوئے تھے۔ یکجا کر کے
دار السلطنت پیرس کا ارادہ کیا۔

دوسری طرف جون آف آرک براہ راستین دیتی اور فوجوں پر تھیں حاصل کرتی بڑھتی چلی
جاتی تھی۔ اور اس کے مقابل کسی جگہ انگریزوں کا قدم نہ ٹھکانا تھا۔ آخر وہ شہر رائن میں پہنچی

جہان سے اور جلالی سے کو اس نے بڑے سی اہتمام اور نہایت ترک و احتشام سے شاہ چارلس
 کو تاج شاہی پہنایا۔ ناچویشی کے وقت جون حسب معمول سفید لباس پہنے اور علم ہاتھ میں لیے تخت
 کے آگے کھڑی گئی۔ بادشاہ کو تاج منقذائے دین نے پہنایا۔ اور اس کی کمر میں تلوار جو تاج پوری ہاتھ کی
 ان سب باتوں کو وہ ایک عجیب غلوں اور جوش مسرت سے اپنے ایک دینی اور روحانی غرض
 کی طرح بجالائی اور جب تمام رسوم ناچویشی ادا ہو چکے تو اس پر ایک رقت کا عالم طاری ہوا۔ آنکھوں میں
 آنسو بھر آئے۔ فوراً اٹھ کئے چارلس کے قدموں سے لپٹ گئی۔ اپنے گرم آنسوؤں سے اس کے قدم
 دھوئے اور نہایت جوش کے ساتھ بولی کہ اب حضور کی فتح پوری ہو گئی۔ اور میرے جو کہا تھا۔
 کہ دکھایا۔ اب مجھے آزاد کیجئے کہ خوش خوش اپنے گھر جاؤں اپنے اسی صنمسان گاؤں اور
 گوشہ تنہائی میں بٹھ کر چرخا کا توں۔ اور باپ کی بیٹیوں جیڑوں جس مشغلہ میں کہ میں اس سے پہلے
 مصروف تھی۔ چارلس نے یہ کلمات سن کے کہا "مہلّا اب میں اپنے اس حافی اور گھست۔ پناہ قوم
 کو چھوڑ سکتا ہوں۔ جس نے قوم کو ہلاکت سے بچایا ہے؟ اب ملک کی ترقی اور قوم کی بہبود و تہارت
 ہی دم قدم سے وابستہ ہے اور مجھ سے نہ ہوگا کہ کامیابی کے بعد تہارت اور امن و امان سے چھوڑ دوں۔"
 بادشاہ کا یہ جملہ ساری قوم کی آرزوؤں کا ترجمان تھا۔ اس لیے اب فرانس کی ساری
 خلقت کو جون سے بے حد عقیدت تھی۔ اور سوا چندا مر اور فوجی افسروں کے جن لوگوں کو جون کے
 ساتھ بغض و عناد تھا۔ سارے اہل فرانس جون ہی کی رفاقت میں اپنی فلاح سمجھتے تھے اس کے
 جھڑکے کے گرد انہیں تمام بزرگان سلف اور ولیوں کی روئین نظر آتی تھیں۔ بادشاہ کے روکنے
 سے وہ ٹک ٹو گئی۔ مگر اسی گھڑی سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے مسرت و شادانی ہمیشہ کیلئے
 اس کے دل سے رخصت ہو گئی۔ اور گویا وہ بالکل بدل گئی۔ اب اس میں نہ وہ قوی حیثیت نظر
 آتی تھی اور نہ وہ اگلی جواخردی و شجاعت۔ نہ وہ رویا سے بھرا وقار تھے اور نہ وہ الہام اور روحانی
 مکاتبات۔ اس کی سیرت و طبیعت اس کے اوصاف و اطوار۔ اور اس کے خیالات و اقوال میں
 ایسا سیرت انکیز انقلاب ہو گیا کہ اس کی باتیں سن کے اور اس کی حالت دیکھ کے لوگوں کو تعجب
 ہوتا تھا۔ اب بجائے اس جوش اور الواغذی کے وہ طرح طرح کے ایام اور رکیک خیالات میں
 مبتلا اور اپنی حالت پر سببی تخیل نظر آتی ہو وقت نہ کیا کرتی اور جیسے وہ ساری قوت باطنی اس میں ساکن تھی

مگر یہ مزارعی انقلاب دیکھنے پر بھی بادشاہ نے اسے اپنے پاس سے نہ جانے دیا اور آخر اس نے
 رائے کہ گرجے سے اپنے اسلحہ بھرنے کے جسم پر راستہ کیے شہسواروں کی مفتح بنائی اور معرکہ آرائی
 کے لئے روانہ ہوئی۔ لیکن خرابی یہ تھی کہ ادھر تو خود جون اس طرح بدل گئی تھی۔ اور ادھر امرائے
 فرانس کے دیوانیس اس کا بغض اور بڑھکچا تھا۔ اس لئے کہ بادشاہ کو جون پر مہربان اور مہربانیں
 اس کا مطیع فرمان دیکھ کے وہ آتش حسد سے جلے مرنے لگے۔ وہ اس طرح و تشیع کرتے رہے اور اس
 پر جھوٹے اتہام لگاتے۔ اس کے کارناموں کو برائی کے لباس میں دکھاتے۔ اسے ہذا نام کرتے۔
 اور لشکریوں کو اس کی طرف سے بدظن کر کے نافرمانی اور سرکشی پر آمادہ کرتے۔ یہاں تک کہ سکے
 دامن پر بدکاری کے دھبے لگانے میں ہی حسن کشن امرائے فرانس نے دریغ نہ کیا۔ جون کا معمول
 تھا کہ اب سواشریف و پاکدامن خاتونوں اور پاکدامن تنوں کے اور کسی کی محبت میں نہ بیٹھتی
 کسی مرد سے ظالمانہ نہ کہنتی معزز اور آبرودار عورتوں میں اپنی راتیں بسر کیا کرتی۔ اور کسی کو
 اس پر الزام لگانے کا کوئی موقع نہ مل سکتا۔ مگر اس پر یہی بدظنیت اور ناسپاس امرائے فرانس
 نے اس کے بدنام کرنے میں کوئی قبیحہ نہیں اٹھا رکھا۔ وہ نہایت سختی کے ساتھ ان کے الزاموں کی
 تردید کرتی۔ مگر بیچ پہلے کہ فرانس والوں نے اپنی افراہدیوں اور ناحق شناسیوں سے اس کے
 بے نوٹ اور پاک صاف دل کو بڑے بڑے چرکے دیئے۔ اور جون کی نیک نفسی اس مزارعی انقلاب
 کے بعد ہی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اس نے اپنے ہاتھ سے کسی کو آزار پہنچانا نہیں گوارا کیا بادشاہ
 اور لشکری سب اس کے ساتھ تھے اور اس کے اختیار میں تھا کہ جس افسر کو چاہتی قتل کی سزا دواتی
 یا ایک معمولی اشارے سے مروا داتی۔ مگر اس سے یہ نہ ہوسکا کہ چاہے کیسا ہی دشمن اور اتہام
 لگانے والا ہو۔ اس کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے اس بارے میں سخت سے سخت غصہ کے موقع
 پر ہی اس کی تسلیم و رضا میں فرق نہیں آیا۔

اب جون نے بادشاہ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ خاص بیریں پر حملہ کر کے انگریزوں کو
 شکست دے اور فرانس کے دارالسلطنت کو اپنے قبضہ میں لائے اس ہدایت کے مطابق
 چارلس لشکر لے کے چلا۔ اور جون ہمراہ رکاب ہوئی تا برطانیہ کو فتح کر کے شادی لشکر بیریں کے
 گرد آویزا۔ راستہ میں ہی کئی فحش ہوئیں۔ اکثر شہروں نے خود ہی سرطاعت نہ جھکا دیا۔ آخر شاہ

چارلس کے اشارے سے اس نے مقام سینٹ اونورے پر دھاوا کیا۔ جہاں کہ دشمنوں کا پڑاؤ تھا اگرچہ چون نے کبھی کسی شخص کو اپنے ہاتھ سے نہیں قتل کیا۔ اور نہ کسی پر تلوار نیزے یا کسی حربہ سے وار کیا۔ مگر حملہ آوری میں ہمیشہ سپاہیوں سے آگے رہتی اور سب سے پہلے حریف کے قلعہ پر جا پہنچتی تھی۔ اسی میدان میں وہ کئی بار زخمی ہو کے گری اور غش آگیا اور سہ ماہی حملہ تھا کہ جب غش سے سکون ہوتا اور ہوش و حواس بچا ہونے تو بادشاہ سے اپنے گھر جانے کی اجازت مانگتی مگر چارلس نے کسی طرح منظور نہ کیا اور آخر میں کہا: "تمہارے اعلیٰ اخوات کے صلہ میں تمہارے کاؤن کی مالگداری معاف کر دی جائے گی۔" اور کوئی بات اُٹلی درجہ کی معزز خدمت تمہارے سپرد کی جائے گی۔ گو کہ ان وعدوں کا اس پر کوئی اثر نہ پڑ سکتا تھا مگر بادشاہ کے اصرار سے مجبوراً اسے شاہی رفاقت اور دربار داری کی زندگی اختیار کرنا ہی پڑی۔

اس کے بعد بہت سے واقعات پیش آئے جن میں اگرچہ کامیابی ہوئی مگر اسے فرانس کی فتنہ پرور اذیان اور جون کے بدنام کرنے کی کارروائیاں بدستور جاری تھیں۔ بلکہ روز بروز برائی ہی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ بادشاہ چارلس نے اس کے ذمہ بیہ خدمت کی کہ فوج لے کے جائے اور انگریزوں کو شہر کوم میں سے مار کے نکال دے۔ یہ شاہی حکم پاتے ہی وہ مسلح ہو کے روانہ ہوئی۔ اور شہر پر پہنچ کے جوش و خروش سے حملہ کی تیاریاں کرنے لگی۔ اس موقع پر فرانسیسی افسروں کی ہاپاک سازشوں کا یہ اثر نمایاں ہوا کہ اس نے فوج کو حملہ کا حکم دیا اور پوزیشن کر کے کیلئے بڑھی تو فوج والوں نے چائے اس کے کہ اس کے حکم پر عمل کریں آخر فوج اسی قدر نہیں بلکہ وہ جون کی نسبت امانت و اتہام کے لفاظی زبان پر لائے جون نے اپنی فوج کا تو کچھ خیال نہیں کیا مگر انہیں حملہ کے لئے ابھار اور خود دشمنوں کی طرف بڑھی تب وہ تنہا دشمنوں کی طرف بڑھتی چلی جاتی تھی اور گوبائن تنہا قلعہ پر قبضہ کر لینے کی آرزو مند رہتی۔ مگر ہمسایوں نے کسی طرح ساتھ نہ دیا۔ بلکہ شکست کھا کے بھاگے۔ ناگہان فرانسیسیوں ہی کے ایک گروہ نے جو انگریزوں کا طرفدار تھا۔ اسے گھیر لیا۔ اور گھوڑے سے کھینچ کے گرفتار کر لیا۔ اور کمال ناشکری و احسان فراموشی سے انگریزوں کے حوالہ کر دیا۔ جو کہ جون کے خون کے پیاسے اور اسے بڑی بہاؤ خطرناک جادوگری تصور کرتے تھے۔ جون کی گرفتاری کا خبر مشہور ہو تو تھے لوگ اس کی زیارت

کو آنے لگے۔ عوام میں تو ہمدردی کا جوش تھا۔ اور غریبوں کی اسیری پر کڑی وزاری کر رہے تھے مگر امرائے فرانس کی یہ حالت تھی کہ گویا جون کے سب سے بڑے جانی دشمن وہی تھے۔ انہوں نے فوراً انگریزوں سے صلح کر لی۔ بلکہ اپنی عجیب و غریب بے نفس محسنہ کو ان کے حوالہ کر کے ان کے مطیع فرمان بن گئے۔ اسب غلابیہ دھڑلے سے جون کی ہر بات پر اعتراض ہو رہا تھا۔ اس کی ہر ایک کارروائی پر نکتہ چینیوں ہو رہی تھیں۔ اور اس کے طرح طرح کے نام رکھے اور اسے ہر قسم کے الزام دے جاتے تھے۔ اور وہ نہایت استقلال و جرات خیزی سے بغیر اس کے کہ تیوریوں پر ذرا بھی مبل آئے۔ یا کسی قسم کی فکری چہرہ سے ظاہر ہوا اپنے قید خانہ میں خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ اور نواور قوم فرانس کی دناست و ذلت کا اس سے زیادہ کہاں ثبوت ہو گا۔ کہ خود شاہ چارلس جسے اس نے بادشاہ بنایا۔ اب کمال ناشکری کے ساتھ اس کا دشمن تھا۔ اور دیگر امرا کی طرح وہ بھی جون کے نام کی توہین کرتا اور اسے طرح طرح کے عیب لگانا تھا۔ پیرس والے جون کے سب سے زیادہ خلاف تھے اور ان کے ہر کار یا ربا رٹھارٹے تھے۔ کہ جون زندہ نہ چھوڑی جائے اور اسے نہایت ہی سخت سزا دی جائے چنانچہ وہ اسیریوں کی طرح فرانس کے قلعے جان دی الکس برگ میں رکھی گئی۔ انگریزی عدالت کے سامنے اس پر مقدمہ چلایا گیا۔ اور شاہ انگلستان ہنری نے اس مقدمہ کی سماعت کے لیے دو جج مقرر کیے۔ اس مقدمہ کے دو رائیں وہ ۱۶ مرتبہ اجلاس کے سامنے لائے پیش کی گئی اور ہر بار اس سے عجیب استقلال ظاہر ہوا تھا اور تمام الزامات کا وہ ایسا معقول جواب دیتی کہ کسی کو جواب دیتے نہ بن پڑتی۔ آخر جج کوئی الزام نہ عائد کر سکا تو صرف اس بنیاد پر کہ وہ جادو ہے اسے جس دوام کی سزا دے دی گئی۔ اور صرف روٹی اور پانی اس کی غذا مقرر ہوئی۔ اسی سلسلہ میں اس سے قسم کھلا کے عہد لیا گیا۔ کہ اب کسی مرد اسے کپڑے نہ پہنوں گی اور یہ جلت لینے کے دو چار روز بعد یہ چالاک کی گئی۔ کہ جب وہ سوتے کے کپڑے پہن کے سو رہی تو کسی نے چپکے سے چاکے۔ اس کے کپڑے غائب کر دیئے اور ان کی جگہ ایک مردانہ جوڑا رکھ دیا گیا۔ صبح کو جاگنے کے بعد حبیب اس نے خواجگاہ کے کمرے سے نکلتا چاہا تو مردانہ کپڑوں کے سوا اور کوئی لباس نہ ملا۔ مجبوراً انہیں کپڑوں کو پہن کے خواجگاہ میں نکلی۔ ساتھ ہی چارولن طرف سے لوگوں نے نرنگ لیا کہ تم نے اپنی قسم اور اپنے عہد کسے نہ ادا کیا اور اسی لباس میں اسے حاکم کے

ساتھ پکڑے گئے۔ اور اس بات کی شہادتیں پیش کیں کہ اس نے پھر مردانے کپڑے پہنے اور حضور کے ملاحظے کیلئے ہم آہٹے مع اس لباس کے لے آئے ہیں۔ مجسٹریٹ نے باخوابہ کارروائی کر کے غریب جون پر دروغ حلفی کا جرم عائد کیا۔ اور اس کی سزا پانچویں کی زندہ آگ میں جلا دی جائے جو کہ اُن دنوں عموماً جادو گر بیوں اور ڈانٹوں کی مروج سزا تھی۔ جون نے نہایت مضبوط قفل اور صبر و استقلال سے جو حکم سنا اور اُس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ”تمہارے اس حکم کی اپیل اُس خدا سے عالم و دانا کے عرش اعلیٰ کے سامنے پیش کروں گی؟“

اس قدر جلد قتل کی سزا کی زیادہ وجہ یہ بھی تھی کہ اگرچہ فرانسس والون نے گرفتار کر کے اُسے انگریزوں کے حوالہ کر دیا تھا۔ مگر برابر اصرار کر رہے تھے۔ کہ اُسے جلد قتل کی سزا دی جائے۔ انگریزوں کو اگرچہ جون کی کوششوں سے بے حد نقصان پہونچ گیا تھا۔ اور سچ یہ ہے۔ کہ اگر جون آف آرک نہ اٹھ کھڑی ہوتی ہوتی۔ تو انہوں نے پورا ملک فرانس فتح کر کے چارلس کو ہمیشہ کیلئے تاج و تخت سے محروم کر دیا ہوتا۔ تاہم انگریز شاید بذات خود اُسے اس بے رحمی کی سزا نہ دیتے۔ سکہ فرانس والون کی ناشکری احسان فراموشی اور نالائقی فی جہت تھی نے انگریزوں کو مجبور کر کے اُن کے ہاتھ ایک ایسا باگدار زمانہ ظلم کر لیا۔ جو خود اپنے طور پر اُن سے نہ ہو سکتا تھا۔

اب اس سزا کی تعمیل کا انتظام ہونے لگا۔ فریق امر اسٹورل اور بے رحم تاشا بیونکی طرح جمع ہوئے۔ فرانس کی بے بس رعایا اپنی بدبختی پر روتی اور آنسو بہاتی ہوئی جمع ہوئی ایک بڑی بھاری چٹا بنائی گئی۔ اور اُس پر جون لاکے کھڑی کر دی گئی کہتے ہیں کہ موت کی اس نازک کھڑی میں اُس کے ہاتھ سے صبر و تحمل کی باگ نکل گئی۔ خوبصورت اور نازک چہرہ نے بے بجائے شامت و استقلال کے حسرت برس رہی تھی۔ اور بار بار لبوں سے آہ نکل جاتی تھی پھر جب چٹا میں آگ لگا دی گئی۔ اور شعلے اُس کے قریب پہونچے اور اُس کے پیٹ سے بلب جڑ کے رہنے لگے۔ تو وہ ایسی دروہری آواز میں چیختی۔ اور اُس حضرت رب العزت کی درگاہ میں فریاد کرتی تھی کہ نبھ کر اٹھو یہ قوم ہوا جانا تھا۔ عام تاشائی زار و قطار رو رہے تھے مگر یہ اثر نہ ہوا تو بے رحم سرانے فرانس کے دلوں پر۔

یہ ایسا حسرت ناک اور رنجیدہ پاش پاش کرنے والا منظر تھا کہ دشمنوں کی آنکھوں سے

یہی آنسو جاری ہو گئے۔ خود کار ٹائل بونور (ناعب پوپ) جو تعمیل حکم کرانے کے لئے آیا تھا۔ اس کے
 دل پر یہی خوار کے ہاتھ کی بنائی ہوئی ایسی پیاری صورت کے دم بھر میں مٹا دینے کا اس قدر اثر ہوا
 کہ اس منظر کو نہ دیکھ سکا اور ادھر سے مٹہ پیریا۔ اور اسکی آنکھوں سے ایک سیلاب جاری تھا جس
 چتا پیریا بڑھ کے جون ٹھلائی گئی۔ وہ اتنی بلند تھی کہ اگر کسی میں کسی قسم کا ہمدردی کا جوش بھی پیدا
 ہوتا۔ تو وہ اس کی کچھ مدد نہ کر سکتا۔ آخر دم بھر میں شعلوں نے اس کی سینہ شکاف چنچیں موقوف
 کر کے اسے ہمیشہ کے لئے خاموش کیا۔ پھر اسے جلا کے خاک کر دیا۔ اور جلنے کے بعد اس کی خاک
 دریا سے سین کے اوپر بواہ میں اڑا دی گئی۔ تاکہ اس کے جسم کا ذرہ بھی کسی کے ہاتھ نہ آ سکے۔ لیکن اس
 عہد کے سنگدل بے عقلوں نے اسکی فانی تصویر نو مطاویٰ مگر اس کے روشن نام کا مٹانا اور مٹا کر
 سے گناہی کسی نہ کسی وقت ظاہر ہوتی ہی ہے اور ظالموں کو اپنا ظلم ضرور محسوس ہو
 جاتا ہے مگر اس وقت سو اچھٹانے کے کچھ نہیں کر سکتے۔ جون آف آرک کے جلائے جانے کے برس
 بعد پیرس کے بشپ (لاٹ پادری) اور نیزرونتہ البری کے بشپ نے آزادی سے بیفتویٰ
 جاری کیا کہ جون کے حق میں جو فیصلہ کیا گیا۔ وہ غیر منصفانہ اور سرسبز ظالمانہ تھا۔ اور اس کیساتھ
 ہی فرانس کے ادنیٰ و اعلیٰ سب لوگ جون کے بیگناہ قتل کیے جانے پر بچپنا نے اور کتنا افسوس منے لگے۔
 کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ پائے اس زود پیشیاں کا پیشیاں ہونا
 جو جزمانہ گزرتا تھا فرانس والوں کو اپنے دامن پر اس یادگار زمانہ خون ناحق کا دھبہ
 زیادہ بھرا نظر آتا تھا۔ اور کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ کہ اس ناحق شناسی کے بار کو اپنے سینہ پر سے کیونکر
 ہٹائیں؟ آخر ۱۸۷۰ء میں جون کے وطن ڈومری میں اسکی ایک سنگین صورت بنائے گئے تھے
 پھر دوسری صورت خاص اس مقام پر بنا کے قائم کی گئی۔ جہاں وہ چٹا پڑکھ کے جلائی گئی تھی اس کے
 چند روز بعد ایک صورت خاص پیرس میں ایک عہدہ موقع پر کھڑی کی گئی۔ جو اس کی سب تو
 سے زیادہ عمائدی اچھی اور مکمل تھی۔ اس کے بعد ۱۸۷۵ء میں شہر اور لیان والون نے چٹکے علاقہ میں
 جون کا وطن ڈومری واقع تھا۔ اپنے وہاں اس کی ایک صورت بنا کے قائم کی۔ اور ہر سال مئی
 کو اسکی یادنازہ کرنے کے خیال سے ایک میلہ کرنے لگے۔ جو آج تک جاری ہے اس موقع پر طبعہ
 کئے جاتے اور انہیں ان ظالموں کی مذمت و بھڑک میں پرجوش و پر سوز نظمیں پڑھی جاتیں۔

جنہوں نے کمال سنگدل سے اس سچی حامیہ وطن کو اس بے رحمی کے ساتھ قتل کیا تھا اس سلسلہ کے جاری ہوتے ہی اس کی مظلومی کی تصویر دکھانے کیلئے ڈراما تصنیف ہوئے اور وہ یورپ کے قبیضہ رون میں دکھائے گئے۔ ناول شائع ہوئے۔ اور ہر طرف سے اس سچی، پاک نفس حامیہ وطن کی طرف داری میں آوازیں بلند ہوئیں۔ یہاں تک کہ ساری دنیا نے تسلیم کر لیا کہ جون نہایت ہی پاک دل اور سچی شہید قوم تھی۔ اور اس کے قتل کرنے والے بدترین ظالم و سنگدل۔

بستان التفاسیر

ترجمہ اردو تفسیر فتح العزیز پارہ تبارک الذی

مصنفہ حمیدہ الحدیثین زبارة المفسرین امام العلماء قدوة الفضائل حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی۔ ایسے شخص کی تصنیف کی کیا کوئی تعریف کر سکتا ہے صرف انکا نام کافی ہے گیارہ بڑی بڑی سورتوں کی تفسیر میں مع احادیث کے سورۃ تبارک، سورۃ نون، سورۃ حاقہ، سورۃ معارج، سورۃ نوح، سورۃ جن، سورۃ فطر، سورۃ مدثر، سورۃ قیامت، سورۃ وہر، سورۃ واقعات، سورۃ لہوکیوں اور عورتوں کے واسطے اس کا مطالعہ ضروری ہے ۱۰۰ سو صفحات سے زائد اور ۲۰۶ صفحات کلام۔

علامہ

عبد

عبد

عبد

قیمت کاغذی

ایضاً جلد

ایضاً کاغذی بغير جلد

ایضاً کاغذی بغير جلد

(نوٹ) ہر صاحب جلدین تفسیر کی ایک ہم اوکو صرف ۱۰ روپیہ فی جلد دینے کے بغیر جلد۔

سیّد زہور الحسن ابوالحسن قونی بہتیس واپلی حجتہ لال میاں

CALL No. ۹۲۰۵۶ ACC. NO. ۵۶۶۴۱
 AUTHOR شیخ الاسلام
 TITLE ۱۹۲۳

۹۲۰۵۶
 ۵۶۶۴۱
 شیخ الاسلام، عبدالحلیم -
 خدایات -
 ۱۹۲۳

Date	No.	Date	No.
1923	1		

BOOKED AT THE TIME



MAULANA AZAD LIBRARY ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY

RULES:-

1. The book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of Re. 1-00 per volume per day shall be charged for text-books and 10 Paise per volume per day for general books kept over - due.

